لختے برد از دل گزرد ہر کہ ز پیشم
من قاش فروشِ دلِ صد پارۂ خویشم

لختِ جگر

نتیجۂ فکر

لسان القوم مولانا صفی لکھنوی مدظلہ العالی

صحیفۃ الادب کلیات مولانا صفی لکھنوی کے سلسلے کی

دوسری جلد

صحیفۃ الملت

معروف بہ

لخت جگر

جو ایک مسلسل نظم بطور مسدس آل انڈیا شیعہ کانفرنس اور اسکے ادارات کے متعلق ہے

حسب فرمائش

سید منظور علی صاحب وصی لکھنوی، ایف، اے دبیر ماہر دبیر کامل ایل ٹی سی

باہتمام محمد جواد نظامی پریس لکھنو میں چھپا

قیمت ۱۲

اعلان

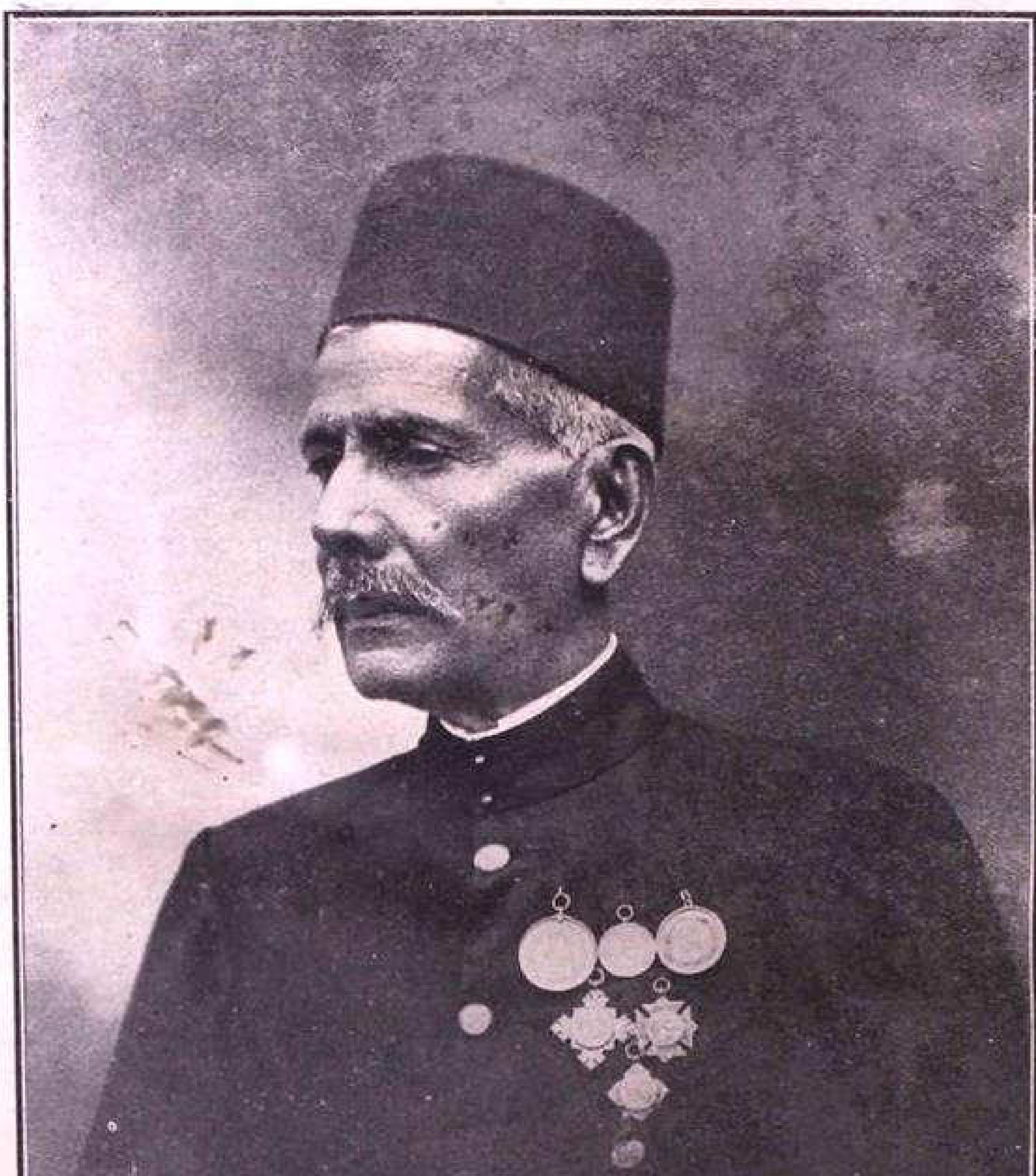
اس مجموعۂ لختِ جگر اور اس مجموعے کے ہر جزو کا حق طبع و اشاعت و فروخت میں نے اپنے فرزند عزیزی سید منظور علی صاحب وصی سلمہ کو ہبہ کر کے عزیز موصوف کیلئے محفوظ کر دیا ہے اور عزیز موصوف کو اختیار دیا ہو کہ اسکے طبع و اشاعت و فروخت سے مستفید ہوں لہذا کوئی صاحب موصوف کی تحریری اجازت کے بغیر اس مجموعے کے جزو یا کل کے طبع اشاعت یا فروخت کا قصد نہ فرمائیں ورنہ قانوناً ذمہ دار اور قابل مواخذہ ہونگے جسقدر جلدیں مطلوب ہوں سید منظور علی صاحب وصی مولوی گنج لکھنؤ کے پتہ سے طلب فرمائی جائیں۔

جس کتاب پر عزیز موصوف کا دستخط نہو اسکو مال مسروقہ سمجھنا چاہیئے۔

سید علی نقی صفی
۲۰ر دسمبر ۱۹۳۶ء

دستخط ناشر ....

سید منظور علی وصی عفی عنہ



لسان القوم مولانا سید علی نقی صاحب صفی لکھنوی

لم يشكر الله من لم يشكر الناس

تہدیہ

بہ حیثیت بانی شیعہ کالج و بلحاظ عدیم المثال ایثار و انکسار و خلوص و قومی خدمات جو تاقیامت باقی رہنے والے نقوش نواب سر فتح علی خاں صاحب قزلباش اعلی اللہ مقامہ اس صفحۂ گیتی پر چھوڑ گئے یہ مجموعہ لخت جگر خلوص و عقیدت کے اظہار کے طور پر موصوف کے نام نامی پر اُسوقت معنون کیا جاتا ہے جب انکی ذات گرامی سے یہ خاکدان عالم محروم ہو چکا ہے اور قوم انکی یاد میں مدتوں سے مصروف ماتم ہے۔

نیاز کیش

صفی عفی عنہ



نواب سر فتح علی خان صاحب قزلباش بانی شیعہ کالج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

قوم پرستی کا اثر

قوم پرستی کا جذبہ خون میں جوش اور روانی پیدا کرکے ہمیشہ سے دنیا میں بڑی بڑی ترقیوں کا محرک رہا ہے، دسویں صدی عیسوی تک مسلمانوں کی ہر قسم کی ترقی خصوصاً فتح اسپین اور آج تک جاپان اور یورپ کی تمام ترقیاں اسی تاریخی ثبوت کی آئنہ دار ہیں، جذبات کی دنیا میں حسن پرستی کی طرح قوم پرستی سے زیادہ زور میں بہنے بہانے والا دھارا کوئی اور نہیں، حسن پرستی کی کیفیات کا جس میں ذکر ہوتا ہے وہ نظم مشرقی ادب کی اصطلاح میں غزل ہے اور جسمیں قومیت کے اجزا کا بیان ہو وہ قومی نظم، عام طور پر غزل کی بڑی قدر اس لئے ہے کہ واعظ ہو یا رند، کافر ہو یا دیندار، صحرا نورد ہو یا گوشہ نشین سب کی روداد حیات سے ملتے جلتے حالات اس میں کسی نہ کسی حد تک پائے جاتے ہیں، اسی وجہ سے وہ اس کے احساس لطف اور مزے میں اپنے کو حصہ دار سمجھتا ہے اور ہر بات کو اپنے دل کی بات مانتا ہے قومی نظم میں بھی اسی طرح ہر انسان کی سماجی زندگی اور طرز معاشرت

سے مشابہ امور کا ذکر کسی نہ کسی رنگ میں ہوتا ہے فرق یہ ہے کہ غزل کا تعلق زیادہ تر واردات قلبی اور انفرادی زندگی سے ہوتا ہے اور قومی نظم کے مضامین کا بیشتر حصہ اجتماعی زندگی سے علاقہ رکھتا ہے۔

قوم پرستی بھی گویا عشق و محبت کی ایک قسم ہے یا یوں کہیئے گیت ایک ہی ہے مگر دُھن بدلی ہوئی ہے۔ قومی ترانے کے شیدائی بھی غزل کو کان لگا کر سنتے سنتے کہہ اُٹھتے ہیں ؎

وادی ایمن کا نغمہ اور لبِ منصور پر — ہم نہ کہتے تھے یہ پہچانی ہوئی آواز ہے

مدینے اور کربلا والوں سے کوئی پوچھے تو وہ کہینگے کہ قومیت کے نغموں میں ایسا مزہ ہے اور اس کے کارنامے دردا تنے رسیلے اور پیام دوام دینے والے ہیں کہ اگر اِن کا چھیڑنے والا کوئی اچھا شاعر ہو تو قومی ترانوں کے آگے غزل کے صحیفے ہیچ ہیں۔

قومیت کی تعریف ڈاکٹر لوتھراپ اسٹارڈ امریکہ کے زبردست مصنف کا قول ہے (ملاحظہ ہو) کہ قومیت ایک دماغی کیفیت ہے اور افراد انسانی کے اس عقیدے کا نام ہے جس کے اشتراک عمل سے ایک قوم بنتی ہے، یہ من حیث القوم باہمی تعلق کا احساس ہے یہ قوم جسطرح اپنے معتقدین کے ادراک میں متصور ہوتی ہے وہ ایک آبادی یا جماعت ہے جو کسی حکومت کے ماتحت آپس میں مجتمع اور منضبط ہے اور کسی قطعہ ارض میں ملکر رہتی ہے۔

ماہرینِ علم الاقوام نے اسی بات کو یوں ظاہر کیا ہے کہ آبادی کے

جس حصے کے انسانوں کا طرز تمدن ایک ہو، زبان ایک ہو، مذہب ایک ہو، لباس اور خورد و نوش کا طریقہ اور مذہبی رسم و رواج وغیرہ کا عنوان یکساں ہو اور ضروریات سیاسی میں متحد ہوں وہ سب ایک قوم سمجھے جائینگے۔ مختلف ممالک کی جغرافی حالت اور وہاں کے بسنے والوں کے تاریخی کیفیات اور ضروریات زندگی نے قومیت کی بہت سی قسمیں قائم کر دی ہیں مگر اسلام نے ان تمام شکنجوں اور قیود کو توڑ دیا اور یہ تعلیم دی کہ بنی نوع انسان خواہ وہ گورے ہوں یا کالے خواہ وہ کسی حصہ دنیا میں بستے ہوں، کوئی زبان بولتے ہوں، کیسا ہی لباس پہنتے ہوں، کسی ماحول میں نشو و نما پا رہے ہوں مگر وجودی حیثیت سے توحید و کلمہ طیبہ کے دل و زبان سے قائل ہو جائیں تو پھر وہ سب ایک قوم ہیں اور اس قوم کے تمام افراد آپس میں مرتبط رہنے چاہئیں۔ اس عظیم الشان کلیے کا خلاصہ یہ ہے کہ بواسطہ مذہب تمام دنیا میں امن و آسائش کی نعمت پھیل جائے اور خوں ریزی کا بازار گرم نہونے پائے اسلام کے برابر وسیع و عالمگیر اور مطابق فطرت اصول قومیت دنیا کے سامنے کسی قوم نے پیش نہیں کیا۔ یہی وہ باتیں ہیں جن کی بنا پر مسلمانان عالم بحیثیت مسلمان ایک جداگانہ قومیت کے مالک قرار دیے جاتے ہیں، ورنہ مسلمان ہر قوم کی قومیت میں شامل بھی ہیں اور بجائے خود جدا بھی۔

شیعیت کا مفہوم اس اصول کو پیش نظر رکھکر شیعہ گروہ کا مفہوم یوں سمجھنا چاہیے کہ شیعہ قرآن اور رسول عربی اور ان کے اہلبیت کے

ارشادات و ہدایات کے معتقد ہیں اور وہ بارہ امام جو خاص سلسلہ بسلسلہ اولاد رسول میں سے ہوئے اور رسول کے بتائے ہوئے راستوں پر گامزن رہے انکو سچا راہبر اور ہادی اور معصوم مانتے ہیں اور انھیں کے مسلک کو وہ روح قومیت سمجھتے ہیں جس کی حفاظت کے لئے ان میں سے ہر ایک امام نے تکلیفیں اور ایذائیں اٹھائیں، قتل ہوئے، جام زہر پیا۔ قید ہوئے مگر احکام خدا کے جبروت اور شعار قومیت کے آگے سلاطین وقت سے نہ دبے اور قومیت کو چراغ تہِ دامن کیطرح دنیا پرستوں کی ہوائے نفسانی کے تیز جھونکوں سے بچالاے اور فرقہاے اسلام بعض عقائد میں شیعوں سے تھوڑا اختلاف رکھتے ہیں مگر بحیثیت قوم سب ایک اسلام کے جزو ہیں۔ اور ایک اسلامی فوج کے مختلف دستے۔

معیار قومیّت بنظر مولانا صفی صفی صاحب کا معیار قومیت یہی ہو اور وہ ہمیشہ اتحاد و تنظیم کے حامی رہے انھوں نے قومیت کا ذکر اپنی ۱۹۱۴ء کی نظم میں اسطرح کیا ہے۔

قوم سنئے نام ہے مجموعۂ افراد کا
جسمیں ہو کچھ مادہ امداد و استمداد کا

کام کرنا مل کے ناممکن نہیں اضداد کا
دیکھ لیجے کارخانہ عالمِ ایجاد کا

امتزاج چار عنصر آب و آتش خاک و باد
خود بتاتا ہو کہ ہے منشای ہستی اتحاد

مسلمان اور اثر قومیت آجکل یہ غلط فہمی پھیل گئی ہے کہ قومیت کا شگوفہ یورپ یا مغرب کے باغ سے لایا گیا ہے مگر خود اسی امریکہ کے مصنف نے

اپنی کتاب "جدید دنیائے اسلام" میں تسلیم کیا ہے کہ نبی اکرم صلعم خالص عرب اور اپنی قومی روح کا مکمل مجسمہ تھے، انھوں نے ایک سادہ اور زبردست وحدانیت کی تلقین فرمائی جسمیں نہ بت پرستی تھی اور نہ دینیات کے پیچیدہ مسائل۔ قوم عرب جو ابتک اپنے جوش کو خانہ جنگیوں میں صرف کرتی تھی۔ اپنی دیرینہ رقابتوں اور خونریز جنگ وجدال کو یکقلم بھول گئی اور اپنے نئے مذہب کی روشنی میں متحد ہوکر ایک قوم ہو گئی۔ اور ریگستانوں سے اپنے حقیقی اور واحد خدا کیواسطے دنیا کے فتح کرنیکو چل کھڑی ہوئی۔ مصنف کی مراد فتح سے غالباً ممالک پر مستولی ہونا ہے لیکن اسلامی قانون (قرآن پاک) اور سیرت رسول سے کسی مقام پر یہ ثابت نہیں کہ ملک بزور شمشیر فتح کئے جائیں، رسول نے نجاشی یا شہنشاہ ایران یا دیگر سریر آرایان ممالک سے تخت خالی کر دینے کا کبھی تقاضا نہیں کیا، انھوں نے صرف دعوت اسلام دی جسکا صریح نتیجہ یہ تھا کہ دین قبول کرنیکے بعد وہ اخوت اسلامیہ کے دائرے میں داخل ہو جائیں گے اور صرف خمس وزکوۃ (اسلامی حقوق) ادا کرنے کے بعد اپنے جملہ مملوکات کے مالک رہیں گے، عربوں کو ان کے مملوکات میں تصرف کرنے کا حق نہو گا جان ومال کی آزادی سلب نہ کیجائے گی، اس درخواست پر جو لوگ مشتعل ہوکے دل آزاری اور ایذا پر کمربستہ ہوئے اُن سے دفاعاً جنگ ہوئی اور اس دفاعی جنگ کا نام جہاد ہے، جبتک مسلمانوں کی رگوں میں قومیت کا خون موجزن رہا یہ آندھی کی طرح اُٹھے اور روئے زمین پر چھا گئے، سیلاب

کی طرح بڑھے اور صفحۂ گیتی پر پھیل گئے، بڑی بڑی مسجدیں، خانقاہیں درسگاہیں التصانیف و تالیفات اور ایجادات سب اسی یکجہتی اور جوش قومیت کیوجہ سے ظاہر ہوئے، چنانچہ بارہویں امام کی غیبت کے زمانے تک دنیا کا سب سے زیادہ مہذب اور سب سے زیادہ ترقی یافتہ حصہ بلاد اسلامی کے سوا کوئی اور نہ تھا، مگر دسویں صدی عیسوی سے مسلمانوں میں تنزل شروع ہوا اور وہی گروہ بندی کا مستقل جذبہ عود کرنے لگا جو ہمیشہ سے قبائل عرب کے لئے تباہ کن تھا، خون کے آنسو رونے کی بات ہے کہ فرقہ شیعہ اب اسی گروہ بندی کے جذبے کا شکار ہے، شیعہ جیسے منتخب اور کم تعداد فرقہ اسلامی سے یہ اُمید تھی کہ اس میں جوش و اخلاص اور قومیت کا اثر زیادہ ہوگا مگر نہیں ہے، یہ جس کی تاسی کا دم بھرتے ہیں اُنہی حسین نواسۂ رسول کے رفقا میں صرف بہتر نفوس رہ گئے تھے جن میں قومیت کی روح جسکی تعلیم رسول دے گئے تھے سمٹ کر ایک نقطہ پر آگئی تھی اور ان کی رگ رگ میں یوں بجلی کی طرح دوڑ رہی تھی کہ بقائے قومیت کے لئے شہادت میں ایک پر ایک سبقت کرتا تھا اب اُنکی یاد کے ساتھ تمام مسلمانوں اور انہیں بھی شیعوں کی موجودہ قومیت پر نظر کیجائے تو شرم سے گردن جھک جاتی ہے۔

بنائے شیعہ کانفرنس شیعوں میں انحطاط دیکھکر ان کی دینی اور دنیوی ترقی کے لئے ایک مجلس شورے بنام آل انڈیا شیعہ کانفرنس جدید اور قدیم تعلیم یافتہ حضرات کے مشورے سے ۱۹۰۷ء میں بمقام لکھنؤ قائم کیگئی۔

لختِ جگر کی ابتدا ابتداءً ۲ سال مختلف نظمیں مولانا صفی نے اجلاس شیعہ کانفرنس میں پڑھیں جو کتاب صحیفۃ القوم میں ملیں گی۔ پھر سنہ ۱۹۰۹ء سے اسکے سالانہ اجلاس میں قومیت کی شیرازہ بندی کے لئے مولانائے موصوف نے ایک سلسلہ نظم کا پڑھنا شروع کیا جسکا نام اُنھوں نے "لختِ جگر" رکھا ہے، انھیں پچیس سالہ نظموں کے مجموعہ موسومہ "لختِ جگر" کا یہ دیباچہ ہے۔

لختِ جگر کیا ہے؟ یہ "لختِ جگر" قوم شیعہ اور اسکے حال کا مرثیہ بھی ہے۔ قیام شیعہ کانفرنس کے وقت سے ہندوستانی شیعوں کی زندگی کی سالانہ تاریخ بھی ہے اور مختلف افراد قوم کی اخلاقی و قومی روش کا مرقع بھی ہے، مختلف شہروں کی مختصر اور ضروری تاریخ اور جغرافیہ بھی ہے۔ جہاں جہاں شیعہ کانفرنس کا اجلاس ہوا ہے وہاں کی مشہور عمارات و کاملین فن کا تذکرہ بھی ہے، تجاویز اور مفید مشوروں کا ذخیرہ بھی ہے، شاندار ماضی کی خاک آلودہ تصویر اور مستقبل کے لئے امید افزا اور مصلحانہ تدابیر بھی اسی میں ہیں، شہر شہر اور صوبے صوبے کے رسم و رواج و حکایات کا دلچسپ صحیفہ بھی ہے اور پھر ادبیات اور محاسن شاعری کا ایک قابل قدر خزانہ بھی اور ایک کامل شاعر لسان القوم مولانا سید علی النقی صاحب صفیؔ لکھنوی کی مسلسل پچیس سالہ ریاضت کے سدابہار پھولوں اور آبدار موتیوں کا گندھا ہوا سہرا بھی ہے جسمیں ہر سال شیعہ کانفرنس کے اجلاس کے موقع پر ایک ایک لڑی کا اضافہ ہوتا گیا ہے، اور آج نظم کی کشتی زریں پبلک کے

سامنے پیش کیا جاتا ہے، اکثر مواقع پر قدر افزائی کے طور سے قوم نے اِن کو طلائی تمغے اور متعدد خطابات "لسان القوم"۔ "لسان الهند"۔ "لسان الملک" "لسان الدہر"۔ "وجدان الملت" وغیرہ وغیرہ عطا کیے اور شیعہ کانفرنس نے لسان القوم کلب قائم کیا، اس مجموعہ کی قومی نظم سے لطف اٹھانے کے لیے فرقہ شیعہ کی قومیت اور ہر سال کی قومی فضا اور افراد قوم کی ذہنیت سے باخبر ہونے کی ضرورت ہے، اگر کوئی اس کو اس حیثیت سے بھی نہ پڑھے تو شاعرانہ خوبیوں کے لحاظ سے بھی یہ نظم ہر ملت کے لئے مشترکہ دلچسپی کی چیز ہے اور اس نظم سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ شاعر چاہے جس قوم میں پیدا ہو وہ ابنائے وطن کی مشترکہ ملکیّت ہوتا ہے اور اسکی خدمت سے سرزمینِ وطن اور زبان وطن اسی طرح یکساں سیراب ہوتی ہے جسطرح سورج کی روشنی، ہوا اور باران رحمت سے ہندو اور مسلمان اور دیگر اقوام کی کھیتیاں فائدہ اٹھاتی ہیں۔

مطالب لختِ جگر کی صراحت اس نظم کی دلچسپیوں کے نقوش کو اور ابھار دینے کے لئے اسکے ساتھ نثر پریشان میں ہر سال کی قومی فضا اور دیگر متعلقہ حالات کا اضافہ کر دیا گیا ہے، جماعتی اور انفرادی جذبات کو برانگیختہ کرنے میں ہر ملک اور ہر قوم میں شاعری نے زمانے کے مذاق کے موافق بہت کارنمایاں کیے ہیں، جب قومیت کے جذبات سوجاتے ہیں تو انکو جگانے کے لئے اور دلوں میں جوش کی لہر پیدا کرنے کے لیے انھیں نظموں سے کام لیا جاتا ہے۔ یونان کی روٹھی ہوئی دیویاں قومی بھجن

سے تاریخی صفحوں پر آج بھی گویا جھوم رہی ہیں اور عکاظ کے میلوں سی قومی شاعری کے ترانے آج بھی گویا کانوں میں گونج رہے ہیں، قومی نظم میدانِ رزم کا جنگی باجہ ہے جسکی صدا میں غضب کی کشش ہوتی ہے اور اثار چڑھاؤ ایسا ہوتا ہے کہ دلمیں جوش پیدا ہوتا ہے اور رگوں میں خون دوڑنے لگتا ہے

قومی نظم کی نوعیت قومی نظم کو دو طرح پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک صوری دوسرے معنوی۔ صوری بلحاظ ظاہری ڈھانچے کے ہے اور وہ قطعہ ترکیب بند۔ ابیات مثنوی اور مسدس کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ ان سب میں مسدس قومی نظم کے لئے بہترین اور قدرتی سانچہ ہے، ایسا کیوں ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ قومی نظم میں تسلسل سے واقعات کو بیان کرنے اور دل پر اثر ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے اور پہلے مصرع سے دوسرا اور دوسرے سے تیسرا اور تیسرے سے چوتھا مصرع دست و گریبان ہوتا آتا ہے اور بیت پر خیال کی تکمیل ہوتی ہے اور نظم کی اس نوعیت میں جنگی باجے کی شان اور موسیقیت کا عنوان پیدا ہو جاتا ہے اور جو بات جس طرح کہنے کی ہے اُسی طرح ادا کرنے کے لئے مسدس ایک آلہ اور سانچہ ہوتا ہے۔ شاعرانہ مذاق سلیم کے لحاظ سے مولانا صفیؔ نے "لخت جگر" کے لئے یہی سانچہ منتخب کیا اور موافق بحر کے انتخاب نے روانی، جوش اور تاثیر میں اور اضافہ کیا۔

دوسری نوعیت کا تعلق تخئیل اور مضامین اور حسن معانی سے ہے اسکا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس کے ہر جزو کی وضاحت کے لئے ایک دفتر درکار ہے

"تحت جگر" کے ابتدائی دو ایک حصوں کو چھوڑ کر جو قوم کے مذاق قومی کی طفولیت کا زمانہ تھا، جس جس طرح کانفرنس کی عمر بڑھتی گئی اور "تحت جگر" کا سن بڑھتا گیا نظم کی جامعیت میں رعنائی آتی گئی۔ مولانا صفی کی ان نظموں نے قوم میں قومی نظم سننے اور اس سے دلچسپی حاصل کرنیکا اچھا خاصہ مذاق پیدا کر دیا جس کے ثبوت میں شیعہ کانفرنس کا وہ سالانہ مجمع پیش کیا جا سکتا ہے جو نظم سننے کے انتظار میں رزولیوشن اور ہر شعبے کے سکریٹری کی رپورٹ سننے کو اس لئے بےچینی سے گوارا کرتا تھا کہ اس کے بعد "تحت جگر" سننے کی باری آئے گی۔ صفی کی ان نظموں نے آج ہمیں اس قابل کر دیا ہے کہ بلحاظ حسن معانی کے ہم قومی نظم کے حدود قائم کریں اور جب قومی نظم کے تمام حدود پر ہم نظر کرتے ہیں تو اس کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ مولانا صفی کی یہ نظم ایک مکمل نمونہ قومی نظم کا ہے، قومی نظم کے حدود وہی ہیں جنکا تعلق فطرت نے انسانی زندگی، تمدن اور قومیت سے وابستہ کیا ہے، وہ اجزا قومی نظم کے یہ ہیں۔ طرز تمدن، زبان۔ علوم رسوم و عادات قوم (اخلاق وسیرت) ذکر عمارات واداراتِ قومی۔ گزشتہ امور موجودہ حالت کا تقابل اور تجاویز ترقی وغیرہ۔ غزل کے خاص اجزاے پُرکیف، جسطرح درد فراق انتظار وغیرہ ہیں، اسیطرح قومی نظم کے یہ خاص اجزا ہیں، جن کے ذکر سے دل تڑپ جاتا ہے، مولانا حالی کے مسدس میں جب ہم یہ پڑھتے ہیں

کوئی قرطبہ کے کھنڈر جا کے دیکھے مساجد کے محراب و در جا کے دیکھے

حجازی امیروں کے گھر جا کے دیکھے   وہ اجڑا ہوا کرّ و فر جا کے دیکھے
جلال انکا کھنڈروں میں ہے یوں چمکتا
کہ ہو خاک میں جیسے کندن دمکتا

پڑھنے کے وقت اس بند کا اثر ہم پر اس وجہ سے پڑتا ہے کہ ہمیں اپنا پُرانا زمانہ یاد آتا ہے، کوئی زمانہ تھا کہ مسلمان اسپین میں برسر حکومت تھے اور قرطبہ میں انکی بہت بڑی یونیورسٹی تھی جو آج نہیں ہے، لیکن نہ ہمنے ذرا سی دیکھا ہے نہ وہاں کی عظمت کا عکس ہماری تخئیل پر ویسا ہے جیسا دیکھی ہوئی چیز کا اثر ہونا چاہئیے اس لئے اگر کسی عمارت یا ایسی چیز کا نقشہ ہمارے سامنے پیش کیا جائے جسکو ہم نے دیکھا ہے یا سامنے مٹے ہوئے آثار دیکھ رہے ہیں یا جس سرزمین پر شیعہ کانفرنس کا اجلاس ہو رہا ہے وہاں کی چیزیں ہمارے سامنے پیش کی جائیں اور تخئیل کی کاریگری سے جذبات میں ہیجان پیدا ہو تو اسکا اثر دلوں میں لازمی طور پر تیز تر اور دیرپا ہوگا۔ صفی صاحب اس راز کو معلوم کر کے اپنی قومی نظموں کے ایک حصہ کو ایسے ہی عنوان سے سال بسال برابر آراستہ کرتے چلے گئے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ ایک نئی بات جس کے وہ خود ہی قومی نظم میں موجد بھی ہیں یہ ہے کہ مقامی جغرافیہ اور تاریخ کو بقدر ضرورت اسطرح شاعرانہ انداز سے اُنھوں نے بیان کیا ہے کہ شیعہ کانفرنس کے تین دن کے اجلاس کی زندگی کو اس کے اثر سے بڑھا کر بقاے دوام کی زندگی عطا کر دی ہے، جغرافیہ اور تاریخی حالات کے بیان میں اُنھوں نے یہ تنگ نظری نہیں کی ہے کہ صرف شیعوں کے متعلق حالات بیان کئے ہوں، بلکہ

سرزمین کی عام حالت کو جسکا تعلق دنیا کی چاہے جس قوم سے ہو نہایت کشادہ دلی اور بے تعصبی سے بیان کیا ہے جسنے اس مقام کو جہاں شیعہ کانفرنس کا اجلاس ہوا ہے کبھی پہلے دیکھا ہے اسکو اِن اشارات سے جو ان کی نظم میں ہیں ہمیشہ اس شہر کی یاد اُن کے بیان کئے ہوئے لفظوں میں تازہ رہیگی، جسنے وہ شہر نہیں دیکھا ہے اور صرف صفی کی نظم پڑھی ہے وہ جب اِن شہروں سے گزریگا تو اس کو یہ نظم ایک مبصر رہنما اور مورخ کا کام دیگی، یہ سب باتیں کیونکر قومی نظم کے اجزا ہیں، اسکا جواب اُس ماحول سے دریافت کیجئے جن سے اجلاس ہشیعہ کانفرنس کی فضا اور نظم کا ہر حصہ گھرا ہوا ہے مثلاً اجلاس شیعہ کانفرنس لاہور کی نظم ملاحظہ ہو جسمیں لاہور سے یوں خطاب کیا ہے:۔

غزنوی، غوری سلاطینِ زمن کی تختگاہ — سرزمیں تیری رہی ہے مدتوں بے اشتباہ
رہتی تھی آراستہ جس سے قزلباشی سپاہ — ہے لباسِ مغلیہ شلوار و دستار و کلاہ

آگیا باشندگانِ شہر کو ایسا پسند
ہیں اُسی وضعِ شریفانہ پہ ابتک کاربند

اس بند کو پڑھ کر اور لاہور یا پنجاب والوں کے لباس کو دیکھکر کون ہے جو اس تاریخی بات کو بحسرت یاد نہ کریگا۔ یہ لباس کا ذکر اس قدر برمحل اور ایک قومی نظم کا ضروری جزو ہے کہ وہ شاعر جو سیاست مدن وغیرہ کے مسائل پر گہری نظر ڈال چکا ہے اور یہ جانتا ہے کہ قومیت اور قوم کے دل و دماغ پر اور ان کے حرکات اور روزمرہ زندگی پر اس کا کیا اثر پڑ سکتا ہے، وہی ایک قومی نظم میں اسکا یوں ذکر بھی کر سکتا ہے، لباس کا تعلق تمدن اور قومیت سے بہت

زیادہ ہے اس لئے اس جگہ بھی شاعرانہ انداز سے خیالات پر اثر ڈالنے کے لئے مولانا صفی ایک ڈھالو راستہ بہت دور سے بناتے آرہے ہیں تاکہ آگے بڑھ کر اپنے مقصود اصلی کیطرف دل کو اسطرح متوجہ کردیں جیسے مجلس میں ذاکر مصائب کی طرف رفتہ رفتہ فضائل سے جوڑ لگاکر دل کو ایک محشرستان ہیجان بنا دیتا ہے اسی قسم کی ایک اور شاعرانہ صنعت گری مولانا صفی کے کمال شاعری کی دلیل ہے لاہور میں شہنشاہ جہانگیر کا مقبرہ ہے اور یہ مشہور واقعہ ہے کہ ایک نامور عالم قاضی نوراللہ شوستری اعلی اللہ مقامہ قاضی لاہور وصدر پنجاب کی شہادت جہانگیر کے نشیلے چشم و ابرو کے اشارۂ بے پروائی سے ہوئی۔ جہانگیر کے مقبرے کا ذکر جسطرح لاہور کی نظم میں مولانا صفی نے فرمایا ہے اس سے یہ نکتہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ قومی نظم میں عمارت کو وقتی واقعات کے چھینٹے دیکر کس طرح بیان کرنا چاہئے:۔

جائیے اُس پار راوی کے اگر سوئے شمال — ختم ہونگے جب چھ میل اُسوقت ہوگا دل نڈھال

اک عمارت سُرخ پتھر کی ملے گی بے مثال — جو زبانِ بے زبانی سے کریگی عرضِ حال

شاہ نورالدیں جہانگیر اُسکا شاہی مقبرہ

میں ہوں، میرا نام مشہورِ جہاں ہے شہدرہ

مرتفع گنبد کہ جسپر گنبدِ گردوں نثار — رفعتِ درسے جہانگیری تزک خود آشکار

صورتِ فرعل فرسودہ لیکن ہر جدار — بے تامل قصہ خوانِ گردشِ لیل و نہار

کہتی ہے عبرت یہ سنگِ سُرخ کی تعمیر ہے

خونِ ناحق یا کسی بیکس کا دامن گیر ہے

اس شاعرانہ حسن بیان کے پردے میں تاریخی واقعات کو یونہیں چھوڑ کر آگے بڑھنے سے پہلے ہم اتنا ضرور کہینگے ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

معیارِ قومیت بہترین معیار قومیت یہ ہے کہ شاعر تنگ نظر نہ ہو اور وہ غیر قوم کی باتوں اور ان کے بزرگوں کے احترام و ذکر میں بخل نہ کرے۔ قومیات کے سلسلے میں گزشتہ اور موجودہ عظیم المرتبت قومی کارکنوں کے حالات اور انکا ذکر بھی قومی نظم کا ایک جزو ضروری ہے، مولانا صفیؔ نے مشاہیر ادبا، فضلا اور قومی کارکنوں کا ذکر جابجا اپنی نظم میں فرمایا ہے، مولانا صفیؔ کا معیارِ قومیت انتہائے درجہ وسیع النظری اور بے تعصبی پر مبنی ہے، انھوں نے ہندو، مسلمان، شیعہ، سنی، سب فرقہ و مذاہب کے کاملین و قومی کارکنوں کو ہمیشہ اپنی نظم میں بہت محبت اور عزت سے یاد کیا ہے، اور کبھی تنگ نظری کی تعلیم نہیں دی، اپنی قوم کی ہستیوں میں اگرچہ وہ دنیاوی یا مذہبی یا قومی حیثیت سے کتنی ہی بلند پایہ کیوں نہ ہوں، جب کسی اصلاح کی ضرورت انھیں کہیں ان کو نظر آئی تو اظہار خیال میں انھوں نے مجرمانہ مروت سے کام نہیں لیا، لاہور کی نظم میں ڈاکٹر اقبال، آزاد، سر فتح علی خاں مرحوم کا ذکر ہے تو الہ آباد کی نظم میں اکبر، موتی لال جواہر لال، کو یاد کیا ہے، اسی طرح بنارس کی نظم میں علامہ علی حزیں کو جونپور کی نظم میں منعم خاں خانخاناں، جونان خاں (محمد تغلق) ملا محمود مصنف شمس بازغہ کو اور پٹنے کی نظم میں شاد و خیال کو

کلکتہ کی نظم میں ٹگور اور وحشت کو، دھلی کی نظم میں سید محسن مرزا مرحوم کو ایسے پر اثر عنوان سے یاد کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظوں میں آنسو بھرے ہیں پیشہ ور افراد بھی قومیت کے اجزا ہیں، بہت سے پیشے مٹ گئے اور کتنے افراد پیشوں کی پرسش نہ ہونے کی وجہ سے بے روزگار ہو گئے، مثلاً اگلے وقتوں میں کپڑے چننے والے دہلی اور لکھنؤ میں بہت لوگ تھے، اب شاید کہیں یہ لوگ نظر بھی نہیں آتے اور مدتوں "جامہ چین" کا لفظ بھی سننے میں نہیں آتا۔

کپڑوں میں چناؤ پیدا کر کے اس کا حسن بڑھانے کا خیال اب بھی اتنا ہے کہ مختلف ممالک کے باشندے خصوصاً ہندوستانی، اب بھی کپڑوں میں شکن دار لہریں اور چناؤ سلوا کر پیدا کر دیتے ہیں، دہلی کی نظم میں مولانا نے محض باد سحر کی جنبش کے سلسلۂ ذکر میں جامہ چیں کے کام سے تشبیہ دیکر اس پیشہ ور کی یاد دلانے میں کیا اثر پیدا کیا ہے وہ اس شعر سے ظاہر ہے:

جنبشِ بادِ سحر ہے یا بطرزِ دلنشیں
چُن رہا ہے جامہ چیں آبِ رواں کی آستیں

دہلی میں دریائے جمنا ہے، اس کے پانی سے ملکر جب صبح کی ہلکی ہلکی ہوا چلتی ہے تو پانی میں اس طرح کی شکن یا لہر پیدا ہوتی ہے جسطرح کپڑے کے چُننے میں "جامہ چیں" شکن پیدا کرتے ہیں۔ آب رواں ایک قسم کا باریک کپڑا ہوتا ہے جسپر چناؤ بھلا معلوم ہوتا ہے، یہاں خوبی یہ ہے کہ بہتے پانی، اور کپڑے کا سطح دونوں کے لئے یہی "آب رواں" کا ایک مشترک لفظ رکھا گیا ہے، جنبشِ بادِ سحر کو جامہ چیں قرار دیا ہے اور جمنا کے پانی کو آب رواں

کا کپڑا اور ہوا سے جو تموج اور شکنیں پیدا ہوتی ہیں انکو جامہ چیں کے فعل کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ مولانا صفی کے فطری شاعر ہونے کی یہ دلیل روشن ہر کہ دہلی کی نظم میں یہ تشبیہ ان کے دماغ میں خود بخود آئی کیونکہ بقول میر تقی میر، یہی شہر عالم میں وہ یادگار شہر تھا جو کبھی ان سب پیشہ وروں اور اہل فن کا گہوارہ تھا، ہم نے قومی نظم کے اجزا میں صرف دو ایک بات کا ذکر ضمناً اور مثالاً کر دیا اسکے علاوہ اور اجزا اس صحیفے کی نظموں میں اپنے اپنے مقام پر ملیں گے مثلاً رسم و رواج کے متعلق سکھر کی نظم میں بھنگ پر نذر و نیاز کی رسم جھنگ کی نظم میں وہاں کے لوگوں میں شکرہ پالنے کے عام رواج کا ذکر ہے۔ مولانا صفی کی قومی نظموں کی یہ خوبی ہے کہ ان کے اجزا کو ملا کر دیکھئے تو قومیت کی وہی تعریف پیدا ہوتی ہے جو مختلف علمائے سیاست و ماہرین مثلاً گریزی اور بلنٹ شیلی نے اپنی کتاب علمیہ سلطنت وغیرہ میں کی ہے وہی ان نظموں کے اجزائے ترکیبی ہیں۔

مولانا صفی کی زندگی

شاعر کی خود زندگی اور معاشرت کا اثر جذبات پر اور جذبات کا اثر اسکی شاعری پر براہ راست پڑتا ہے، اس لئے کسی شاعر کے جذبات کا جائزہ لینے اور جانچنے کے لئے اسکی زندگی اس کی سیرت، اس کے افعال و حرکات پر بھی نظر کر لینا چاہئے، جس فضا میں شاعر نشو و نما پاتا ہے اور جس ماحول میں وہ زندگی بسر کرتا ہے، انھیں خیالات سے اسکا دل لبریز ہوتا ہے، یہ ظاہر ہے کہ پیالے میں جس قسم کی شراب ہوگی وہی اسمیں سے اُبل کر دوسروں کو سرور اور خمار پیدا کرنے میں مدد دے گی، ہمنے مولانا صفی

کی زندگی سیرت اور شاعری وغیرہ پر صحیفۃ القوم میں تبصرہ کیا ہے، جبکا خلاصہ یہ ہے کہ ان کے والد ماجد مولانا سید فضل حسین صاحب مرحوم آخری تاجدار اودھ سلطان عالم کے بھائی شاہزادہ میرزا سلیماں قدر بہادر کے معتمد تھے، ان کا وطن لکھنؤ ہے اور یہ زیدی سید یعنی زید شہید کی اولاد سے ہیں، جیسا کہ انھوں نے خود فرمایا ہے ؎

دِل سے صفیؔ گو کہ بظاہر بعید ہیں
ہم بھی چراغِ مشہدِ زید الشہید ہیں

ان کے مورث شاہ مبارک غزنی سے آکر دہلی میں مقیم ہوئے، پھر سید جلال مرحوم نے پنجاب کی سرحد پر قصبہ پنگوڑ کو آباد کیا اور جاٹ گردی کے زمانے میں جاٹوں کے ظلم سے تنگ آکر اودھ میں آبسے۔ صفیؔ صاحب ۳ جنوری ۱۸۶۲ء مطابق یکم رجب ۱۲۷۸ھ کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔

آپ شاہزادے سلیماں قدر بہادر مرحوم کے فرزند شاہزادے مرزا ہمایوں قدر و شاہزادے مرزا ثریا قدر کے (جو اب مرحوم ہوگئے) ہم مکتب ہیں، مولوی نجم الدین صاحب کاکوروی سے درسیات فارسی اور شیخ حافظ علی صاحب بلہروی سے درسیات عربی حاصل کیے، نیز اپنے خسر مولانا مولوی سید احمد علی صاحب قبلہ مرحوم سے جو جناب مولوی سید دلدار علی صاحب مجتہد کے شاگرد رشید و مولوی سید علی میاں صاحب کامل کے والد تھے اور خود اپنے عم بزرگ مولانا سید حسین صاحب مرحوم سے جو طبیب حاذق، فاضل جید صاحبِ اجازہ، عالم باعمل اور شہزادے سلیماں قدر بہادر مرحوم کے اتالیق

تھے، معقولات و منقولات کا استفادہ کیا، فن طب اپنے عزیز اور مشہور حکیم جناب سید باقر حسین صاحب مرحوم لکھنوی سے حاصل کیا، امین آباد نائٹ اسکول اور کیننگ کالجیٹ اسکول لکھنؤ میں انٹرنس تک انگریزی تعلیم حاصل کی، ۱۸۷۹ء میں انگریزی تعلیم منقطع ہونے پر لال اسکول لکھنؤ اور برانچ اسکول متعلقہ کیننگ کالج میں انگریزی تعلیم دینے کی خدمت پر مامور رہے پھر سرکاری ملازمت میں داخل ہوئے اور محکمہ دیوانی میں مختلف عہدوں پر سلطانپور، رائے بریلی، گونڈہ ضلع پرتابگڈھ اور لکھنؤ میں رہے، بالآخر ۱۹۲۱ء میں ججی خفیفہ لکھنؤ کے عہدہ سررشتہ داری سے پنشن لی، اوائل عمر سے شاعری کا شوق ہوا اور چھپ چھپ کر شعر کہتے اور اپنے ملنے والوں کو دیدیا کرتے تھے جو مشاعروں میں جاکر اپنے نام سے پڑھتے تھے واپسی پر اُنسے دریافت کرلیتے تھے کہ کس شعر کو لوگوں نے پسند کیا اور اس طرح یہ اپنی شاعری کی مشق بڑھاتے رہے فن ادب اور عروض کی کتابوں کا بھی خود ہی مطالعہ کرتے رہے اور اس لئے فن شاعری میں کسی کی شاگردی اختیار کرنے کی ضرورت انھیں نہیں ہوئی۔ ان کی ادبی زندگی اور دیگر صنف کی نظموں اور شاعری پر تبصرے کے لئے ایک ضخیم دفتر چاہیئے اس لئے اس مقدمہ میں صرف انکی زندگی کے اس حصے کا مختصراً اور اجمالاً ذکر کرنا مناسب ہے جسکا تعلق قومیت سے ہے، غزل، قصیدہ، رباعی، مخمس وغیرہ سبھی کچھ مولانا صفی نے فرمایا ہے اور وہ موجودہ زمانے کے ایسے مسلم الثبوت استاد ہیں کہ نہ صرف لکھنؤ بلکہ ہندوستان اور بیرون ہند ان کے ادبی کارنامے مشہور ہیں۔ مولانا صفی کے سوانح حیات کے ذکر سے زیادہ ان کی قومی زندگی اور قومی خدمات کا ذکر ضروری ہے جسکا

تعلق ان جذبات سے ہے، جنکے اثر سے متاثر ہو کر وہ قومی شاعری کی تصویر میں رنگ بھرتے ہیں، جو شاعر خود قومیات سے متاثر نہیں اور خود باخبر نہیں، اس کے کلام میں کافی اثر نہیں ہو سکتا، جیسا کہ متمم ابن نویرہ کے متعلق مشہور ہے اور مولانا شبلی مرحوم نے لکھا ہے کہ وہ اپنے بھائی کا شیفتہ اور عاشق تھا، ایک لڑائی میں خالد ابن ولید نے اس کے بھائی کو مار ڈالا اس پر متمم کی یہ حالت ہوئی کہ گھر بار چھوڑ کر نکلا اور قبائل عرب میں پھرنا شروع کیا، جہاں یہ پہونچتا تھا تمام زن و مرد اس کے گرد جمع ہو جاتے تھے، وہ دردانگیز لہجے میں اپنا تصنیف کیا ہوا مرثیہ پڑھتا اور ہر طرف سے گریہ وزاری کی آواز بلند ہوتی "متمم کے مرثیے پر حضرت عمرؓ کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہوے اور آپ نے اُس سے فرمائش کی کہ ان کے بھائی زید کا مرثیہ لکھے، اس نے فرمائش پوری کی لیکن جب دوسرے دن جا کر حضرت عمرؓ کو سنایا تو آپ نے فرمایا کہ اس میں وہ درد نہیں، اُس نے کہا کہ زید آپ کے بھائی تھے میرے بھائی نہ تھے" نتیجہ اس کلام کا یہ ہے کہ شاعر جب تک خود متاثر نہ ہوگا اس کے کلام میں اثر پیدا نہیں ہو سکتا، وہ لوگ جو قومی زندگی اور قومیات سے الگ الگ رہے ان کے جذبات اور شاعرانہ تخئیل میں وہ اثر نہ ہوگا جو اُن لوگوں کے کلام میں ہوگا جو اس بحر کی شناوری کرتے رہے ہیں، مولانا صفی برابر قومی کاموں میں عملی حصہ لیتے رہے اور قوم کی حالت سے خود متاثر ہوتے رہے، یہ مشہور ہے کہ شاعر واقعات عالم سے بہت جلد اور عوام سے بہت پہلے متاثر ہوتا ہے کیونکہ وہ سوچتا اور دیکھتا رہتا ہے اور اسی وجہ سے وہ نہایت ذکی الحس ہوتا ہے، شاعر کے خیالات

سے زمانے اور قوم کی تاریخ مرتب کیجا سکتی ہے اور فطرتی شاعر وہی ہے جو قوم کی حالت اور اثرات کو بے کم و کاست اسی طرح نظم کرے جیسا کسی خاص زمانہ میں دیکھے اور اثرات کو قبول کر کے اگر صحیح ترجمانی احساسات قومی کی کرتا رہے تو ایسے شاعر کے فطرتی شاعر ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ مولانا صفی کی قومی نظموں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ نہایت ایمانداری سے قومی احساسات کی صحیح ترجمانی کرتے آرہے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ اس ہندوستان کی سرزمین پر کیا انگریزی داں کیا غیر انگریزی داں کیا شہری، کیا دیہاتی، کیا رؤسا، کیا غربا سب علما پرستی اور تقلیدی زندگی پر فخر کرتے تھے اور یہ وہ زمانہ تھا جب شیعہ کانفرنس عالم وجود میں آئی ہے، دو چار شخص ضرورت زمانہ پر نظر کرنے والے اگر کبھی کوئی بات ایسی کہہ دیتے تھے جو حضرات علمائے کرام کے خلاف منشار ہوتی تھی تو ہر طرف سے لے دے شروع ہو جاتی تھی، اس بات کو سمجھنے کے لئے شیعہ کانفرنس کے پہلے اجلاس کا وہ منظر جن لوگوں نے دیکھا ہے وہ تصدیق کریںگے کہ جب کئی ایک رزولیوشن بالخصوص ایک خاص رزولیوشن کے پیش ہونے کے وقت پلیٹ فارم سے جناب محترم خواجہ غلام الثقلین صاحب مرحوم کانفرنس کو خدا حافظ کہکر اور آبدیدہ رخصت ہوئے اس منظر کو پیش نظر رکھکر مولانا صفی نے جو نظم "پنج آہنگ" کے نام سے کہی ہے، اس نظم کا تقابل فیض آباد کے اجلاس شیعہ کانفرنس کی نظم تختِ جگر کی تخئیل سے کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ سنہ ۱۹۰۸ء اور سنہ ۱۹۲۴ء کے درمیان میں شیعوں کی ذہنیت میں کسقدر تغیر ہو گیا۔ اجلاس دوم شیعہ کانفرنس کے روبرو سنہ ۱۹۰۸ء میں پنج آہنگ کے وہ بند ملاحظہ ہوں جسکے کچھ شعر صحیفۃ القوم سے نقل کیے جاتے ہیں۔

خبر ہی کچھ تجھے اے باغباں گلشن پہ کیا گذری
سرِ سنبل پہ کیا گذری دلِ سوسن پہ کیا گذری

ترا دل جانتا ہے یا ستمگر میرا دل اس کو
تری ٹھوکر پہ کیا گذری مرے مدفن پہ کیا گذری

کہے رکھتا ہوں یہ رفتار دیکھ اچھی نہیں ظالم
چلا ہے شیشۂ دل توڑ کر چیں بر جبیں ظالم

اگر چھیڑو تو یوں چھیڑو کہ رسوائے جہاں کیوں ہو
سرِ محفل کوئی دل ٹوٹ کر سازِ فغاں کیوں ہو

یہ مانا عالموں سے منحرف کل قوم ہو جائے
مگر یہ تو بتا دو اسقدر تم بدگماں کیوں ہو

خود اپنے عالمانِ دیں سے یہ سوءِ ادب توبہ
تم اتنے بادۂ نخوت سے آخر سرگراں کیوں ہو

ڈبونے جو اٹھا تھا قوم کا منجھدار میں بیڑا
وہ ناصح تھا کہ اک طوفان بھولا ہوں نہ بھولوں گا

وہ تقریریں تری وہ مفسدہ انگیز تحریریں
وہ ہر تحریر کا عنوان بھولا ہوں نہ بھولوں گا

عقائد میں ہے جتنا نقص اے بیعت شکن تیرے
وہ فیضِ اجتہادِ مرشدِ کامل سے نکلے گا،

اسوقت جب یہ نظم پڑھی گئی تو صدہا انگریزی دانوں نے اسکا بہت گرم جوشی سے خیر مقدم کیا تھا، مگر آج جب خواجہ صاحب جیسا ہمدرد اور مخلص بھی خواہ قوم سے اٹھ گیا اور زمانے کا مذاق بدل گیا اور دنیا کی سیاسی اور

مذہبی زندگی نے پُرانا لباس اُتار کر نیا لباس پہن لیا تو خواجہ صاحب مرحوم کو فیصدی اسّی نوّے مسلمان یاد کرتے ہیں اور ان کی دور بین نگاہ کی آج قدر کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ علما کے دشمن نہ تھے، نہ بدعقیدت تھے نہ اُن کے دل میں علما کی بے احترامی کا خیال تھا، بلکہ وہ جانتے تھے کہ زمانے کی سیاسی رفتار اور ہندوستان کی فضا رفتہ رفتہ ایسا ماحول پیدا کرتی جاتی ہے کہ اس میں کچھ ترمیم کی ضرورت شیعوں کو بھی ہے، بحیثیت ایک دوست کے جسنے گہری نظر سے خواجہ صاحب مرحوم کی زندگی کا مطالعہ کیا ہو، آج یہ کہنے کے لئے تیار ہوگا کہ وہ خوش نیت اور خوش اعمال مسلمان تھے اور سچے دل سے مسلمانوں کے بہی خواہ تھے، مولانا صفی صاحب نے جو کچھ اسوقت لکھا وہ قوم کے اسوقت کے خیالات کی ترجمانی کی ہے، مولانا صفیؔ ہمیشہ سے ایک آزاد مسلک اور فقیرانہ دل اور منصفانہ مزاج رکھتے ہیں، وہ اپنے خیالات کے ظاہر کرنے اور قوم کے جذبات کی ترجمانی کرنے میں جیسا اسوقت آزاد تھے ویسا ہی فیض آباد کے اجلاس کیوقت۔ نہ وہ خواجہ صاحب مرحوم کی شخصیت سے باوجود اُن کے قدرشناس ہونے کے مرعوب ہوئے، نہ علما کی شخصیت اور وقار سے ڈرے اور یہی وجہ ہے کہ جب جیسی حالت اور ذہنیت دیکھی اور جیسی قوم کی صورت دیکھی ویسا ہی فوٹو کھینچ دیا، اگر کوئی مصوّر کسی کی صورت سے ڈاڑھی کو ری پچ (اصلاح میں) اُڑا دے یا بے ڈاڑھی والے کو ڈاڑھی والا اور کالے کو گورا اور گورے کو کالا بنا دیا کرے تو وہ بڑا خطرناک مصوّر سمجھا جائے گا، اور کوئی اس کی تصویر کو قدرتی صورت کے موافق کہنے کیلئے تیار

نہ ہوگا، اسی طرح مولانا صفیؔ نے شیعہ کانفرنس کی قومی نظم میں ہر سال
اور ہر شخصیت کی صحیح تصویر دکھلانے میں بے مروتی کا کوئی حصہ اٹھا نہیں رکھا
اسیوجہ سے کبھی کبھی ان سے بعض حضرات یا بعض گروہ کو شکایت پیدا ہوجانا
بعید از قیاس نہیں۔ اس ایمانداری سے اظہار خیال کا یہ نتیجہ کم ازکم ضرور
نکلتا ہے کہ ان کی نظم صحیح خیالات اور صحیح حالات اور موقع کی اصلی تصویر ہے
اور وہ اپنے عقیدے اور محبوب خیال کے تابع اور کورانہ مقلد نہیں، اگر زمانے
کی فضا کے ساتھ ساتھ ان کے خیالات بھی بدلتے گئے اور اس لئے انھوں نے
صحیح تصویر واقعات اور حالات کی کھینچی تو قابل الزام نہیں، اگر اپنے ذاتی
خیالات کو نظم پر غالب نہیں آنے دیا اور اس سے تصویر کے خط و خال کو نہیں
بگاڑا تو ان کی طبیعت قابل تعریف ہے، کیونکہ اگر واقعات کسی اور طرح پر
ہوں اور وہ مصوری اور طرح پر کریں تو یہ صورت قابل الزام ہے، بہر حال
دیکھنے والے واقف ہیں اور جاننے والے جانتے ہیں کہ ان کی نظم حالات و
واقعات کی صحیح تصویر ہے، مجھے مولانا صفیؔ کی موجودہ نظم سے بحث ہے نہ کہ دنیا
کے قضیے سے، دکھانا یہ ہے کہ زمانے کے ساتھ ساتھ شاعر کی تخئیل متاثر ہوتی
جاتی ہے اور یہی تدریجی شان "لخت جگر" میں نظر آتی ہے، یہ نظم مولانا صفیؔ
کے کیریکٹر اور سیرت کا عدیم المثال آئنہ ہے، اور ان کی زندگی اور سوانح حیات
میں انکی تخئیل اور ایمانداری سے ادا کرنے کے خیالات کو خاص جگہ دینے کی
مؤید ہے۔ ۱۸۸۶ء میں انھوں نے ایک مکمل نظم "نخل فریاد" کے نام سے لکھکر
شایع فرمائی، اسمیں انھوں نے ان تمام تجاویز کو جو قومی ترقی کے لئے ضروری

ہیں اور جن کو شیعہ کانفرنس نے وجود میں آکر بیس پچیس برس بعد عملاً اختیار کیا ظاہر کئے ہیں، انھیں میں سے ایک تجویز پیسہ فنڈ ہے۔ انکو دوران ملازمت میں اور علاوہ اس کے برابر افراد قوم کے حالات سے متاثر ہونے، مبادلۂ خیالات اور ہندوستان کے مختلف شہروں میں جانے اور قومی ادارات کے رکن کی حیثیت سے کام کرنے کا موقع ملا۔ وہ ہر جگہ سے اپنی قومی شاعری کے لئے مضامین اور نکات اسی طرح ڈھونڈھکر اکٹھا کرتے رہے جیسے ورڈس ورتھ ایک انگریزی شاعر کی نسبت مشہور ہے کہ وہ ایک باغ میں پھر کر ایک بار چھوٹے چھوٹے پھولوں کو توڑتا اور چنتا اور اپنی ڈائری میں ان کے متعلق کچھ نوٹ کرتا تھا تاکہ جب ضرورت ہو تو برمحل اچھے لفظوں میں صحیح جذبات کو ظاہر کر سکے۔ مولانا صفیؔ کے لئے اس کی ضرورت نہیں ہے کہ ان کو کوئی نکات بتائے یا کسی سے وہ خود پوچھیں کہ افراد قوم پر اثر ڈالنے کے لئے کیا کیا باتیں ہیں، وہ خود دکھتی ہوئی رگوں کو جانتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ کس رگ کو کب چھیڑنا اور نشتر دینا چاہئے۔ جو کچھ انھوں نے لکھا ہے، متاثر ہو کر لکھا ہے اور جیسا لکھنے کا حق ہے ویسا ہی لکھا ہے۔"

مولانا صفیؔ کے قومی خدمات ہندوستان میں کسی قوم کے کسی شاعر نے اپنی قوم یا دوسری قوم کی خدمت اپنی شاعری کے ذریعے سے اسقدر انہماک اور لگاتار محنت اور دلچسپی سے نہیں کی، جو مولانا صفیؔ نے کی ہے اور تمام قومی نظموں کو الگ کر کے صرف شیعہ کانفرنس کے اسٹیج پر ۱۹۰۷ء سے ۱۹۳۳ء تک مسلسل، ۲۷ سال قومی جذبات کو ابھارنے اور قومی فضا کو مفید بنانے کیلئے

اس پیر کہن سال نے باوجود پیرانہ سالی، ضعف و مرض، فاقہ مستی اور پریشانی سی پریشانی کے عالم میں بھی مختلف شہر و دیار میں سیارے کی طرح پھر کر قومی نظم پڑھی، جیسا کہ خود بمبئی کی نظم میں فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو بند ۲۴ نظم بمبئی ا۔

سا تھ اس بیمار کے کرتے رہے سالانہ گشت

من و عن ہر سال کی لکھتے رہے ہیں سرگزشت

اور افراد قوم کے جمود قلوب کی چولیں ہلا ہلا دیں۔ ان نظموں کو ہم اس لحاظ سے بھی بہت وقیع قومی خدمت سمجھتے ہیں کہ یہ نظمیں اس نوعیت کی نہیں ہیں جیسے متمم نے حضرت عمرؓ کی فرمائش سے ان کے بھائی کا مرثیہ کہنے کی زحمت گوارا کی تھی، ان کی نظم کی نوعیت بتاتی ہے کہ کس قدر تیاری کے ساتھ سال بھر کی قومی فضا پر عمیق نظر ڈال کر واقعات و حالات کو جانچکر لکھنے میں کافی وقت اور قوت صرف کی گئی ہے۔ یہ وہ نظمیں ہیں جو تاریخی کارنامے ہیں اور یہ ماضی کی عظمت ظاہر کرنے زمانۂ حال کی عزت بڑھانے اور مستقبل میں ہدایت کا کام دینے کیلئے لکھی گئی ہیں۔ یہ اس نوعیت کی خدمت ہے کہ اسکا اثر اور فائدہ آج بھی ہے اور آئندہ بھی پہونچتا رہے گا، شہد کی ہزار ہا مکھیاں پھول پھول پر اُڑ کر اور باغ باغ میں پھر کر رس لاتی اور شہد تیار کرتی ہیں مگر یہاں ہزاروں مکھیوں کی ریاضت اور محنت کا کام شہد سے شیریں تر کلام کی صورت میں کتنی راتوں کی میٹھی نیند کا رس اُڑا کر اور کتنے آرام کے گھنٹے اس پر نثار کر کے تنہا ایک شاعر نے انجام دیا ہے، یہ خدمت کیا کوئی کم خدمت ہے، ایک فرمانروا راجہ کے لئے ایک قصیدہ لکھا جاتا ہے تو کیا کچھ صلہ ملتا ہے سلاطین مغلیہ کے صلے شاعری کے فروغ کے لئے

خانخاناں کی قدر دانی اور سلاطین بہمنی اور شاہان بنگالہ کے ہمت افزا عطیات مشہور ہیں۔ یہاں اسکے مقابلے میں مولانا صفیؔ کی قسمت پر نظر کی جاوے تو ہر سال صاف گوئی، محنت اور تمام جانکاہیوں کا یہ صلہ ملتا تھا کہ اخباروں میں دلخراش طعنے اور دل آزار اعتراضات کہیں زید کہیں بکر کے نام سے شایع کرا کے دل شکنی کیجاتی تھی اور وہ بھی بغلی گھونسوں اور اپنے ہی بنائے ہوئے ناشکر کٹھ پتلوں کی بدولت اور مولانا صفیؔ کا جواب یہ ہوتا تھا:۔

ہم اپنا درد دل رو رو کے بے تابانہ کہتے ہیں
الٰہی خوش رہیں وہ جو ہمیں دیوانہ کہتے ہیں

کوئی اور ہوتا تو دوسرے سال وہ شیعہ کانفرنس اور قومی نظم کو خیر باد کہکر گھر بیٹھتا، مگر یہ سچی قومی محبت کا ثبوت ہے کہ ادھر کانفرنس کا زمانہ آیا ادھر یہ کوے یار کے طواف کو پھر ایک بے قابو دل لئے نکلے۔

لے چلا سوئے یار پھر، دیکھو!
دلِ خانہ خراب کی باتیں!

پھر جو سلوک ہوا، دل پر صدمے سہے اور ایثار نفس سے کام لیا اور قومی عشق کی وضعداری سے کانفرنس کے پرستار بنے رہے۔ زخم بھرنے نہ پائے تھے کہ پھر زخم کھائے مگر دھن میں اپنا کام کئے گئے۔ اپنی آواز کو ویرانے کی صدا خیال کرنے کے باوجود بھی حسنِ استقلال اور پامردی سے یہ اپنے فرایض پورے کرتے رہے، اس کی دوسری مثال صفِ شعرا میں کہیں نہیں ملتی، اس کے علاوہ شیعہ کانفرنس کی مرکزی کمیٹی شیعہ کالج اور اسکول

کی کمیٹی مجلس امنائے شیعہ کالج اور شیعہ یتیم خانے کے رکن کی حیثیت سے برابر فرض شناسی کے ساتھ جسطرح جلسوں کی شرکت اور اور کاموں میں انہماک اور دلچسپی کا اظہار یہ فرماتے رہے وہ شاعری کی دماغی خدمت کے علاوہ ایک جداگانہ قومی خدمت ہے، یہی سب چیزیں ہیں کہ فطرتاً ان کو اپنے جذبات میں اثر پیدا کرنے کے لئے مددگار ہوئیں، جیساکہ اوپر ذکر کیا گیا، مولانا صفی کی بے تعصبی اور وسیع النظری نے معیار قومیت کو اتنا بلند کر کے دکھایا ہے کہ اس سے نہ صرف ایک شاعر کی آزاد خیالی کا پتہ چلتا ہے بلکہ اس نے شیعہ فرقے کی وسیع النظری کو آئینے کی طرح دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر معمولی شاعر کی طرح مولانا صفی نے بھی محض ماضی و حال کی داستان اور مرثیۂ قومی سے اپنے خیالات کو آراستہ کیا ہے تو اس قسم کی شاعری محض معمولی شاعرانہ تخئیل سے زیادہ وقعت کی نظر سے دیکھنے کے قابل نہیں لیکن صفی کی قومی شاعری سے پتہ چلتا ہے کہ انکی شاعری کا پایہ اتنا بلند ہے کہ وہاں تک فرقہ شیعہ کے باب میں اسوقت تک کسی شاعر نے وہ خیالات اور وہ نصب العین نظم نہیں کئے جو ان کی نظم میں موجود ہیں، اس نظر سے اگر دیکھا جائے تو مولانا صفی کے خیالات ایک زبردست مدبر اور ایک قابل سیاست داں کے خیالات سے دوش بدوش ہیں۔ اس کے ثبوت کے لئے انھیں کی نظم سے ہم حصول نصب العین کے وسائل و ذرایع کی مثالیں پیش کئے دیتے ہیں کہ انھوں نے کتنی مفید تجویزیں سالہاسال پیشتر اپنی نظم "لخت جگر" کے ذریعہ سے قومی جلسوں میں پیش کیں اور اسوقت جب کسی فرد قوم

کی توجہ بھی اسطرف مبذول نہیں ہوئی تھی اور پھر اس کے سالہا سال کے بعد قوم نے اسکی قدر کی اور ایک باقاعدہ تجویز یا رزولیوشن کی صورت میں اسے پیش کر کے منظور کرایا اور وہ عمل کی صورت میں آئیں اور قوم آج عملاً مستفید ہو رہی ہے، مثلاً ملاحظہ ہو:۔

(۱) شیعہ کالج کی تحریک سب سے پہلے اپنی نظم میں بمقام امروہہ اجلاس چہارم ۱۹۱۰ء میں مولانا صفی نے پیش کی۔ ملاحظہ ہو نظم تحت جگر امروہہ بند ۵ مثلاً

سال آئندہ الٰہی اس کی بسم اللہ ہو سوئے مکتب جا رہا ہو قوم بھر ہمراہ ہو
تربیت تعلیم اس بچے کی خاطر خواہ ہو اک نمائش گاہ عالم اس کی بازی گاہ ہو

شیعہ کالج ایک کھولا جائے اسکے نام سے
اس کے ہم قوم اور یہ دونوں پڑھیں آرام سے

اس کے بعد پھر ۱۹۱۳ء میں جونپور کے اجلاس شیعہ کانفرنس میں پھر کالج کھولنے پر زور دیا، ملاحظہ ہو تحت جگر متعلقہ اجلاس جونپور بند ۲۰ و ۲۱

خیر انکا ذکر ہی کیا جو کسی قابل نہیں قوم میں ہیں سیکڑوں زردار لیکن دل نہیں
فکر ان باتوں کی ہو جنکا کوئی حاصل نہیں حیف اک کالج کھولنے پر ایک بھی مائل نہیں

قوم شیعہ کی ترقی ہے اگر مدِ نظر
چاہیئے کامل توجہ کالج اور اوقاف پر

کھولئے تعلیم کے ابواب اگر مسدود ہیں ورنہ یہ سالانہ جلسے زحمتِ بے سود ہیں
دیکھئے اوقاف جتنے آپکے موجود ہیں وہ خرابِ دستِ بُردِ احمد و محمود ہیں

آپ انھیں کیوں چھوڑ بیٹھے ہیں ذرا فرمایئے

اپنے قبضہ کر کے قومی درسگاہ کھلوا یئے

شیعہ کالج کھولنے کا رزولیوشن قوم نے اجلاس نہم ۱۹۱۵ء میں پیش کیا اور منظور ہوا اسکے بعد عملی کام شروع ہوا اور مولانا صفی کے پیام کا یہ اثر ہوا کہ ۱۹۱۹ء میں شیعہ اسکول اور پھر شیعہ کالج کا افتتاح ہوا۔

(۲) شیعہ یتیم خانے کی تحریک بذریعہ نظم ۱۹۱۰ء میں مولانا صفی نے پیش کی اور امروہے کے اجلاس میں ایک متفرق نظم میں اس خیال کو یوں ادا فرمایا ہے۔ جو صحیفۃ القوم کے صفحہ ۶۵ پر موجود ہے۔

پگھلنا چاہیئے وہ دل ترا شیعہ یتیموں پر
مہذب قوم پہلو میں ترے ذرہ بھی اگر دل ہے
بنا دار الیتامیٰ پہلے اس دار الاقامہ سے
سمجھ سکتا ہے ہر ذی فہم جو کچھ اسکا حاصل ہے

اس کے بعد ۱۹۱۲ء کے اجلاس پٹنے میں ایک نہایت پُردرد نظم موسومہ "دُرِّ یتیم" کے ذریعے سے پھر اپیل فرمائی ہے کہ یتیم خانہ کھولا جائے۔ یہ نظم بھی صحیفۃ القوم کے صفحہ ۸۹ پر ملیگی اسکا پہلا بند یہ ہے :۔

فسانۂ جگر و قلب خونچکاں سُن لو
جو سُن سکو تو ہماری بھی داستاں سُن لو
اثر میں درد میں ڈوبی ہوئی فغاں سُن لو
زباں ہے قوم کے بچوں پہ نوحہ خواں سُن لو

رہیں یتیم کہاں ؟ کے یتیم خانے ہیں
یہ کس کے بکھرے ہوئے موتیوں کے دانے ہیں

اس نظم کا یہ اثر ہوا کہ اسی سال رزولیوشن پیش ہو کر منظور ہوا اور ۱۹۱۳ء سے یتیم خانے کا افتتاح ہوا۔

(۳) اوقاف کی طرف ۱۹۱۳ء میں توجہ دلائی جیسا کہ مذکورہ بالا بند سے ظاہر

ہے۔ پھر ۱۹۱۴ء کے اجلاس لکھنؤ میں اسی پر یوں زور دیا ہے:۔

شیعوں کے اوقاف سب قبضہ میں اپنے لایئے — کھولئے کالج، رقم جو وقت کافی پایئے

صیغۂ اوقاف کا رزولیوشن پیش ہوکر منظور ہوا اور عملاً اسکا کام ہو رہا ہے اور علاوہ اور کارہائے نمایاں کے کوڑہ جہان آباد کے وقف کا مقدمہ ۱۹۳۴ء میں کامیاب ہوا جو اس صیغے کے کاموں میں قابل ذکر ہے۔

(۴) دارالاقامہ کی تحریک ۱۹۱۰ء میں کی جیسا کہ مذکورہ بالا نظم سے ظاہر ہو جو دارالیتامیٰ کے سلسلے میں پیش کی گئی، اور دارالاقامہ قائم ہے اگرچہ عمارت عاریتی ہے۔

(۵) دعوتِ طعام جو شیعہ کانفرنس کے شرکا کو پہلے دی جایا کرتی تھی اور اسکا یہ نتیجہ ہوتا تھا کہ کئی ہزار روپیہ مفت صرف ہو جاتا تھا، اس کے عدم ضرورت پر قوم کو اپنی نظم تحتِ جگر میں توجہ دلائی ہے جو ۱۹۱۵ء کے اجلاس نہم واقع الہ آباد میں پڑھی گئی۔ مثلاً

حوصلے یہ اس کی دیتی ہے اللہ الصمد — آنے والوں کو کھلائیں آپ کیوں اپنی ہو کد
فالتو پیسوں سے پیسہ فنڈ کو دیجے مدد — قطرہ قطرہ چوں بہم پیوست دریا میشود

پھر اسی کو آگے چل کر اس طرح فرمایا ہے۔

صرف کرتے ہیں ہزاروں آپ لیکن بے اصول — یہ رقم دعوت کی آخر کیا ہے اک مد فضول
خیر اندیشوں کی استدعا جو کیجائے قبول — تو یہی مقدار ہو دارالیتامیٰ کو وصول

اس پیام کو بالآخر قوم نے سُنا اور کئی برس کے بعد ۱۹۱۷ء میں ایک مستقل ریزولیوشن منظور ہوا جس سے یہ طے پایا کہ کانفرنس کے شرکت کرنیوالے اپنے

اپنے مصارف سے خود اپنے کھانے کا انتظام کریں اور قوم پر یہ بار نہ ڈالا جائے

(۶) قومی اخبار جاری کرنے کی تحریک اجلاس مئی ۱۹۲۵ء میں پیش کی۔ ملاحظہ ہو تخت جگر بند ۳۰۔

قومی اک اخبار یومیہ زبانِ قوم ہو ترجمانِ قوم ہو روحِ روانِ قوم ہو
دور رس اسکے ذریعہ سے فغانِ قوم ہو گوش زد ہر انجمن میں داستانِ قوم ہو
نام ہو نامے کا روشن قوم ہی کیساتھ میں
قوم اسکے ہاتھ میں ہو قوم کے وہ ہاتھ میں

اسکا اثر یہ ہوا کہ اسی سال ایک رزولیوشن پیش ہو کر منظور ہوا اور مرکزی کمیٹی نے ایک اخبار اس سال کے صدر کے نام نامی سے موسوم کر کے "اخبار سرفراز" جاری کرنا تجویز کیا اور وہ اخبار پہلے ہفتہ وار پھر ہفتہ میں دو بار ہو کر جاری ہے

(۷) شیعہ لیگ کا خیال مولانا صفی نے نظم تخت جگر ۱۹۲۰ء میں لکھنؤ کے اجلاس شیعہ کانفرنس میں پیش کیا تھا اور پانچ سال بعد ۱۹۲۵ء میں شیعہ لیگ کا انعقاد ہوا۔

یہ سب تو وہ تحریکات ہیں جو مولانا صفی کے خیال میں سب سے پہلے آئیں اور انھوں نے اپنی نظم کے ذریعے سے قوم میں ایک ہیجان پیدا کیا اور قوم اسطرف متوجہ ہوئی۔ کچھ ایسی تحریکیں ہیں جنھیں اپنی نظم کے ذریعے سے وہ پیش کر چکے ہیں اور ابھی اُن کے عملی جامہ پہنانے کا وقت نہیں آیا، مثلاً شیعہ ڈائرکٹری، شیعہ بنک، شیعہ مردم شماری اور تنظیم کی تحریک، جو ابھی قوم کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے کے لئے عملی جامہ پہننے سے قاصر ہیں، اسی طرح تعلیم لازمی کی تحریک ہے جو ۱۹۱۴ء کے اجلاس کی نظم تخت جگر کے بند ۲۳ میں موجود ہے اور کوئی دن آئیگا کہ یہ

تحریک بھی عملی جامہ زیب تن کر سکیگی۔ کیا ہندوستان کے کسی شاعر کی کوئی قومی نظم ایسی ہے جو مولانا صفی کی نظم کے مقابلے میں پیش کر کے اسقدر مفید نظم کہلائے جانے کا استحقاق رکھتی ہے، جیسی یہ نظم تحت جگر ہے۔ ایک فلسفی اور ایک کاروباری دنیا کا آدمی جو افلاطون کے قول کی تائید میں شاعری کو ایک بیکار اور تضیع اوقات کا ذریعہ اور دماغی عیاشی اور تفریح طبع سے زیادہ وقیع چیز سمجھنے سے قاصر رہا ہو وہ بھی مذکورۂ بالا تجاویز کو تحت جگر کی نظم میں ایک مؤثر عنوان اور دلچسپ لفظوں میں پیش کرتے ہوئے دیکھکر یہ کہنے پر مجبور ہے کہ یہ شاعری ایک روشن ضمیر خطیب اور بنی نوع انسان کے بہترین ہمدرد دل رکھنے والے زمانہ شناس کا مؤثر خطبہ ہے اور نظم میں جو قدرت نے اثر ودیعت کر دیا ہے، اُس امانت کو خلقِ خدا تک پہونچا کر یہ ثابت کر رہی ہے کہ "شاعری جزویست از پیغمبری" اپنی خاص نوعیت ترتیب مضامین شاعری جوش اثر اور فائدے کے لحاظ سے مولانا صفی کی یہ قومی نظمیں اُردو زبان میں ایک جدید اضافہ ہیں اور ان تمام خوبیوں کے اعتبار سے جب کبھی اردو زبان کا مقابلہ دنیا کی اور زبانوں کی قومی نظموں سے کرنے کی ضرورت ہوگی تو اردو زبان بہت بلند ہو کر ان جواہر پاروں کو پیش کرے گی۔ قومی شاعری میں مولانا صفی کا مرتبہ اسقدر مہتم بالشان ہے کہ مثال کے لئے کوئی دوسرا شاعر ہندوستان اور اردو زبان میں نہیں ملتا۔ ایک بہت بڑی بات کہنے کو رہ گئی تھی جسکو وضاحت سے بیان کرنے کا موقع نہیں مگر قدر شناس دل اپنے ذوق اور قدر شناسی سے اس کو دل میں وسعت دیکر اپنی جگہ خود سمجھ لیں گے، وہ بات یہ ہے کہ مولانا صفی نے مختلف

قوموں، مختلف ادارات، مختلف مضامین اور خیالات کے متعلق قومی نظمیں کہی ہیں اور وہ سب ایک جگہ کی جائیں تو ایک ضخیم دفتر ہو جائے اور اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا صفی نے جسقدر قومی نظموں سے اُردو کو مالامال کیا ہے اسقدر ہندوستان یا اور دنیا کے کسی قوم کے شاعر نے ذخیرہ فراہم نہیں کیا۔ پھر ان میں بھی اسقدر تنوع اور دلچسپیاں کہ ایک ایک قسم کی قومی نظم کے لئے ایک ایک جداگانہ باب قرار دیا جا سکتا ہے اور نظمیں جو قومیات کے لئے مایۂ ناز ہیں وہ جداگانہ شایع ہونگی اور انکی خوبیاں اور محاسن اپنے ساتھ ہیں۔ اب اس لخت جگر اور صحیفۃ القوم سے چن کر ذیل میں چند صنایع اور خصوصیات و محاسن شاعری کو ہم بطور نمونہ پیش کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوگا کہ یہ نظمیں بجائے خود ادود ادب اور محاسن شاعری کا بہترین مجموعہ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس لخت جگر کے بہت سے حصّے یونیورسٹی کے نصاب میں داخل ہیں۔

حسن قافیہ ذیل کا بند قافیے کی مثال کے لئے ملاحظہ ہو۔

قوم کا لختِ جگر جو گوہر یک دانہ ہے — آج اسے موتی محل تیرا چراغ خانہ ہے
گیارہویں سال اسکے دسواں جلسہ سالانہ ہے — محتسب ہے کارکن بدلا ہوا پیمانہ ہے

کیا بتائیں کیا مزہ رندوں کی صلواتوں میں ہے
دورِ صہبائے کہن جب سے نئے ہاتھوں میں ہے

کلام کی اور خوبیوں کو چھوڑ کر صرف قافیے کے استعمال پر نظر کیجئے، پہلا قافیہ یکدانہ ہے ہندوستان بھر میں یہی شیعہ کانفرنس شیعوں کی ایک واحد قومی

کانفرنس ہے اس لئے گوہر یکدانہ سے اسکا استعارہ کیا ہے، خوبی یہ ہے کہ گوہر کے اور معنی میں سے ایک معنی فرزند کے بھی ہیں، دوسرے مصرع میں موتی محل کا لفظ ہے جسکی رعایت سے گوہر یکدانہ کے لفظ سے بہتر بلحاظ موقع ومحل کوئی دوسرا قافیہ خیال میں نہیں آتا، پھر دوسرے مصرع میں خانہ کا قافیہ ہے۔ لطف اٹھانے کے لئے موتی محل کی رعایت لفظی سے قطع نظر کر کے اسکی معنوی خوبی کو دیکھئے اولاد کو چراغ خانہ سے کنایہ کرتے ہیں۔ قوم کے لخت جگر یعنی شیعہ کانفرنس کا اجلاس موتی محل میں منعقد ہوا ہے، گویا قوم کا لختِ جگر موتی محل کے آغوش میں ہے، لکھنؤ میں موتی محل وہ شاہی عمارت ہے جو تاجداران اودھ کی یادگار ہے اور مدتوں سے غیر آباد اور بے چراغ پڑی تھی، شاہان اودھ کے ہم قوم افراد کی اسمیں آج قومی کانفرنس ہے بادشاہ بمنزلہ پدر اور رعیّت بمنزلہ اولاد ہے، بادشاہ کی یادگار موتی محل کے کنار میں اجلاس شیعہ کانفرنس یا بالفاظ دیگر قوم کا لختِ جگر ہے، ایسی حالت میں شیعہ کانفرنس کا استعارہ چراغ خانہ سے ہر اعتبار سے کسقدر لطیف اور برمحل ہے، قافیے کے استعمال کے طریقے کو دیکھئے کہ یہ نہیں فرمایا ہے کہ لختِ جگر آج موتی محل کا چراغِ خانہ ہے بلکہ موتی محل کو مخاطب کیا ہر اور تخصیص کے لئے "تیرا" کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے قافیے کے معنی کا زور اور بڑھ گیا، پھر یوں کہا ہے کہ اے موتی محل یہ قوم کا اکلوتا لختِ جگر کسی دوسرے کا نہیں آج نہیں تیرا چراغِ خانہ ہے، جسکے ایک ہی اولاد ہو وہ اُسے دوسرے کے کنار میں دیدے اور اس کنار میں دیدے جو مدتوں سے

مایوسیوں کی تاریکی میں بے چراغ ہو اسکے دل میں اولاد کی کیسی کچھ نہ تمنا ہوگی جسکے آغوش میں ایسی اولاد جگہ پائے، اس کے نصیب اور اسکے دنون کا کیا کہنا، اسی لئے آج کے لفظ نے بھی اس قافیے کی سجاوٹ میں جان ڈالدی ہے، یا یوں کہیئے کہ کوئی اور قافیہ ہوتا تو آج کے لفظ کا بھی اتنا مزہ نہ تھا۔ قافیے نے آج کے زور کو اور آج نے قافیے کے زور اثر کو اور بڑھا دیا۔ اظہار واقعہ کے لئے تیسرے مصرع کی ترکیب سادہ سادہ لفظوں میں ضروری تھی اور سالانہ کا قافیہ نظم میں بے تکلف استعمال ہوجانے سے خود بتارہا ہے کہ یہی اسکی جگہ تھی۔ قومی نظم میں واقعہ نگاری نہایت ضروری چیز ہے جس اجلاس میں یہ نظم پڑھی گئی جسکا یہ ایک بند ہے وہ وہی سال تھا کہ شیعہ کانفرنس کے پرانے سکریٹری فخر قوم مولوی سید علی غضنفر صاحب (جواب مرحوم ہوگئے) بدل چکے تھے اور ان کے بجائے محسنِ ملت نواب سر فتح علی خاں صاحب (جو انتقال فرماگئے) شیعہ کانفرنس کے سکریٹری مقرر ہوئے، اس زمانے کے دستور اور قاعدے کے بموجب شیعہ کانفرنس کے عہدہ سکریٹری کے انتخاب میں حضرات علمائے کرام حاملانِ شریعت سے بھی مشورہ کیا جاتا تھا اس حیثیت سے نواب صاحب موصوف کا تقرر مصدق ہوچکا ہے اور حسب دستور پچھلے حسابات کا احتساب سابق سکریٹری صاحب سے جدید سکریٹری صاحب فرمارہے ہیں، ایسی حالت میں انکی ذات کو محتسب سے تعبیر کیا ہے۔

مے وہی، میخانہ وہی رند وہی، پیر مغاں وہی، وہی پرانی کانفرنس وہی پرانے نشہ کا لیکن پیمانہ یعنی نظام بدلا ہوا ہے۔ اب اتنے واقعات کے

جمگھٹ میں شاعرانہ محاسن کے ساتھ اس قافیے پر نظر کیجئے تو حیرت ہوتی ہے کہ اس پیمانے کو صفی نے گویا جام جہاں نما بنا دیا ہے، آگے چل کر ان استعارات کے تصرف سے واقعہ نگاری میں اور بہت کچھ فائدہ اٹھایا گیا ہے، ہر شخص کے کام کرنے اور دوسروں سے کام لینے کا ڈھنگ جدا ہوتا ہے، کوئی بالائی برائے کھلا کر کچھ بیکاروں سے قومی کام لے لیتا ہے اور کوئی تنخواہ داروں کو ضابطے کے شکنجے میں کس کر دونا کام لیتا ہے، جب ایک نظام بدلتا ہے تو اسکے ساتھ کارکن کے مددگار بھی الگ ہو جاتے ہیں، اس کے دوستوں کو یہ برا معلوم ہوتا ہے کہ کیوں نظام میں تبدیلی ہوئی، یہی عام حالت یہاں بھی پیش آئی - کچھ لوگ یہاں بیٹھے گالی دے رہے ہیں، کچھ اس صحبت میں سرگرم صلوات ہیں، کچھ اُس صحبت میں ملاحی اڑا رہے ہیں، پھر صلوات کے قافیے کا ایک لطف یہ بھی ہے کہ شیعہ کانفرنس کے دستور العمل کے موافق اجلاس کانفرنس میں تالیاں بجانے کی ممانعت کر دی گئی تھی، البتہ کسی دلپسند اور مفید بات پر نعرہ صلوات کی اجازت دی گئی تھی، اس صلوات کا تصرف رفتہ رفتہ کچھ اسطرح ہونے لگا کہ حقیقتاً سننے والے کو خاص مزہ ملتا تھا کسیکا پاؤں پھسلا اور وہ گرا، بعض شوخ طبع نے بڑھ کر کہا اک نعرۂ صلوات. کسی نے کوئی بات بے موقع کہی فوراً نعرۂ صلوات بلند ہو گیا، اس قافیے کے استعمال سے اس دور کے ان دونوں مناظر کی تصویر بیک وقت ایک واحد لفظ "صلوات" سے نظر کے سامنے پھر جاتی ہے یعنی برمحل دشنام اور بے محل احسنت اب اسقدر معلوم کرنے کے بعد آپ غور کریں کہ آیا اتنے واقعات

کے پرلطف عنوان سے اظہار کے لئے اُردو زبان میں کوئی دوسرا قافیہ صلوات کے سوا مل سکتا ہے اور جس طرح یہ قافیہ نظم ہوا ہے وہ مثالاً پیش کیا جاسکتا ہے کہ قومی نظم میں یوں کوئی قافیہ نظم ہو تو اردو زبان اور واقعات اور سرگذشت قومی کو ناز ہو سکتا ہے، اکانفرنس کا اجلاس گھوم پھر کر مختلف شہروں میں ہوا کرتا ہے۔ اس لئے دور کا لفظ خالی از دلچسپی نہیں ہے، مجاز مرسل کی صنعت کے موافق چھٹے مصرع میں ہاتھوں سے مراد کارکنان شیعہ کانفرنس ہیں یا دورِ صہبائے کہن کے استعارے کے ساتھ نئے ہاتھوں نے واقعات و محاسن شاعری کو اور چمکا دیا۔

ردیف کا استعمال ذیل کے مثالیہ بندوں سے یہ ظاہر ہو گا کہ ردیف کے استعمال میں مولانا صفیؔ نے اسطرح کی خوبی پیدا کی ہے جیسے مطلا جدول سے صفحے کی رونق بڑھ جاتی ہے اور ردیف ہر قافیے سے چسپاں ہو کر سونے میں سہاگے کا کام دے رہی ہے اس کے ساتھ بڑی خوبی یہ ہے کہ جس صنف کی نظم ہے یعنی قومیت کے جذبات میں واقعات کو لپیٹ کر ردیف نے وہ تلاطم اور ہیجان پیدا کیا ہے جو شاعری کا اصلی کام ہے۔

عقل کی چالوں سے بیگانے ہیں بیگانے سہی　　اپنے ہی شمع مزار دل کے پروانے سہی
خیر دل خوش کن ہمارے غم کے افسانے سہی　　تم سمجھتے ہو کہ دیوانے ہیں، دیوانے سہی

اپنی دُھن میں ہیں کسیکے کام سے کیا کام ہے
جب تلک ان بیڑیوں کو چکر ہے ہمیں آرام ہے

دوسری جگہ کا ایک اور بند ملاحظہ ہو۔

ہاں غدیرِ خم کے متوالوں کی محفل دیکھنا
کھینچ لایا ہے کہاں تک جذبۂ دل دیکھنا
شمعِ محفل ہے کوئی فخرِ اماثِل دیکھنا
ان ستاروں میں ضیائے ماہ کامل دیکھنا
ساقیا اک نور کی محفل ہے میخانہ ترا
ہے چراغِ طور کا پروانہ پروانہ ترا

میر انیس کی طرح ہر بند کی بیت مولانا صفیؔ کے یہاں مردّف نہیں مگر جہاں بھی کسی بند یا بیت میں ردیف ہے لطف اور مزے کے اضافہ کرنے میں ردیف نے قافیے سے لپٹ کر حسن پیدا کر دیا ہے۔ غالبؔ نے خوب ہی کہا ہے

گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھئے
جو لفظ کہ غالبؔ مرے اشعار میں آئے

تلاش الفاظ مولانا صفیؔ بھی اکثر اور بیشتر ایسا لفظ ڈھونڈھ کر اپنے کلام میں رکھ دیتے ہیں کہ اُسے سُنکر ایک وسیع دنیائے خیال اور خاص ماحول کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے، بچپنے میں چھوٹے بچوں کے بہلانے کے لئے چیز یا اُس کا بگڑا ہوا لفظ ”چجی“ کہکر تسلّی دی جاتی ہے۔ شیعہ کانفرنس کا لکھنؤ جگر دو سال کا تھا جب اس کے اجلاس میں خان بہادر سید محمد ہادی صاحب اسسٹنٹ ڈائرکٹر زراعت نے شیعہ شوگر فیکٹری یعنی کارخانہ شکر سازی کھولنے کی تجویز پیش کی تھی، اسوقت شیعہ کانفرنس کے پنڈال کا جو منظر تھا وہ اس حالت سے مشابہ تھا کہ بچے کے بہلانے کو کوئی شخص چیز چیز یا چجی چجی کہکر پکار دے، لوگ اُٹھتے تھے اور بیٹھتے تھے اور کارخانے کے حصہ داروں میں نام لکھانے میں ایک پر ایک گرا پڑتا تھا۔ یہ حالت بھتی جیسے ایک چیز ہو اور بہت سے بچے ہوں اور مٹھائی

بیچنے والا کسی گاؤں میں آکر صدا لگائے یا گھنٹی بجائے اور ہر طرف سے بچے ٹوٹ پڑیں، اب ذیل کے بند میں چیز کے لفظ کو اس نظر سے اور اس منظر کو پیش نظر رکھکر ملاحظہ فرمایئے، جس کے دیکھنے والے اور اس اعتبار سے اس لفظ کا مزہ اٹھانے والے ابھی زندہ ہیں۔ چوتھے مصرع سے بیت جسطرح لگائی ہے وہ شاعرانہ استادی کی بہترین مثال ہے۔ شاعرانہ لطافت و نزاکت کے ساتھ قومی واقعات کو یوں نظم کر دینا کہ ادھر ہونٹوں پہ ہنسی آئی اور ذرا منہ کھلنے کی دیر تھی کہ شکر کا ایک کارخانہ کھل گیا۔

ہوتی ہے بچپن میں شیرینی سے رغبت بیشتر　　　پاگئے رمز طبیعت جب یہ ارباب ہنر
نفع کی اک چیز لاکر دی اُسے یعنی شکر　　　جو نہیں دیکھا اسکے ہونٹوں پر تبسم کا اثر
آگیا جوش اہل ہمت کو خزانہ کھل گیا
بات کہتے اک شکر کا کارخانہ کھل گیا

سنہ ۱۹۱۴ء کی برسات جسے یاد ہے وہ اندازہ کر سکتا ہے کہ پانی دن رات اس طرح زور شور سے لگاتار برستا تھا کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ غصے میں ابر و برق دنیا کو غرق اور خاک سیاہ کر دینگے اس خیال کو یوں ادا کیا ہے، اسمیں آستیں چڑھانے کے الفاظ کے تیور دیکھیے۔

نوح کا طوفان اُٹھا تھا چڑھا کر آستیں

رعایتِ لفظی ایران اور ہندوستان کی شاعری میں کچھ دنوں رعایت لفظی کا یہ زور تھا کہ الاماں۔ اس رنگ میں لکھنؤ کا لکھنؤ رنگا ہوا تھا، میاں امانت مرحوم کے یہاں تو خصوصیت سے اسکی بہتات تھی مثلاً "بریوں میں بھی مرا نازک بدن ملتا نہیں"

یا ایک اور شاعر فرماتے ہیں "وہ شامی کباب بن کے لپنڈ زمیں ہوئے" ان سب بندشوں میں آورد ہے، رعایت لفظی کی یہ خوبی ہو کہ کلام کی روانی میں فرق نہو آورد کی بھرمار نہ ہو، اور کلام چمک اٹھے، رعایت لفظی کلام میں ایک طرح کا نمک ہو جو اگر ہلکا اور مناسب انداز سے ہے تو چاشنی اور لذت کا مزہ بڑھا دیتا ہے اور اگر زیادہ ہو تو تمام کھانے کو بدمزہ بلکہ کڑوا کر دیتا ہے، مولانا صفی نے اپنی الہ آباد کی نظم اجلاس نہم بند ۱۲ میں شہزادے خسرو کو پان کھلانے والی معشوقہ کی ہڈیوں تک کا پتہ نہ ہونے کو جس طرح چونے کا لفظ استعمال کرکے یا مثمن شکل کے مقبرے کا ذکر کرکے جو بالکل یا ندان کی قطع کا ہے داد سخن دی ہے وہ رعایت لفظی کے استعمال کی بہترین مثال ہے

سمت مغرب مقبرہ ہو اک مثمن شکل کا
دفن ہو جسمیں زنِ مہ پارہ پابند وفا
بعض کہتے ہیں کہ شہزادے کو اس سے عشق تھا
پان خسرو کو کھلاتی تھی یہی رنگیں ادا
عاشق و معشوق دونوں کا نہیں اب کچھ نشاں
ہوگئیں سب خاک میں گل گل کے چونا ہڈیاں

جدید الفاظ زبان اردو کی قومی نظموں میں بھی الفاظ کے استعمال کا دائرہ بجنسہ غزلوں کی طرح بہت محدود ہے، مولانا صفی کی قومی نظموں میں کثرت سے نئے الفاظ ملتے ہیں اور ان کے ساتھ نئی تشبیہیں، نئے استعارے اور نئی کہاوتیں اور نئے محاورے ملتے ہیں جنسے اردو زبان کی اہمیت اور شان میں اضافہ ہوتا ہو نئے الفاظ وغیرہ سے مراد یہ ہے کہ ایسے الفاظ جنکو استعمال کرنا چاہیئے مگر اس کے استعمال کی طرف سے غفلت برتی جاتی ہے، ملاحظہ ہو نظم اجلاس بست و دوم بند ۱۱ غل غپاڑہ، چپتیا، چت بھنگ بند ۱۳ میں ملاحظہ ہو ہاتھ خالی اور زیر درد و پردو شرآب

الہ آباد میں اجلاس شیعہ کانفرنس زیر درود ہونے منعقد ہوا تھا یہ اسکی طرف اشارہ ہے۔ الفاظ ذیل ملاحظہ ہوں جنکا استعمال کم کیا جاتا ہے مگر ان کے عدم استعمال سے زبان کا دائرہ تنگ ہوجاتا ہے۔ نیگ ڈھکانا۔ روپ۔ ہربونگ۔ ہڑپ۔ سوادت۔ گھوپے۔ دو ملکا۔ چنبل۔ پٹ بھرے بچھن وغیرہ، یہ سب لفظیں اور بہت سی اور ایسی لفظیں نہایت حسن سے مولانا صفی کی نظم میں اس طرح استعمال ہوئی ہیں کہ استعمال کے بعد اُن سے اجنبیت نہیں معلوم ہوتی۔

جدید ترکیب بنارس ہندوؤں کے پرستش کی جگہ ہے۔ اسکو کعبۂ ہندوستان کہا ہے، بنارس کی نظم میں ناقوسِ استغفار، کوثر آشام وغیرہ کی ترکیبوں میں ندرت اور جدت ہے،

ضرب المثل کا استعمال اجلاس بستم کلکتہ بند ۳۹ میں "اوس کے چاٹے پیاس نہ بجھنا" یوں نظم ہے۔

"اوس کے چاٹے بھی دنیا میں کہیں بجھتی ہے پیاس"

اجلاس نوزدہم پٹنہ بند ۲۲ میں ملاحظہ ہو۔

ہے مثل لنکا میں جو بھی تھا وہ باون گز کا تھا

پا ہنگا شیعوں کو خود بین و خود سر خود نما

خود بینی وغیرہ کی مذموم عادت قوم کے فنا ہونے کے اسباب میں سے ہے اہل لنکا کے فنا ہونے کے یہی اسباب تھے اس لئے یہ اشارہ اسطرف ہے کہ یہ باتیں چھوڑ دینا چاہیئے، یہ حسن بیان اور ضرب المثل کا استعمال کسقدر دلکش ہے۔ ایک مثل ہے کہ "پھول وہی جو مہیسر چڑھے" اسکا استعمال اس محل پر کرتے ہیں کہ جو

چیز پسندیدہ عمامہ ہو مثلاً بحر مرحوم کا شعر ہے۔

کب شعر ہم نے یار کے آگے پڑھے نہیں
کس دن ہمارے پھول ڈھیر چڑھے نہیں

مولانا صفی نے اس ضرب المثل کا استعمال تو بیضاً بہت خوبی سے الٰہ آباد کی پہلی نظم کے بند ۴۶ میں اُس موقع پر کیا ہے، جب شیعہ کالج نہیں کھلا تو قوم کو توجہ دلائی ہے کہ تم بغیر کالج کھولے اسطرح بے فکر ہو گویا کالج کھول چکے اور تمہارا کالج کھولنے کا خیال پسند ہو چکا، ملاحظہ ہو:۔

پھول تیرے باغ کے اے دل ڈھیر چڑھ چکے
ہم جہاں پر تھے وہیں ہیں لوگ آگے بڑھ چکے

ترتیب نثر شعر میں نثر کی ترتیب کا قائم رکھنا بعض اوقات مشکل ہوتا ہے ان میں بحر اور قافیہ اور بعض شاعرانہ دقتوں کیوجہ سے ترتیب نثر قائم نہیں رہ جاتی موجودہ نظم کی بحر وغیرہ کیوجہ سے یہ دقت مولانا صفی کو ہوئی مگر اس نظم میں جابجا اور زیادہ تر اسکی مثالیں ملتی ہیں کہ نظم میں ترتیب نثر قائم ہے، اس خصوصیت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ کلام میں صفائی، برجستگی اور روانی پیدا ہو، مثال کے لئے نظم اجلاس دہلی بند ۱۸ ملاحظہ ہو:۔

تین درجے کا مکانِ خوشنما دیوانِ عام
وسط میں اک تختِ سنگیں کا بلندی پر مقام
خوبصورت مختصر بنگلہ، نشیمن جسکا نام
اس کے پیچھے اک مصوّر طاق حدِ اختتام

پچہ کاری سے مصوّر نے بھرا ہے جسمیں رنگ
عقلِ انساں یہ مرقع دیکھکر ہوتی ہے دنگ

اس بیان اور نظم میں اتنا تسلسل ہے کہ اسی سے عمارت کا نقشہ تیار کیا جا سکتا ہے

تشبیہ کا استعمال تشبیہ کی انتہائی خوبی اور شاعر کے ذہن رسا کی تلاش کا سب سے اہم فرض یہ ہے کہ ایسی چیز سے ڈھونڈھ کر تشبیہ دے کہ جتنی باتیں مشبہ میں ہوں اتنی یا کچھ اسکے برابر باتیں مشبہ میں بھی مل جائیں۔ علمائے معانی و بیان نے تشبیہ کی ایک غرض یہ بھی لکھی ہے کہ مشبہ کی رفعت کا اظہار تشبیہ سے ہو جائے اور جس غرض سے مشبہ کا ذکر کرنا مقصود ہے اس بیان میں تشبیہ سے زور اور اثر پیدا ہو، مثلاً یتیمی ایک ذلت اور تحقیر کی چیز ہے مگر ذیل کی مثال سے ظاہر ہوگا کہ تشبیہ کیوجہ سے ایک قابل توجہ کیفیت ان کی ہستیوں کے اندر پیدا کر کے مولانا صفی نے کلام میں بلا کا زور اور اثر پیدا کر دیا:-

مرجھائے ہوئے پھول یتیموں کو سمجھ لو
اتنا سا بھی کیا بوجھ اٹھانا نہیں آتا

مرجھائے ہوئے پھول میں شادابی اور رس نہیں رہتا اور آب کے کم ہو جانے سے ہلکے ہو جاتے ہیں، بے پدری سے یتیموں کے چہرے پر ایک طرح کی پژمردگی اور اُداسی چھا جاتی ہے اور بے پدر ہو جانے سے ناز و نعم کی توقع باقی نہیں رہتی اس لئے ان کے اخراجات زندگی کا بار بھی ہلکا ہو جاتا ہے، ایک مرجھائے ہوئے پھول کی تشبیہ نے باوجود اس کے کہ زمانے میں اب انکا پوچھنے والا نہیں، ان کی یاد میں ایک رفعت اور حسن کا پہلو پیدا کر دیا ہے۔ جس نے دیکھا یا سُنا ہے اسکو لطف آئیگا کہ گھاگھرا کا دھارا دیکھتے ہی دیکھتے کس طرح پلٹتا ہے، بات سے پلٹنے کو گھاگھرا کے دھارے سے تشبیہ دینا بالکل جدت ہے، تشبیہ نئی کمتر ہوتی ہیں لیکن ذیل کی

تشبیہ سراسر نئی ہے ملاحظہ ہو اجلاس فیض آباد نمبر ۱ بند ۲۰ ع

"بات کہتے یوں پلٹ جاتے ہیں جیسے گھاگھرا"

بات سے پلٹنے میں کس طرح ایک بنی بنائی اسکیم زمین پر اسطرح گر جاتی ہے جیسے اچانک گھاگھرا کا پانی نیچے نیچے زمین کاٹ کر ایک اچھی خاصی عمارت کو گرادیتا ہے اور پھر دوسری طرف پلٹ جاتا ہے، جس چیز کو بیان کرنا ہے وہ مادی یا حسی نہیں اس لئے اسکا سمجھانا مشکل تھا مگر حسی چیز کی مثال سے زور اور واقعہ کس قدر قریب الفہم ہوگیا، تشبیہ کی ایک بڑی غرض یہ ہے کہ مثال سے اسطرح اپنے مطلب کی بات کی تصویر سامنے آجائے کہ اس سے بہتر نقشہ لفظوں میں نہ کھینچا جاسکے۔ کورانہ تقلید کی مثال کے لئے بھیڑوں کی مثال کس قدر درست ہے، اسی سے اندھی بھیڑ کی تلمیح اُردو زبان میں پیدا ہوگئی ہے ملاحظہ ہو اسکی بحث کے لئے میری کتاب تلمیحات۔

شیعہ کانفرنس کے اجلاس بست و دوم واقع الہ آباد میں جو نظم مولانا صفی نے پڑھی تھی اسکے بند ۷، اور ۱۰ میں تشبیہات کی ندرت قابل داد ہے ملاحظہ ہو۔

حضرتِ عیسیٰ کی بھیڑیں ہو گروہ شیعیاں   چند گلّے اور ہر گلّے کا ایک اک گلّہ باں

ایک جرگہ دوسرے جرگے سے لیکن بدگماں   واہ ری تنظیم ملی واہ رے قومی نشاں

یوں سیاسیات میں معدوم ہستی شیعوں کی

جسطرح گنگ و جمن دونوں میں غائب سرستی

مدتوں سے خوگرِ تقلید کورانہ ہیں یہ   وقفِ جنبش صورتِ تسبیح صد دانہ ہیں یہ

اسقدر تمیز نیک و بد سے بیگانہ ہیں یہ   غیر قوموں کی زبانوں پر اک افسانہ ہیں یہ

جہل سے کمزور ہے ایسی نگاہِ انتخاب

ذرّہ تک چشم غلط بیں میں ہو انکی آفتاب

اوپر کے بندوں میں سے پہلے بند کے پانچویں اور چھٹے مصرع میں سیاسی حیثیت اور حقوق کے لحاظ سے شیعوں کے وجود کو کتنی مؤثر اور مادّی مثال یعنی دریائے سرستی سے ظاہر کیا ہے، الہ آباد میں جہاں دریائے گنگا اور جمنا ہیں جسکو سنگم کہتے ہیں، وہاں ایک تیسرے دریا سرستی کا بھی ہونا کہا جاتا ہے، گنگا کے پانی کا رنگ سفید اور الگ ہے اور جمنا کے پانی کا رنگ گہرائی کیوجہ سے نیلگوں معلوم ہوتا ہے، اس لئے ان دونوں دریاؤں کا ملنا تو بدیہیات سے ہے مگر سرستی کا کہیں سے آنا اور ملنا کسی نشان سے ظاہر نہیں ہوتا، محض عقیدے اور روایت کی بنا پر سرستی کا یہاں ملنا اور پھر غائب ہونا مان لیا گیا ہے، بجنسہ یہی حالت سیاسی حقوق میں شیعوں کی ہے۔ جہاں کہیں ہندو اور مسلمانوں کو حقوق ملے، اسمیں مسلمانوں کے حقوق سے عام طور پر ہر طرح غیر شیعہ مسلمان زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں،

میونسپل اور کاونسل وغیرہ کی ممبری اور دیگر ایسے ہی موقعوں پر شیعوں کو اکثر کوئی حصہ نہیں ملتا، جس طرح ہندو کہتے ہیں کہ بس سمجھ لو کہ سرستی یہاں ہے اسی طرح برادران وطن مسلمانوں میں شیعوں کو چاہے وہ کیسے ہی اہل ہوں، اپنی کثرتِ رائے سے دور کر دیتے ہیں اور جب شیعہ چلاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے حقوق میں تمہارے حقوق مدغم ہیں، سمجھ لو کہ تم کو حقوق مل گئے، دوسرے بند میں کورانہ تقلید کرنے والوں کی نقل و حرکت اور زندگی میں رینگنے اور اشارے پر چلنے کو تسبیح صد دانہ کی اس جنبش سے کتنی عمدہ تشبیہ دی ہے، جو دوسروں کے

حرکت دینے سے حرکت میں آتی ہے، تشبیہ کی بڑی صفت یہ ہے کہ مشبہ بہ کو اسی جنس کی چیز سے تشبیہ دیجائے، جس سے مشبہ کا تعلق ہے، ان سب باتوں پر لحاظ کر کے مذکورہ بالا بند میں تشبیہ کے لطیف استعمال پر نظر کرنا چاہیئے، دوسرے بند کے آخر میں کورانہ تقلید کو کس حسن کے ساتھ کنایۃً ظاہر کیا ہے جو بالکل واقعہ ہے اکثر حضرات بہت کم اور معمولی پڑھے لکھے علما کے لباس میں جابجا نظر آتے ہیں اور جاہل اُن کی تقلید کیں ہیں، مولانا صفی نہ تقلید کی تلقین کرتے ہیں نہ علما پرستی کو منع کرتے ہیں، مگر جاہل طبقے کی چشم غلط بیں پر معترض ضرور ہیں کہ وہ ذرّے کو آفتاب سمجھے ہوئے ہیں۔

استعارے کا استعمال استعارے کی مثال کیلئے ذیل کا شعر جو شیعہ کانفرنس کے اجلاس اول میں مولانا صفی نے مہمانان کانفرنس کے رخصت ہوتے وقت ایک وداعیہ قطعہ میں پڑھا تھا، اپنی آپ تمثیل ہے۔

یہ بگڑی ہوئی زلف کیسی سنواری
ادھر آؤ لے لیں تمھاری بلائیں

مہمانان کانفرنس جو شیعہ قوم کی بگڑی ہوئی حالت کو سدھارنے کے لئے آئے تھے اُن سے خطاب کرنے میں قوم کی بگڑی ہوئی حالت کا استعارہ زلف کی پریشانی سے کیا ہے، جب کوئی سفر کو سدھارتا ہے تو اس کی بلائیں لی جاتی ہیں۔ موقع یہ ہے کہ مہمان عازم سفر ہیں، زلف کو بلا سے استعارہ کرتے ہیں زلف سر پہ ہوتی ہے اور بلائیں سر کی لیجاتی ہیں، قومی نظم میں اتنا تغزل اور اس قدر لطیف استعارہ اور پھر جس صنف کی نظم ہے اس کے حدود اور مراتب

کے اندر تمام تخئیل ہو، یہ اس شعر کے استعارے اور استعارے کے عنوانِ استعمال سے ظاہر ہے۔

صنعتِ ایہام ایہام اُسے کہتے ہیں کہ کلام میں ایسا لفظ ہو کہ اس کے دو معنی ہوں۔ بسبب مناسبت مقام سامع کو یہ دھوکا اور وہم ہو کہ جس لفظ کے قریب وہ لفظ رکھا گیا ہے اس کے مناسب جو چیزیں ہوتی ہیں ان سے مراد ہے لیکن حقیقۃً دوسرے معنی میں وہ استعمال ہو مناسبت مقام کے سبب سے جو معنی پیدا ہوتے ہوں اور اسکے علاوہ دوسرے بلند معنی کیطرف ذہن خود بخود دوڑ جائے اور اس طرح دوہری لطافت کلام میں پیدا ہو جائے مثلاً اجلاس چہار دہم کے بند ۲۳ میں طاق کا لفظ فرد اور بے مثل کے معنی میں استعمال ہوا ہے مگر مسجد میں طاق ہوتا ہے اسلئے اس لفظ کو مسجد کے ساتھ سنکر یہ خیال ہوتا ہے کہ طاق مسجد کا ذکر ہے مولانا نے جس بے تکلفانہ انداز سے اس صنعت کا استعمال کیا ہے وہ لائق داد ہے ملاحظہ ہو۔

انجمن سازی کا پیدا ہو گیا جب سے مذاق
جو ہے وہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے میں ہے طاق

روزمرّہ و محاورہ اہل زبان ہونیکی حیثیت سے مولانا صفی کی نظم میں روزمرّہ اور محاورے کا استعمال بکثرت ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں، جابجا سے دو ایک مثالیں ملاحظہ ہوں طوطی بولنے کا محاورہ سرسبزی سے ہے چمن کی سرسبزی کے ذکر کے ساتھ اس کا استعمال کسقدر برمحل اور رعایت لفظی کی خصوصیات سے مملو ہے۔ مثلاً۔

آبشاروں میں نہ فواروں میں ویسا جوش ہے
جسکا طوطی بولتا تھا وہ چمن خاموش ہے

آٹھ کاٹھ کا محاورہ جلسۂ بمبئی کی نظم کے بند ۱۴ میں اسطرح ہے

سال ہو اٹھارہواں بھر دل جوانی کے ہیں ٹھاٹھ
مل کے سب تختِ جگر پر سے اتاریں آٹھ کاٹھ

بارہ ہاتھ کی زبان کا محاورہ مشہور ہے۔ شیعہ کالج کے لئے بارہ لاکھ روپئے کی ضرورت بیان کیگئی تھی اور اسکے پورا کرنے کے لئے قوم نے وعدہ کیا تھا جسکا ایفا نہ ہوا آگرے کے بارہویں اجلاس کانفرنس کی نظم میں اسکا ذکر کس خوبی سے فرمایا ہے،

بارہ کالج کھولتا تھا کوئی شیعہ دس کوئی — سب نے مکر اجتک لیکن نہ کھولا ایک بھی
وعدہ بارہ لاکھ کا تھا نصف میں بھی ہو گئی — صرف باتیں ہیں زباں خالی ہے بارہ ہاتھ کی

اس قدر بحث جو ہوا اُس قوم سے ہونا ہی کیا
ہے یہی رونا ہمیں اسکے سوا رونا ہی کیا

ایکبار شیعہ کانفرنس کے سرمائے سے کچھ روپیہ قرض یا اور کسی طرح لے لیے جانے کا معاملہ پیش آیا جسکو کم لوگ جانتے ہیں، ذیل کے شعر میں محاورے کے تصرف کی خوبی ملاحظہ ہو کہ قد و قامت اور چال کے لحاظ سے دو قومی کارکنان کی زندگی اور اعمال نامے کی تصویریوں دکھائی ہے، کہ محاورے کو اپنے بر محل صرف ہوجانے پر ناز ہے، پھر قومی نظم کی شان دیکھئے کہ واقعہ نگاری بھی ہو ہلکی ظرافت بھی ہے یا یوں سمجھئے کہ ایک مشہور عام بات کا ذکر اس طرح

کر دیا ہے کہ پتہ نہیں چلتا کہ کسی خاص واقعہ یا شخص کی طرف اشارہ ہے یہ اپنا اپنا مقدر ہے، ہمارے شاعری مصروفِ پرواز ہے، جس فرق پر بیٹھ جائے وہی راجہ ہے ۔

ہم شکایت میں کسی کا نام تو لیتے نہیں
تم ستمگر ہو تو بگڑو شکوۂ بیداد پر (صفی)

وہ شعر یہ ہے :-

کھیتیاں بکری جو چر جائے تو بے الزام ہے
اونٹ ہی بیچارہ سارے شہر میں بدنام ہے

اس مجموعے میں اسطرح کے بہت سے محاورات، تلمیحات اور اشارات جابجا ملتے جائیں گے، اس لئے دیباچے میں شاعر کے عنوان بیان کے ذکر کے ساتھ جسطرح یہاں بلا صراحت کے اسے چھوڑ دیا گیا یونہیں مصلحتاً اور اخلاقاً ہر جگہ اسی رویئے پر عامل ہونا پڑے گا۔

ناظرین ادبی تہذیب اور اخلاقی ذمہ داریوں پر نظر کر کے ایسے کنایوں سے لطف اٹھانے کے لئے اپنے ذاتی علم اور دیگر معلومات کی جستجو فرمائینگے۔

اصطلاحات | پیری مریدی کی اصطلاح میں ڈھیر کے لفظ سے قبر مراد ہے مثلاً فلاں پیر کا فلاں جگہ ڈھیر ہے، جلسۂ یازدہم کی نظم میں واقعہ نگاری کے ساتھ اس اصطلاح کے استعمال پر نظر کیجئے۔

کھا کے بالائی کیا کرتا تھا جو رستم کو، زیر
غول وہ افیونیوں کا ہو گیا قبروں میں ڈھیر

اسی طرح تاش اور گنجفے کی اصطلاح "بدرنگ" کو واقعہ نگاری میں زور پہنچانے کے لئے اس طرح استعمال کیا ہے کہ محض لفظ کے استعمال اور اصطلاح سے افراد قوم کی سیرت اور چال چلن کا نقشہ نظر کے سامنے پھر جاتا ہے۔ تاش کے کھیل میں چار رنگ ہوتے ہیں، پان، پھول، حکم، اینٹ۔ ان میں سے جو رنگ کھیلا جاتا ہو اگر اسکے پتے کسی کے پاس نہ ہونگے تو وہ دوسرے رنگ کا پتہ اپنے بازی سے نکال کر دے گا۔ اسی دوسرے رنگ کا پتہ دینے کو بدرنگ کہتے ہیں

اگر کسی خاندان میں اکثر عالم اور نیک سیرت یا نیکنام ہوں یعنی علمی اور اخلاقی حیثیت سے زیادہ تر ایک رنگ کے ہوں، مگر انھیں میں کوئی بدوضعی اور بدلیاقتی سے خلاف رنگ خاندان نکل جائے تو اسکی حالت بازیگاہ دنیا میں بالکل تاش کے بدرنگ پتے کی سی ہوگی۔ قوم کی عام حالت کا نقشہ کھینچنے میں اس اصطلاح کا صرف کس خوبی سے کیا گیا ہے، کہ تخصیص بھی مفہوم میں ہے اور تعمیم بھی، جاننے والے لطف اٹھالیں گے اور نہ جاننے والے لفظوں کے شاعرانہ حسن ترتیب سے محظوظ ہونگے، ملاحظہ ہو نظم اجلاس بمبئی بند ۲۰

کوئی بدنامی میں نامی باعثِ صد ننگ تھا

الغرض جو تاش کا پتہ تھا وہ بدرنگ تھا

شعر کا استعمال بطور مقولہ ہر شاعر یہی چاہتا ہے کہ اسکا کلام عام پسند ہو مگر بقول خواجہ حافظ "قبول خاطر و لطفِ سخن خداداد ست" صفی کی قومی نظموں کی قبولیت کا یہ ثبوت ہے کہ اکثر اشعار کو اہل سخن اور مقرر اپنے کلام میں بطور مقولہ یا اپنے خیالات کو قوت پہنچانے یا اظہار مطلب کے تعارف کے

طور پر استعمال کیا کرتے ہیں مثلاً یہ شعر:-

ہم اپنا درد دل رو رو کے بیتابانہ کہتے ہیں
الٰہی خوش رہیں وہ جو ہمیں دیوانہ کہتے ہیں

سند کے لئے ملاحظہ ہو کارروائی اجلاس پنجم شیعہ کانفرنس صفحہ ۱۱ جلد اخبار اثنا عشری ۲۹-۲۳ نومبر ۱۹۱۲ء رپورٹ صیغہ اوقاف مرتبہ سید کلب عباس صاحب ایڈوکیٹ و سکریٹری صیغۂ اوقاف۔

بلاغت موقع اور محل کے موافق اور تھوڑے مناسب لفظوں میں حسب حال وسیع المفہوم کلام کرنے کا نام بلاغت ہے۔ ہر ایک خیال کے ادا کرنے کے لئے جسقدر لوازم ہیں انکا کسی کلام میں موجود ہوجانا اور فصاحت کے ساتھ اسکا ادا ہوجانا بلاغت کی جان ہے، صفیؔ کے کلام میں یہ بات ہر جگہ ملتی ہے کہ جس بات کو قوم کے سامنے جس عنوان اور جن لفظوں میں پیش کرنا صحیح ہے اسکو مولانا نے اسی طرح ظاہر کیا ہے، استدلال اور مثال اور صنایع لفظی کے استعمال میں بلاغت کو مقدم رکھا ہے۔ سنہ ۱۹۱۵ء میں اس زور کی بارش ہوئی کہ لکھنؤ میں پرانے مکانات گرنے لگے اور عورتیں بچوں کو لیکر گھروں سے بیتابانہ باہر نکلی ہیں اسوقت کا منظر اجلاس نہم کی نظم میں جسطرح دکھایا ہے وہ بلاغت کی بہترین مثال ہے ذیل کے بند میں حباب سے صنف نازک کی تشبیہ کسقدر لطیف ہے، پھر ڈوبنے اور مرنے کا اندیشہ۔ اسکا لطف کچھ وہی اٹھا سکتا ہے جسنے پورے احساسات دلی کے ساتھ دریا میں حباب کی زندگی کا تماشا دیکھا ہے۔ اس موقع پر بھری برسات کا ذکر کرکے محض غزل کی طرح دماغی تفریح کے لئے یہ ذیل کے بند یا اور بند نہیں کہے

گئے ہیں، بلکہ اس ذکر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ لکھنؤ شیعوں کا مرکز ہے، کس کس طرح اس کی بربادی ہوئی۔ رہے سہے پرانی عظمت کی یادگار جو مکانات تھے وہ کس طرح تباہ ہوئے اور مکین پر کیا گزری افراد قوم کی خوشحالی اور پریشانی کا اثر اجتماعی حیثیت سے قومیت پر براہ راست موثر ہوتا ہے ملاحظہ ہو لفظوں میں مصوری

گھر کی رہنے والیونکو زندگانی تھی عذاب — گھر سے جب نکلیں ردائیں باندھ کر مثل حباب
سر پہ بارش گود میں بچے کمر تک جوئے آب — بادِ بالائے زمیں در دِ زباں یا بوتراب

کسقدر پانی کہاں ہے کچھ پتہ ملتا نہیں
قسمتوں کا پھیر دیکھو راستہ ملتا نہیں

شام سے تا صبح برسا صبح سے تا مغربین — شدتِ بارش سے برپا ہر طرف اک شور و شین
دل جو ڈوبے ہیں دعا میں کب انھیں آتا ہے چین — اک علم لیکر چلے کہتے ہوئے سب یا حسین

بیکسی مظلوم کی تاثیر دکھلا ہی گئی
نام سے پیاسے کے پانی کو بھی شرم آ ہی گئی

تھم گیا پانی گھٹائیں پی کے آنسو رہ گئیں — چلتے چلتے لیکن اہل شہر سے یہ کہہ گئیں
سخت ہیں جانیں وہ سب جو یہ مصیبت سہہ گئیں — بستیاں کتنی رہیں دیکھو تو کتنی بہہ گئیں

اب سے دل میں اک ذرا خوف خدا پیدا کرو
روح پھونکو قوم میں صدق و صفا پیدا کرو

پانی کا رک جانا حسن تعلیل ہے یعنی نام حسین سنکر پانی کو شرم آئی کہ اب کیا برستا ہوں، برسنا تھا تو کربلا میں برستا۔ جہاں امام حسین خود اور اُن کے چھوٹے طفل شیر خوار حضرت علی اصغر تک پیاس سے ہلاک ہو گئے۔ یہاں لکھنؤ والوں کے جوشِ ولا

اور عقیدت کو بھی دکھا دیا گیا ہے کہ کیسے پانی برستے ہیں ادھر کالی گھٹائیں اٹھی ہیں، ادھر سیاہ پرچم کا علم نکلا ہے جنکو دیکھ دیکھ کر گھٹائیں آنسو پی کے رہ گئیں یعنی پانی دفعتاً کھل گیا، یہ وہ زمانہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو رسم پردہ اٹھانے کا جابجا خیال شروع ہوا تھا، پردہ اُٹھنے کی تائید میں جو حضرات ہیں اور اسکو قومی ترقی کا ذریعہ سمجھتے ہیں انکا ذکر حسب مشفقانہ اور واعظانہ انداز سے ذیل کے بند میں کیا گیا ہے، اس میں تعریض کا پہلو نہایت موثر عنوان سے نظر آتا ہے۔ یہ وہ یادگار بند ہے کہ کیسے شرمناک مضمون کو کس قدر مہذب طرز سے بیان کیا ہے کہ بلاغت کی مثال اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے۔

فکر اسکی ہے کہ مستورات کا پردا اُٹھے | آگ پردوں میں لگے ہر گھر سے اک شعلا اٹھے
لطف جب ہے کہ صید ماہی کا لب دریا اُٹھے | بحر میں کشتی رواں ہو ابر گوہر زا اٹھے

خلوت و جلوت میں باہم بے حجابانہ رہیں
مرد و عورت ساتھ مثل شمع و پروانہ رہیں

شعلے کی برہنگی عالم آشکار ہے اور اسکی بے حجابی بھی جوان شعلہ رو حسین عورت کے بے پردہ ہونے کا استعارہ شعلے سے کس قدر لطیف ہے، اسمیں ایک اور حسن یہ ہے کہ شعلہ جب اُٹھتا ہے تو وہ گھر جلا کر خود فنا ہو جاتا ہے اسی طرح عورت کے باہر نکلنے سے امور خانہ داری کی تباہی اور بربادی ہو جاتی ہے، اور پھر عورت اور ناموس کا خاک سیاہ ہونا ظاہر۔

اس بند کے مضمون میں اثرات کا ایک موجزن دریا بند ہے۔ مگر اسکے ساتھ

پڑھنے میں روانی کم کم ہے، جسطرح ایک دل گرفتہ شخص رک رک کر کلام کرتا ہو یا اسکے اداے الفاظ میں تیزی اور روانی نہیں ہوتی اسی طرح ان مصرعوں میں ایسی ترکیب رکھی گئی ہے کہ انکو روانی سے پڑھنے میں تکلف ہوتا ہے، دوسرے مصرع کے تین لفظوں میں پے درپے تین گاف کے استعمال ہوجانے سے قدرتی طور پر وہ اسباب پیدا ہوگئے ہیں جو اسکو رواں پڑھنے میں رکاوٹ پیدا کر رہے ہیں۔ گویا اس سے شاعر کی قلبی تکلیف کا پتہ چلتا ہے کہ یہ باتیں ظاہر کرنے کی نہ تھیں، مگر بادلِ ناخواستہ بیان کرنا پڑا۔ شاعر کا بڑا کمال یہ ہے کہ وہ لفظوں میں دل کے تاثرات کا روپ بھر دے، یہ بات اس بند سے بخوبی ظاہر ہے۔ اس ایک بند میں یہ خوبی ہے کہ سادہ سادہ لفظوں سے پردے کے مؤیدین کی وکالت ہوتی ہے اور شعلہ لب دریا بھر کشتی اور ابر گوہر زا کے استعارات پر نظر کریں تو پردے کے مخالفین کی دلیل ظاہر ہوجاتی ہے پردے کے قائم رکھنے کی تائید میں جو لوگ ہیں وہ مختلف عنوان سے جس بات پر زور دیتے ہیں وہ یہ ہے اکہ پردہ اٹھنے سے خواتین بدچلنی کی طرف مائل ہونگی، مولانا صفی نے اس دلیل کو چوتھے مصرعے میں کسقدر لطیف تہذیب اور استعارے میں بیان کیا ہے۔ عنوانِ بیان کو دیکھیے کہ یہ نہیں کہا ہے کہ بادل اٹھے تب کشتی چلے بلکہ یہ کہا ہے کہ کشتی چلتے چلتے ابر گوہر زا اُٹھے، کشتی اور ابر گوہر زا بہت پُر معنی لفظیں ہیں اگر یہی الفاظ بے نقاب کردیے جائیں تو اہل تہذیب گردن جھکالیں گے، ظاہری لفظوں کو دیکھیے تو اس تصویر کا وہ دوسرا رخ نظر آتا ہے جو تعلیم نسواں کے موئد اور پردے کے مخالفین اپنی تائید میں پیش کیا کرتے ہیں۔ یعنی یہ کہ آزادی ہر مرد اور عورت

کا فطری حق اور عورت کو چار دیواری میں قید کر دینا قانون قدرت پر ظلم ہے، زندگی کا لطف اور مزہ اسمیں ہے کہ مرد و عورت ساتھ ساتھ رہیں، لب دریا مچھلی کے شکار میں ساتھ ہوں کشتی پر سوار ہو کر دریا میں ساتھ سیر کریں اور دونوں حظ اٹھائیں، اس بند میں کوئی لفظ غیر مانوس نہیں اس لئے فصاحت کے ساتھ اس بند کی بلاغت قابلِ داد ہے، تعریض اور اعتراض اس طرح کیا گیا ہے کہ دھوکا ہوتا ہے کہ تعریض نہیں تعریف ہے، ایک دوسرے شعر کی بلاغت دیکھئے جسمیں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اونچے عہدوں پر پہونچکر افراد شیعہ اپنے کو برادری سے الگ سمجھنے لگتے ہیں اور کسی ایسے کام میں حصہ لینے سے شرماتے ہیں جو قومی فلاح کا ہو، یہانتک کہ عید بقر عید کی نماز تک سے غائب، غریب شیعہ اپنی ناداری اور غربت کیوجہ سے قومی کاموں سے الگ رہنے پر مجبور ہیں، ان دونوں طبقوں کا ذکر مولانا صفی نے کتنے مؤثر عنوان سے ذیل کے شعر میں فرمایا ہے بلاغت ملاحظہ ہو

جو اُٹھے اونچے نگاہوں سے وہ غائب ہو گئے
جو گرے نیچے وہ پامالِ مصائب ہو گئے

اونچے اُڑنے کا محاورہ قومی شاعری اور واقعہ نگاری کی جان ہے۔

صنعت براعت استہلال جونپور کے اجلاس والی نظم میں کاطین شہر کا استعارہ پھول سے کیا گیا ہے، جونپور، چمیلی، بیلے کے پھولوں اور خوشبودار تیل اور عطر کے لئے مشہور ہے اس لئے یہ پھول کا ذکر صنعت براعتِ استہلال ہے ملاحظہ ہو

اے محمد شاہ جونان کی مکمل یادگار
کیا ہوئے وہ پھول جنسے اس چمن کی تھی بہار

بظاہر یہ دو مصرعے ہیں مگر شیرازِ ہند یعنی جونپور یا جونا پور کی آبادی ایک مصرعے سے اور بربادی دوسرے مصرع سے ظاہر ہوتی ہے، دنیا میں یہ وہ سرزمین ہے جہاں امامیہ وصوفی مشرب سلاطینِ شرقی مدتوں حکمراں رہے اور کبھی یہ شہر قرطبہ اور غرناطہ کا ہم پلہ تھا۔ یہ وہ تاریخی اور قومی نظم تھی کہ جب جونپور کے ویران قلعے کی زمین پر پڑھی گئی ہے جہاں شیعہ کانفرنس کا پنڈال تھا تو اکثر اہل دل اسطرح روتے تھے جیسے مجلس عزا میں گریہ ہوتا ہے۔

صنعتِ حسنِ تعلیل | جونپور کبھی دار العلم بھی تھا اور یہاں ہر قسم کے اہل کمال خندہ رو اور شگفتہ دل پیدا ہوئے اور یہیں کی خاک میں چھپ گئے، اسکو مولانا صفیؔ نے اپنی جونپور کی نظم میں اس بات کی علت قرار دیا ہے کہ اسی وجہ سے جونپور کی خاک سے جیسا پھول پیدا ہوتا ہے کہیں دوسری جگہ نہیں ہوتا حالانکہ یہ وجہ جونپور میں اچھے پھول پیدا ہونے کی نہیں ہے اسی کا نام حسنِ تعلیل ہے ملاحظہ ہو:۔

یہ اثر خوش خلقیوں کا ہے انھیں کے ہمنشیں　　عطر ایسا پھول لیتے جو نہیں ہوتے کہیں

سیکڑوں ہی دفن اس خطے میں ہیں زیرِ زمیں　　خندہ روی و دل شگفتہ، نازک اندام و حسیں

"سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہونگی جو پنہاں ہوگئیں"

غالب کے شعر کی تضمین اس طرح کی گئی ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اوپر کے چار مصرعے اس تخئیل کا جزو تھے جو اس سے ابتک الگ رکھے تھے اور نگینے کی طرح لاکر جڑ دیے گئے۔

واقعہ نگاری | قومی نظموں کا بڑا جوہر واقعہ نگاری ہے، یہ واقعہ ہے کہ جونپور اور لکھنؤ دونوں شہروں کی بستی دریائے گومتی کے داہنے کنارے پر ہے، یہ بھی

واقعہ ہے کہ بلحاظ تعداد لکھنؤ میں شیعہ ہندوستان کے سب شہروں سے زیادہ ہیں، پھر جون پور میں، گومتی کو زلالِ آرزو شفاف آئینہ اور رگِ دل سے استعارہ کرکے تخیل اور واقعہ نگاری میں جو زور پیدا کیا گیا ہے وہ جونپور والی نظم سے ظاہر ہے

جونپور اے شاہدِ پہلونشینِ گومتی — خوب ہی تو نے چُنی ہے آستینِ گومتی

لکھنؤ کے بعد او نقشِ نگینِ گومتی — پڑتی ہے تجھ پر نگاہِ دوربینِ گومتی

کیوں محبت کو تری سمجھیں نہ فرضِ منصبی

ہم کو تیرے ساتھ ہے اک دعویِ ہم مشربی

منتخب دو سبزہ زاروں میں رواں اک جو — بادہ کش دو ایک گلگ سے میں زلالِ آرزو

ایک شفاف آئینہ دو مہوشوں کے روبرو — دیکھیے نقشہ تو شہر جونپور و لکھنؤ

ایک دریا پر بسے ہیں شانِ ساحل ایک ہے

دل بظاہر ہیں جدا لیکن رگِ دل ایک ہے

صورت نگاری ڈیلٹا جہاں دریا کے پانی سے بنتا ہے وہاں دندانے دار مثلث کی شکل بن جاتی ہے اور دریا شاخ شاخ ہوکر سمندر میں گرتا ہے، کلکتہ کی نظم میں برہمپتر اور گنگا کا جہاں ذکر ہے اس موقع پر ڈیلٹا کی تصویر یوں دکھائی ہے

پُرخم ہے دندانوں سے دریا کا دہانہ دیکھیے

کیا ہی زلفِ موج میں الجھا ہے شانہ دیکھیے

مسائلِ علمی مولانا کی قومی نظموں میں جابجا تشبیہات و استعارات کے لپیٹ میں نہایت دل پسند عنوان سے اکثر علمی مسائل کا ذکر آیا ہے، یہ ظاہر ہے کہ مسائل علمی کے بیان میں عموماً اور فطرتاً مطلق دلچسپی نہیں ہوتی، لیکن شاعر کے حسن بیان اور

حسنِ ادا سے اگر خشک مسائل میں شگفتگی پیدا ہو جائے تو یہ شاعری کا کمال ہے، علوم میں بھی ریاضی، فقہ، طب کا علم ایسا ہے کہ ان علوم کے مسائل کے ذکر میں دور کا بھی لگاؤ شگفتگی کو نہیں ہے، بکثرت مثالیں مولانا کے کلام میں علمی مسائل کی ہیں، ان میں سے مسئلہ ریاضی کی مثال پیش کی جاتی ہے۔ مولانا نے آصف الدولہ کے مشہور امامباڑہ کی سیڑھیوں کا ذکر اپنی سنہ ۱۹۱۷ء کی نظم "تختِ جگر" میں فرمایا ہے جسمیں ریاضی کی اصطلاح ضرب منبری کو اس خوبی سے بیان فرمایا ہے کہ جس نے ضرب منبری کے ہندسوں کو زینہ بزینہ دیکھا ہے اور امامباڑہ کے اندر کی سیڑھیوں کو جو مسجد تک پہونچتی ہیں، دیکھا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ یہ بالکل اسی طرح کی ہیں جیسی ریاضی میں ضرب منبری کی شکل ہوتی ہے، خوبیاں بیان کرنے سے بہتر یہ ہے کہ ضرب منبری کی شکل ذیل میں بنا دی جائے۔

							۲	
						۳	۴	۲
					۴	۹	۶	۳
				۵	۱۶	۱۲	۸	۴
			۶	۲۵	۲۰	۱۵	۱۰	۵
		۷	۳۶	۳۰	۲۴	۱۸	۱۲	۶
	۸	۴۹	۴۲	۳۵	۲۸	۲۱	۱۴	۷
۹	۶۴	۵۶	۴۸	۴۰	۳۲	۲۴	۱۶	۸
۸۱	۷۲	۶۳	۵۴	۴۵	۳۶	۲۷	۱۸	۹

وہ بند جسمیں یہ ذکر ہے حسب ذیل ہے

اینٹ چونے کی عمارت حد کی مستحکم مگر
تا بہ کرسی تین طبقے تینوں فردوس نظر
چاہ پختہ، حوض مسجد بلکہ ہر دیوار و در
سب سے عالی ہمتی شانِ امارت جلوہ گر

طاقچوں حجروں سے ہر گوشہ میں اک زینت گری
خوشنما زینوں سے پیدا شکل ضرب منبری

زمانہ حاضرہ کے تاریخی واقعات | مولانا صفی کی نظم سالانہ میں ہر سال کے اہم قومی واقعات کا ذکر کسی نہ کسی عنوان سے ضرور آجاتا ہے مثلاً مشہد کی گولہ باری،

بہ گئیں تبریز و مشہد میں لہو کی ندیاں ؛ لیکن اسیر بھی وہی ہم ہیں وہی خواب گراں

اجلاس شیعہ کانفرنس واقع بنارس میں گنگا کے قریب مسئلہ صدارت شیعہ کانفرنس طے ہونیکی بحث

آج ہے گنگا کنارے ساقیا دور شراب ؛ کثرت آرا پہ ہے پیر مغاں کا انتخاب

جمعیتہ الاقوام کی بنیاد اسی زمانے میں قائم ہوئی تھی جب ۱۹۱۷ء میں شیعہ کانفرنس کا اجلاس ہوا اسکی طرف یوں اشارہ ہے:-

کام کم کیجے زیادہ نام پیدا کیجیے ؛ صورت جمعیتہ الاقوام پیدا کیجیے

پٹنے میں اُنیسواں اجلاس جب ہوا ہے اسی زمانے میں بہت گہرائی میں اشوک بادشاہ کے وقت کی عمارتیں برآمد ہوئیں، انکی طرف اس سال کی نظم میں یوں اشارہ ہے۔

ریگ دریا نے چڑھائیں سطح اصلی پر تہیں ؛ کتنی گہرائی پہ تعمیریں ہیں اگلی کیا کہیں

مقامی رسم ورسوم | سکھر (سندھ) میں بھنگ کا پینا معیوب نہیں جاتا، پیروں اور دیگر بزرگوں کی نذر و نیاز اسی پر ہوجاتی ہے اور اس جوار کے لوگوں نے اپنی اس حرکت کو یہ عظمت دی ہے کہ بھنگ کا نام علی بوٹی رکھ لیا، سکھر کے اجلاس کی نظم کا پچیسواں بند ملاحظہ ہو:-

اس طرف دیجاتی ہے یوں پیر پیغمبر کی نذر ؛ بھنگ کے شربت پہ توبہ ساقی کوثر کی نذر

تلمیحات | مولانا صفی کی قومی نظموں کا مجموعہ تمام تلمیحات اور واقعات کے اشارات سے مرتب ہوکر قومی تاریخ کی ایک عدیم المثال فہرست ہے، تلمیحات کی بہتات کے لحاظ سے اردو زبان

میں خاقانی کی یاد انھیں نظموں کو دیکھکر ہوتی ہے، اس مجموعہ میں کچھ ایسے تلمیحات ہیں جن کی تفصیل نہ کہیں قلمبند ہو نہ عام طور پر اس سے لوگ واقف ہیں آج جن اشارات پر اس نظم کے سننے والے سر دھنتے ہیں، کل جب علم سینہ کیطرح اسکے جاننے والے اس بزم سے اٹھ جائینگے تو اسکا سمجھنے سمجھانے والا بھی کوئی نہ ہوگا اور بغیر ان نکات کو جانے ہوئے رہبران قوم کو بہت سے امراض قومی کی تشخیص میں دقت اور ان کے مٹانے میں ناکامی ہوگی، اس لئے تشریحی نوٹ جو خاص خاص تلمیحات سے متعلق ہیں نظم میں جابجا دیدیے گئے ہیں یہاں بطور "مشتے نمونہ از خروارے" یہ ظاہر کرنا ہے کہ مولانا سعی کی نظم میں تلمیحات کا استعمال جس حسن لطافت اور ادبی تہذیب کے ساتھ کثرت سے کیا گیا ہے اس کی نظیر مشکل ہو کہیں مل سکیگی۔ ان میں بعض عام تلمیحات ہیں مثل قفل ابجد کا استعمال ملاحظہ ہو:۔

شیعہ کالج قفل ابجد ہے بتاؤ یا نہیں
کھولتے ہیں سب کسیکے نام پر کھلتا نہیں

بعض خاص تلمیحات اور استعارات ہیں جنکے تحت میں بہت سے دلچسپ اور قومی تاریخ کے واقعات ہیں جنکو بغیر جانے ہوئے شعر کا لطف نہیں حاصل ہو سکتا مثلاً ۱۹۱۰ء میں بمقام امروہہ اجلاس شیعہ کانفرنس میں یہ مسئلہ پیش ہوا تھا کہ آیا کانفرنس کا صدر ہمیشہ کوئی عالم ہی ہو یا جدید تعلیم یافتہ اور رؤسا بھی ہوا کریں، جناب سید وزیر حسن صاحب بی۔ اے وکیل نے جنھوں نے اب بحمد اللہ سر اور اودھ چیف کورٹ کے چیف جسٹس ہوکر پنشن لے لی، اسی اجلاس میں ایک یادگار اور معرکۃ الآرا تقریر میں ظاہر فرمایا تھا جسکا خلاصہ یہ ہے کہ دنیاوی امور اور ایسے علوم اور مسائل جن سے حضرات علمائے کرام بالکل ناواقف ہیں اُنمیں اُنکی مداخلت بہت بڑی حد تک قومی ترقی کی سد راہ ہے یہی وجہ ہے کہ قومی ترقی میں شیعہ اور قوموں سے

بہت پیچھے ہیں۔ انھیں مسائل میں سے ایک مسئلہ صدارت شیعہ کانفرنس بھی تھا، بالآخر بہت بحث اور مدتوں اخبارات کی تحریک کے بعد یہ طے پایا کہ شیعہ کانفرنس کے صدر علما ہوا کریں، گروہ اپنی جانب سے بطور نائب کسی جدید تعلیم یافتہ غیر عالم کو بھی نامزد فرمادیا کریں۔ یہ وہ بحث تھی کہ ہر وقت یہی اندیشہ ہوتا تھا کہ اب یہ کانفرنس ٹوٹی اور اب ٹوٹی اور ایک شیعہ فرقے میں کئی گروہ پیدا ہو کر ہر ایک کے سیاسی حلقے جدا جدا ہو جائینگے اس موقع کے منظر کو مولانا صفی نے اپنی نظم میں خوب خوب عنوانوں سے ظاہر فرمایا ہے، ایک جگہ یوں ظاہر فرماتے ہیں

نہ ٹوٹیں اتحادِ باہمی کی خوشنما کڑیاں
سُنا ہے قوم کے زور آزما زنجیر کھینچیں گے

یہاں زنجیر کھینچا رسا کشی کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ اسکولوں کے ورزشی کھیل میں رائج ہے، محاورہ پرانا ہے مگر نئے معنی میں صرف ہوا ہے ٹگ آف وار کا ترجمہ ہے زباندان یوں ہی تصرف سے عمدگی کیساتھ محاورے میں وسعت بڑھاتا ہے، ایک بند میں اس واقعہ زیر بحث کو اس طرح ظاہر فرمایا ہے کہ پیر مغاں سے صدر کانفرنس نصاب میکشی سے مراد دستور العمل، تخصیص سے مراد صرف حضرات علمائے کرام کی صدارت، تعمیم سے مراد عام اہل الرائے۔ دور شراب سے مراد محض اجلاس شیعہ کانفرنس ہے جو بنارس میں دریائے گنگا کے کنارے قلعے کی زمین پر منعقد ہوا تھا۔

آج ہے گنگا کنارے ساقیا دورِ شراب — کثرتِ آرا پہ ہے پیرِ مغاں کا انتخاب
اٹھے ہیں پرجوش تقریروں کے گھر گھر کر سحاب — دامنِ حضّار پر برسائیں گے دُرِّ خوش آب

لطف جب ہے یوں نصابِ میکشی ترمیم ہو
گردشِ پیمانۂ تخصیص میں تعمیم ہو

مولانا صفی کی یہ قومی نظم بہت پہلے سے چھپ گئی تھی اور اجلاس شیعہ کانفرنس میں پڑھی جاچکی تھی اس کے بعد مسئلہ صدارت اسطرح طے ہوا جسطرح نظم میں بطور پیشین گوئی اظہار خیال کیا جاچکا تھا، اس سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ شاعر کسقدر قوم کا نبض شناس اور مزاج آشنا ہے کہ بعد از خرابی بصرہ، وہی بات طے ہوتی ہے جسکو وہ پہلے لکھ چکا ہے اس سے اصابت رائے کا بھی پتہ چلتا ہے، جو قومی معاملات میں مولانا صفی کو حاصل ہے یوں تو بادشاہوں، رہبران قوم کاملین روزگار ادیب قومی کارکنان۔ قومی عمارات سبھی کے نام اپنے اپنے موقع سے تلمیحات کے طور پر استعمال ہوئے ہیں مگر سب سے زیادہ دلچسپ وہ کنایات ہیں جو بصورت تلمیحات اس طرح استعمال ہوئے ہیں کہ ان میں قومی تاریخ اور افراد قوم کی سیرت اور طرز عمل کو چھپا کر بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً ذیل کے مصرعے میں اس سیرت کی تصویر دکھائی ہے کہ جب کچھ بہی خواہانِ قوم اور مصلحان ملت نے اپنے شیعہ کالج کے اصلاحات کے لئے کچھ تدبیریں سوچی تھیں اور چاہتے تھے کہ وہ اصلاحات ہو جائیں تاکہ عوام کی بدگمانی دور ہو اور ترقی ہو اسوقت ایک صاحب نثار علی منزل کے ایک گوشے میں بیٹھ کر اخباروں میں ان مصلحانِ قوم پر مضامین تحریر فرمایا کرتے تھے اس واقعے کی طرف یوں مولانا نے اشارہ فرمایا ہے ع

رو بہانہ کھیلتے ہیں چھپ کے ٹٹی سے شکار

سکھر کی نظم میں اس واقعے کی طرف تلمیح ہے جب ابتدا میں مسلمان یہاں آئے اور ہندوؤں سے جنگ ہوئی اور انکو خیال ہوا کہ مسلمانوں کو یہاں سے نکال دیں اسوقت کی ایک جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہوگئی تھی اور مسلمان عورتوں نے دعا مانگی تھی کہ ہندوؤں کے ہاتھ میں نہ جائیں پہاڑی پر سب عورتیں جمع ہوئیں، مشہور ہے کہ پہاڑی پھٹی اور عورتیں اسمیں سماگئیں

اس تلمیح کی طرف یوں اشارہ فرمایا گیا ہے،

حفظ عصمت کی دعا مانگی جو ہنگام شکست
شق ہوا پربت سمائیں کل زنانِ حق پرست

اس مجموعے کے عام اور خاص تلمیحات کی تشریح اسی طرح کی جائے تو ایک مکمل اور بہت دلچسپ فسانہ ہو جائے لیکن واقعہ یہ ہے کہ بغیر اسکا تھوڑا بہت ذکر کیے ہوئے وہ حضرات ان نظموں کے لطف اٹھانے میں حصہ دار نہیں ہو سکتے جو ان تلمیحات یا اشارات سے واقف نہیں اسلئے کہ شاعری کے ساتھ ساتھ واقعہ نگاری کی تمام دلچسپی انھیں باتوں پر خصوصیت سے منحصر ہے اور تمام خصوصیات نظم میں یہ تلمیحات بمنزلہ طعام میں نمک کے ہیں یہی وجہ اور بھی ہوئی کہ اس مجموعے کے ساتھ ایک مبسوط مقدمہ لکھدیا جائے اور اس میں اجمالاً اس مجموعے کی نظموں کی کم و بیش خوبیاں دکھادی جائیں اور جس عنوان سے اس مجموعے کی ترتیب دی گئی ہے اسکو ظاہر کردیا جائے۔

ترتیب مجموعہ اس مجموعے میں جو ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مقدمۂ ہذا کے بعد "لختِ جگر" کی نظم شروع ہونے سے پہلے چند صفحوں میں بالاختصار شیعہ فرقے کی تاریخی زندگی کو جسکا تعلق ہندوستان کی سرزمین اور اس نظم سے دلچسپی اٹھانے کے متعلق ہے بیان کرکے اسکا سلسلہ آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے وجود میں آنے کے زمانے تک منظم کیا گیا ہے۔

(۲) ہر سال کی نظم شروع ہونے سے پہلے نثر میں ایک مختصر تمہیدی نوٹ ہے جسمیں کم و بیش حسب ذیل باتیں ملیں گی۔

(ا) جہاں اجلاس کانفرنس منعقد ہوا ہے وہاں کے مقامی خصوصیات و حالات

(ب) فضائے قومی جو اُس سال کے متعلق ہو۔

(ج) تحریک جو شاعر کے ذہن میں تھی اور پیش ہوئی اور اس کے نتائج۔

(د) قومی نظم کا کیا اثر ہوا۔

(ہ) سال مذکور میں کون کون سر برآوردہ افراد قوم شریک جلسہ ہوئے اور کن بزرگان قوم نے رحلت فرمائی۔

(و) دیگر امور متعلق فرقۂ شیعہ۔

(۳) ہر سال کی نظم کے تحت میں ضروری تلمیحات، اشارات، بعض محاسن شاعری اور دیگر حالات کو بطور فٹ نوٹ اسطرح لکھا گیا ہے کہ اس حصۂ نظم کے سمجھنے اور اس سے لطف اٹھانے میں مدد ملے۔

اس مقدمے کے مطول ہو جانے کے لئے ناظرین سے معذرت خواہ ہوں۔ جہاں کہیں تحریر میں جو قلمی لغزش یا کمی ہے اس کے معلوم ہونے پر دوسری اشاعت میں شکریے کے ساتھ اسکے تکملے کا خیال رکھا جائیگا۔

۱۰ فروری ۱۹۳۴ء

ممتاز حسین جونپوری

ہندوستان میں شیعوں کی مجمل تاریخ
اور
بنائے شیعہ کانفرنس

ہند میں مسلمانوں کی آمد

پچھلے دور کے حالات کو جوڑنے بٹورنے سے جو کچھ معلوم ہو سکا وہ یہ ہے کہ حضرت عثمان کے عہد خلافت میں عرب سے کچھ مسلمان سب سے پہلے آکر ہندوستان کے مغربی ساحل پر آباد ہوئے۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کو آج موپلا اور کوکنی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ پھر حضرت علی کے زمانہ میں کوفے سے اور حضرت امام حسینؑ کے زمانے میں کچھ مسلمان ہندوستان میں آئے

شیعوں کا پہلا نقش قدم

عرب سے شیعوں کی آمد اور ہندوستان میں اُن کی بود و باش کا قدیم سے قدیم جو تاریخی سراغ مل سکا ہے وہ یہ ہے کہ اب سے نو سو سال پہلے اسماعیلیہ فرقہ کے شیعہ یہاں آئے اور اُن کے ایک داعی کا مستقل قیام کھمبات میں ہوا۔ اُس نے ایک کسان زن و شو کو مسلمان کیا جن کی قبریں اب تک کھمبات میں موجود ہیں اور یہ کاکا اکیلا اور کاکا اکیلی کے نام سے مشہور ہیں۔

اسی زمانہ میں اُن کے ایک داعی نے جا کر سکندر آباد (حیدر آباد دکن) میں قیام اختیار کیا اور اُن کا مزار آج بھی شیعہ بواہیر کی زیارت گاہ ہے اسی طبقے سے ہمارے شیعہ بواہیر بھائیوں کے موجودہ داعی حضرت

مولانا طاہر سیف الدین صاحب ہیں جنھوں نے شیعہ کالج، شیعہ یتیم خانہ اور شیعہ ادارات کی بہت کچھ امداد فرمائی ہے۔

دنیا کے مشہور فاتح امیر تیمور صاحبقران کے زمانے سے ایرانیوں کی آمد کا سلسلہ ہندوستان میں شروع ہوا، اور شیعیت اور خصوصاً تعزیہ داری کی داغ بیل ہندوستان میں اسی وقت سے پڑنے لگی، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب ٩٧٧ء میں سلطان ناصر الدین سبکتگین غزنی میں فرماں روا تھا اسوقت بحیثیت فاتح سلمانوں کے قدم ہندوستان میں آئے انھیں سلمانوں میں شیعہ سادات بارہا کے جد سید ابو الفرح واسطی بھی ہیں، ان کی اولاد سلاطین ہند کے دربار میں اپنے علم و کمال کیوجہ سے ہمیشہ مقرب رہی، اسکے علاوہ تاریخوں سے سلمانوں کی مستقل آمد و رفت کا دور محمد قاسم عرب سپہ سالار کے ہندوستان میں ورود کیوقت سے شروع ہوتا ہے، اسوقت سندھ کے حصّوں میں مسلمان آکر بس گئے ان میں شیعہ بھی تھے جو تصوّف اور پیری مریدی کے رنگ میں چھپے رہے۔

سندھ میں سلمانوں کی موجودہ طرز زندگی اور قدیم آثار مقابر املاک وغیرہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ شیعہ یہاں گئے اور بس گئے، میر صاحبان خیرپور سندھ کی املاک و ریاستیں اور دیگر تاریخی آثار اور واقعات اس کے مؤید ہیں شیعوں کی داستان پارینہ بہت گومگو کی حالت میں ہے۔ سابق اسلامی فرماں روایان ہند میں کوئی شیعہ نہ تھا اسیوجہ سے شیعوں کا ذکر خاص طور پر تاریخ میں نہیں ملتا،

ہندوستان کی اسلامی سلطنت کے دور میں قرن اولی کے عام اور خاص سلمان تنگ نظری اور تعصب کا شکار تھے۔

شیعوں کی قدیم زندگی شیعہ اپنی ہستی اور وجود کو قائم رکھنے کیلئے تقیہ کے گہرے پردوں میں جا بجا چھپے ہوئے زندگی بسر کرتے رہے تاریخ خاموش ہے کہ اسوقت شیعہ کتنے اور کہاں کہاں تھے۔ انھیں میں سے کچھ شیعہ رفتہ رفتہ غیروں میں اس طرح جذب ہو گئے کہ اُن کی شیعیت بھی اُنکی رواداری پر قربان ہو گئی، جو بچگئے وہ اپنی شیرازہ بندی نہ کر سکے نہ خوف سے کوئی جداگانہ قومیت قائم کر سکے۔

ان دنوں ہندوستان میں سنیاسی فقیروں سے کوئی روک ٹوک نہ ہوتی تھی اسلئے اسوقت ہندوستان میں جہاں جہاں بھی شیعہ تھے فقیری اور تصوف کے لباس میں تھے اور نہایت خاموشی سے زندگی بسر کر کے دنیا کو فائدہ پہونچاتے رہے اور بہت کچھ تبلیغی خدمات کرتے رہے۔

شیعوں کی پہلی سلطنت آٹھویں صدی عیسوی میں پہلے پہل شیعہ سرزمین دکن میں کچھ پھلے پھولے تاریخ ہند میں سلاطین بہمنی کا عہد شیعوں کی نمود اور ترقی کا پہلا باب ہے، اس شیعہ حکمراں خاندان کے عہد سے شیعہ شعرا اور دیگر اہل کمال کا مجمع دکن اور ہندوستان کے مختلف حصوں میں نظر آنے لگا۔ میر فضل اللہ، خواجہ زین العابدین ہمدانی، خواجہ محمد گازرانی، ملا شاہ طاہر، میر عالم، ملا محمد قاسم مشہدی، میر مومن وغیرہ اسی تاریخی عہد کے

یادگار شیعہ ہیں جو برابر ممتاز عہدوں پر مامور رہے۔ انھیں کے امثال ہزارہا شیعہ احمد نگر، بیجاپور، گولکنڈا، شولاپور، گلبرگہ، حیدرآباد اور کرناٹک کے کھنڈروں میں مدفون ہیں، خود سید محمد گیسو دراز صاحب جن کا مزار گلبرگہ شریف میں ہے شیعہ تھے۔ سلاطین مغلیہ کے عہد سے پہلے بھی ہندوستان کی مملکت کے اکثر حصوں میں شیعہ برسراقتدار تھے۔ بابر بانی سلطنت مغلیہ کے معتمد دوست بیرم خاں کا یہ اثر واقتدار تھا کہ مرتے وقت بابر نے اپنے بیٹے ہمایوں کا ہاتھ بیرم خاں کے ہاتھ میں یہ کہکر دیدیا تھا، "بپردم بتو مایہ خویش را" بیرم خاں نے بھی وہ کام کیا کہ اپنے فرقے اور قوم کا نام رکھ لیا۔ اور شیر شاہ سوری کے پنجے سے ملک کو پھر چھین لیا اور شاہ ایران کی مدد سے ہندوستان کی کھوئی ہوئی سلطنت پھر ہمایوں کو لادی۔ اسلئے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اسلامی سلطنت ہند پر ایک شیعہ بادشاہ کا احسان ہے،

اکبر کے دربار کے نورتن میں پانچ شیعہ تھے جو روح روان سلطنت تھے جہانگیر کے عہد میں قاضی نور اللہ شوستری اعلی اللہ مقامہ (ملقب بہ شہید ثالث) دارالقضا کے عہدے پر مامور تھے اور ان کی شیعیت اور قابلیت ہی انکے قتل کا باعث ہوکر اوراق تاریخ کو رنگین کر گئی، مگر یہ ثابت ہو گیا کہ دینی اور دنیوی دونوں امور میں شیعہ اپنی اعلی دماغی سے سلطنت کے مددگار رہے ہے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں سید حسین علی اور سید عبداللہ شیعہ سادات بارہا اسی خاک سے اٹھے اور تاریخ کے صفحات پر بادشاہ گر کا لقب حاصل کر کے پیوند خاک ہو گئے غرضکہ یونہیں ادھر ادھر شیعہ ہندوستان میں سلطنت ہند کے مختلف شعبوں میں اگرچہ خود حکمراں اور بادشاہ نہوئے

مگر بادشاہ گر اور معین سلطنت ہمیشہ ہی رہے۔

شیعہ سلاطین دکن کے قطب شاہی اور عادل شاہی سلاطین کے بعد جون پور کے شیعہ سلاطین شرقی کا دور اُن کے کارنامے انکے دارالعلوم اور انکی علم پروری کا زمانہ تاریخ ہند کا ایک یادگار دور ہے۔

شیعہ وزیر و گورنر یوں تو سلاطین اسلام کے دربار میں میدان جنگ میں اور ہر شعبہ یعنی رزم میں بزم میں ادب اور ہر جگہ شیعوں کی علمی و عملی قابلیت سے سلطنت کا وقار بڑھتا رہا اور تاریخوں میں انکے نام اور اُن کے کارناموں کی تفصیل موجود ہے مگر ادھر بنگال میں نظامت اور حکومت شیعہ فرماں رواکے ہاتھ میں تھی، اُدھر حیدر علی ٹیپو سلطان وغیرہ ساحل ہند اور مدراس وغیرہ میں شیعوں کی عظمت و جلالت کی داد دے رہے تھے۔

اودھ میں شیعہ بادشاہ اور وزرا نے دنیا کو جگمگا دیا اور آجتک شیعہ سلاطین کی آثار سے دکن، اودھ اور دیگر ساحل ہند کا دامن خالی نہیں خصوصیت سے جس بات کا ذکر کرنا ہے وہ یہ ہے کہ آصف الدولہ نواب وزیر اودھ کے زمانے میں جناب مولانا سید دلدار علی صاحب مرحوم غفرانمآب نصیر آباد ضلع رائے بریلی (اودھ) کی خاک پاک سے اُٹھے اور دارالعلوم جون پور میں گئے جہاں شیعہ سلاطین شرقی کی مٹی ہوئی علمی و عملی عظمت اور رفاہ عام اور تعلیمی درسگاہوں کا کچھ کچھ نقش باقی رہ گیا تھا وہیں ملا عسکری عالم سے تکملۂ علوم کرکے پھر عراق و عجم چلے گئے۔ پلٹے تو اجازہ اجتہاد لیکر پلٹے اور ہندوستان میں شیعیت کی شیرازہ بندی کا سنگ بنیاد رکھا لکھنؤ میں غفرانمآب کا امام باڑہ اور انکا مزار بزبان حال کہہ رہا ہے ؎

بیا در سید گر اینجا بود زبان دانے غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد

غفرانمآب کے زمانے سے مجلس و ماتم کا رواج ہوا، اور شیعیت اور مسلہ و مسائل
کا چرچا گھر گھر ہونے لگا، شیعیت نے ہندوستان میں جس طرح کی فضا میں
پرورش پائی اُس کا یہ قدرتی اثر ہوا کہ علما پرستی ہر شیعہ کی زندگی کا مایۂ ناز
افتخار، اور معاشرت کا طرۂ امتیاز ہوگیا، زمانے کا بڑا حصہ یوہیں گزر گیا
اودھ کی سلطنت مٹی، انگریزی راج ہوا، تہذیب اور تمدن نے کروٹ لی
مگر شیعوں کی اس زندگی میں کوئی تغیر نہونا تھا نہوا، یہانتک کہ انگریزی
تعلیم بڑھتی گئی، اور انگریزی سلطنت کے زیر سایہ مذہبی آزادی نے پر پرزے
نکالے اور مراسم مذہبی خوب کُھل کر اور جھرلٹے سے ادا ہونے لگے، شہروں
میں اسکول اور کالج کُھلے، لیکن مسلمانوں خصوصاً شیعوں کی دنیاوی اور مذہبی
دونوں زندگیوں پر حضرات علما کا جبروت و اثر کارفرما رہا، خصوصیت سے
شیعوں پر حضرات مجتہدین کے روحانی اقتدار کا یہ اثر تھا کہ شیعہ انگریزی تعلیم
کی طرف بہت کم راغب تھے، عام طور پر یہ بدگمانی ہے کہ شاید حضرات علما ء
انگریزی تعلیم کو منع کرتے تھے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مذہبیت اور اُسوقت
کی تہذیب اور تمدن کا یہ غالب اثر تھا کہ انگریزی تعلیم کی طرف نہ اتنی رغبت
تھی نہ اُسکی یہ اہمیت خیال کی جاتی تھی، ممکن ہے کہ علما کو بھی یہ بات پسند
نہ آئی ہو کہ انگریزی تعلیم بڑھی تو کہیں عقائد مذہبی میں کمزوری نہ پیدا ہوجائے
غدر ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان میں ایک نیا انقلاب رونما ہوا، رفتہ رفتہ
انگریزی تعلیم کا چرچا ہوتا گیا اور سرعت کے ساتھ انگریزی تمدن اور
انگریزی تعلیم بڑھنے لگی، اُس وقت سر سید احمد خاں صاحب نے

دارالعلوم علی گڈھ یعنی مسلم کالج علی گڈھ کی بنیاد ڈالی، اور مسلمانوں نے بھی انگریزی کتابوں کو ذریعہ قسمت سمجھکر پڑھنا شروع کیا، ابتدا علمائے اسلام متفقہ طور پر انگریزی تعلیم کے مخالف رہے مگر کم وبیش مسلمان اور شیعہ اسمیں حصہ لیتے رہے۔ پھر روٹی دال کے ساتھ جاہ وعزت بھی انگریزی تعلیم کے ہاتھوں سے جب بٹنے لگی تو گھبرا کر شیعہ بھی کاسہ قسمت لئے گھروں سے نکلے اور علی گڈھ کالج کا دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا، انیسویں صدی یونہیں گذر گئی، بیسویں صدی آئی انگریزی خوانوں کی تعداد بڑھنے لگی، علما کو اندیشہ ہوا کہ یہ سیلاب بڑھتے بڑھتے کہیں علما کے اقتدار اور جذبات مذہبی کو بہا نہ لیجائے، ادھر علیگڈھ میں ایجوکیشنل کانفرنس قائم ہو چکی تھی، اور اسکے جلسے جابجا ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں ہونے لگے، مسلمانوں کے ہر فرقے میں بیداری کے آثار پیدا ہو چلے تھے۔ شیعوں نے بھی ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں جابجا اپنی ترقی کے لئے انجمنیں قائم کیں۔ ان میں سے شیعوں کی سب سے کامیاب انجمن مظفر نگر کے سادات کی بنا کردہ انجمن جعفریہ تھی جس کے سالانہ جلسے بھی ہوا کرتے تھے، شیعوں کے خیالات میں بھی کسی حد تک آزادی کی لہر دوڑ چکی تھی اور علما بھی رفتار زمانہ کو نہایت صبر وتحمل سے دیکھ رہے تھے اور یہ خیال پیدا ہو ہی گیا کہ ضرورت زمانہ کے موافق شیعوں کے لئے کچھ کرنا چاہیے مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ مجتہد لکھنو ایک خاص دل ودماغ اور مزاج زمانہ کے بہترین نبض شناس عالم تھے انھوں نے شیعوں کی دینی اور دنیاوی ترقی کو ملحوظ رکھکر سنہ ۱۳۱۹ھ میں ایک انجمن صدر الصدور کی بنیاد لکھنؤ میں ڈالی، اسکے صدر عماد العلما جناب سید مصطفی عرف میر آغا صاحب قبلہ (مرحوم) مجتہد اور مہتمم شمس العلما مولانا جناب سید محمد حسین عرف علن صاحب قبلہ مجتہد اور (مغفور) سکریٹری مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ

مجتہد، اور نائب معتمد جناب مولوی سید علی غضنفر صاحب مقرر ہوئے۔ اس زمانے میں
انکی مخالفت محسن الملک سید مہدی علی خاں صاحب۔ بدرالدین طیب جی جسٹس بمبئی
سر آغا خاں صاحب اور میر سید حسین صاحب بلگرامی جیسی مقتدر ہستیوں نے کی، مگر
یہ انجمن اپنا کام کرتی رہی، اور اسکی بڑی غرض یہ تھی کہ آزاد خیالی کو بڑھنے نہ دے
اس انجمن نے ایک خاص عربی مدرسے کی بنیاد لکھنؤ میں ڈالی اور پیشنماز اور واعظین کا
تقرر اسکی جانب سے ہوا، یہاں تک کہ سنہ ۱۳۲۲ھ میں جب ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس لکھنو
میں ہونے لگا، اسوقت بذریعہ تحریرات و فتاوا علما نے اعلان کیا کہ جب تک علیگڈھ میں
تعلیم دینی کا پورا بندوبست شریعت کے موافق نہو جائے علیگڈھ کالج میں کسی شیعہ کو
روپیہ ندینا چاہیے، اس پر اخبارات نے علما کے خلاف سخت سے سخت مضامین لکھے
زمانے نے خیالات میں کچھ عجیب مد وجزر کی کیفیت پیدا کر دی تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ قومی مفاد کیلئے
یہ قرار پایا کہ انجمن صدر الصدور کے سالانہ جلسے لکھنؤ سے باہر کانفرنس کی صورت میں منعقد
ہوا کریں، اس بارے میں اراکین شیعہ اور خود حضرات علما میں اختلاف پیدا ہوا،
بالآخر جدید و قدیم تعلیم یافتہ حضرات نے قومی مفاد کے لئے مدتوں غور کیا، اسمیں
خصوصیت سے مرزا محمد ہادی صاحب رسوا مرحوم، خواجہ غلام الثقلین مرحوم، اور خود
مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ نے گہری دلچسپی لی، اور ان لوگوں نے انجمن صدر الصدور
کی صورت بدل کر مذاق زمانہ کے موافق ایک کانفرنس کی بنا ڈالنے کا تہیہ کیا، اور
اس کا ایک ڈھانچہ مرتب کیا، چنانچہ ایک اعلان شائع ہوا کہ جلسہ سالانہ انجمن صدر الصدور
کانفرنس امامیہ اثنا عشریہ ۲۷ لغایۃ ۲۹ شعبان سنہ ۱۳۲۵ھ مطابق ۶ لغایت ۸ اکتوبر
سنہ ۱۹۰۷ء بمقام لکھنو زیر صدارت مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ منعقد کیا جائے اور اسکے

کامیاب بنانے کے لئے مرزا محمد ہادی صاحب رسوا، اور سید علی غضنفر صاحب نے آگرہ، بھرت پور، میرٹھ، عبداللہ پور، جانسٹھ، سہارن پور، مراد آباد جون پور، الہ آباد کا سفر کیا، اور پہلا جلسہ ۶ر اکتوبر ۱۹۰۷ء کو رفاہ عام کلب کی عمارت میں بمقام لکھنؤ منعقد ہوا، اور اسمیں آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی بنا پڑی اور انجمن صدر الصدور اسی میں فنا ہو کر معدوم ہو گئی، یا یوں کہیے کہ وہ مشکل صورت کانفرنس ہو گئی، یہ سب سے بڑی انجمن ہے جسے **آل انڈیا شیعہ کانفرنس** کہتے ہیں۔

اجلاس اوّل شیعہ کانفرنس کیوقت ملکی وقومی فضائے ہند ۱۹۰۷ء

۶ر اکتوبر ۱۹۰۷ء کو لکھنؤ میں شیعہ کانفرنس کی بنا پڑی، اسوقت ملک میں انگریزی تعلیم کا کافی چرچا تھا، اور قریب قریب ہر شہر اور بعض بڑے قصبات میں انگریزی اسکول کھل چکے تھے، اور تعلیم انگریزی کیطرف خاص و عام افراد کی توجہ تھی، اس صوبۂ آگرہ و اودھ کے علاوہ قریب قریب تمام ہندوستان کے شیعہ اور سنی مسلمان مسلم کالج علیگڈھ میں انگریزی تعلیم حاصل کر رہے تھے محسن الملک نواب مہدی علیخاں صاحب اس زمانے میں مسلم کالج علیگڈھ کے سکریٹری تھے اور وہاں شیعہ دینیات کی تعلیم کے لئے مولانا سید عباس حسین صاحب مامور تھے، سرکاری عہدوں پر بھی علیگڈھ کے کامیاب طلبا مناسب عہدہائے جلیلہ حاصل کرتے جا رہے تھے، تمام ملک خصوصاً قریہ اور دیہات تک میں شیعہ مجتہدین کا کافی اثر تھا انگریزی دانوں میں بیشتر حضرات کے قلوب کی چاہے جو حالت رہی ہو مگر بظاہر سب کے سب علما پرست تھے، جدید اور قدیم تعلیم یافتہ حضرات ایک صورت میں نظر آتے تھے

لیکن آزادی بڑھتی جارہی تھی بعض بعض حضرات کے طرز عمل سے حضرات علما اور علما کی بعض باتوں سے بعض تعلیم یافتہ حضرات کو شکایت پیدا ہو چلی تھی۔ مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ مجتہد نے سوچ کر جدید تعلیم یافتہ کو پرانے خیال والوں سے ملانے کی بہتر صورت یہ نکالی کہ انجمن کا اجلاس کانفرنس کی شکل میں ہو اور اسکی تشکیل اور تنظیم میں خواجہ غلام الثقلین مرحوم اور ڈاکٹر مرزا محمد ہادی رسوا مرحوم نے پوری پوری مدد دی ابتداءً اس انجمن صدر الصدور (یا چاہے اسے شیعہ کانفرنس کہہ لیجئے) کے قواعد قریب قریب وہی تھے جو مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ نے مرتب کئے تھے۔ تمام علما اور مجتہدین نے کافی اسمیں دلچسپی لی، جدید تعلیم یافتہ حضرات میں جن لوگوں نے گہری دلچسپی لی وہ یہ حضرات ہیں۔ مرزا عابد علی بیگ صاحب قزلباش سب جج۔ میر علی محمد صاحب شاد۔ ڈاکٹر مرزا محمد ہادی۔ خواجہ غلام الثقلین مرحوم۔ مرزا حبیب حسین صاحب، مرزا شجاعت علی بیگ قاصل ایران۔ شیخ یوسف حسین صاحب بیرسٹر۔ سید علی وسط صاحب بیرسٹر، ماسٹر سید عبد العلی صاحب۔ نواب سید نصیر حسین صاحب خیال۔ مرزا علے سجاد حسین صاحب لکھنوی، حامد علیخاں صاحب بیرسٹر۔ سید محمد آغا صاحب وکیل لکھنو۔ شاہزادہ مرزا ہمایوں قدر صاحب ڈپٹی کلکٹر۔ سید قلندر حسین صاحب انجنیر گوجرانوالہ سنہ ۱۳۲۷ھ میں میر آغا صاحب مجتہد کا انتقال ہو چکا تھا اور اس سال سید علن صاحب کا بھی انتقال ہو گیا، اسوقت لکھنو میں قومی کاموں اور عزاداری میں ترقی کے لئے حسب ذیل انجمنوں کا وجود تھا۔ انجمن رفیق الایمان، انجمن مہدویہ، انجمن عباسیہ، انجمن معراج الطالبین۔ انجمن نقوی، انجمن قمر بنی ہاشم، انجمن پنجتنی، انجمن رضویہ اور انجمن حیدریہ۔

شیعوں میں اسوقت حسب ذیل اخبار و رسائل مذہبی و قومی حمایت کے لئے

موجود تھے، ہفتہ وار اخبار امامیہ لکھنؤ، اثنا عشری دہلی، رسالہ تذکرہ لکھنؤ، رسالہ العوارف لکھنؤ رسالہ الحکم لکھنؤ، رسالہ البیان لکھنؤ، رسالہ الشمس و صلاح و اصلاح و شیعہ کھجوہ ضلع سارن، رسالہ عصر جدید میرٹھ، اس سال شیعہ کانفرنس کا اجلاس لکھنؤ میں بمقام رفاہ عام منعقد ہوا اور مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ مجتہد صدر جلسہ تھے۔ اس اول سال کی کانفرنس میں مجمع بہت کافی تھا، نشست کرسیوں کی تھی، پچھم کے حصے میں تخت پڑے تھے، بنا کر صدر کی کرسی رکھی گئی تھی اور اس پر حضرات علما اور خاص سربر آوردہ رؤسا کی نشست کا انتظام کیا گیا تھا، کلکتہ سے جسٹس سید شرف الدین صاحب (حنفی المذہب) جو سر علی امام صاحب بیرسٹر کے ماموں تھے شریک جلسہ ہوئے تھے۔ اس سال کی کانفرنس کی کارروائی کے درمیان میں ایک غیر خوشگوار واقعہ پیش آیا وہ یہ ہے کہ ڈاکٹر مرزا محمد ہادی نے ایک رزولیوشن پیش کیا جس کا مفہوم یہ تھا کہ مذہبی و عامیانہ مناظرہ اور اشتعال انگیز تحریروں سے اس کانفرنس کا کوئی تعلق نہیں اس رزولیوشن کی بحث کے دوران میں کچھ ایسے امور پیش آئے کہ طوالت و پیچیدگی بڑھ گئی۔ اور خواجہ غلام الثقلین مرحوم کانفرنس سے علیحدہ ہو گئے اور انکے وجوہ علیحدگی کے متعلق اعلان اور اس سلسلے میں تقریریں سنہ ۱۹۰۷ء کی روداد شیعہ کانفرنس اجلاس اول میں درج ہیں۔ ان امور سے یہ پتہ چلتا ہے کہ علما اور تعلیم یافتہ حضرات میں کچھ ایسے اختلافات اور سوء ظن کی ابتدا ہو چکی تھی جو قومی ترقی اور شیرازہ بندی کیلئے افسوسناک ہے، اس سال ہر خیال کے شیعہ بڑے شوق سے شیعہ کانفرنس میں شریک ہوئے، مگر بعض انگریزی و عربی خوانوں میں باہم صفائی نہ ہونے سے جو اندیشہ دوربین نگاہوں کو تھا اسکی جھلک سب سے پہلے اسی کانفرنس کے اسٹیج پر رونما ہو گئی، اس سال مولانا صفی نے اجلاس اول شیعہ کانفرنس میں جو نظمیں پڑھی ہیں اور جو امور پیش آئے وہ روداد شیعہ کانفرنس میں ملیں گے۔

سنہ ۱۹۰۸ء

اجلاس دوم آل انڈیا شیعہ کانفرنس بمقام لکھنؤ

اس سال بھی دوسرا جلسہ شیعہ کانفرنس کا لکھنؤ ہی میں منعقد ہوا اور کانفرنس کے صدر پھر مولانا سیّد نجم الحسن صاحب قبلہ مجتہد باتفاق رائے علما و دیگر تعلیم یافتہ حضرات قرار پائے، شیعہ کانفرنس کے سکریٹری مولوی سیّد علی غضنفر صاحب تھے! اور ایک کارکن کمیٹی مرتّب ہوئی جس میں خاص خاص تعلیم یافتہ رؤسا، و عربی و انگریزی تعلیم یافتہ حضرات ممبر قرار پائے، ملکی اور قومی فضا اور خیالات کا رجحان و علما پرستی وغیرہ کا وہی عالم تھا جو پہلے اجلاس میں تھا، ۲۴ لغایت ۲۶ دسمبر سنہ ۱۹۰۸ء اجلاس کانفرنس منعقد ہوئے جن میں خصوصیت سے جن حضرات نے دلچسپی لی وہ یہ ہیں۔ شاہزادہ غلام محمد صاحب رئیس میسور، مولانا حشمت علی صاحب مجتہد پنجاب، راجہ ابو جعفر صاحب تعلقدار فیض آباد چودھری ارشاد حسین صاحب تعلقدار ردولی، سیّد وزیر حسن صاحب وکیل چھپرا، سید علمدار حسین صاحب وکیل سہارنپور، سیّد عابد حسین صاحب بیرسٹر، سیّد آغا حسن صاحب بیرسٹر شاہزادہ جعفر علیخاں صاحب نبیرۂ امجد علیشاہ (شاہ اودھ)، شاہ اسمٰعیل صفوی عرف سید صاحب، مرزا اکبر الشان، ڈاکٹر سیّد عبد اللہ سہروردی، نصیر الممالک مرزا شجاعت علی بیگ، سیّد علی اظہر صاحب عالم ساکن کھجوہ، سیّد ظلند رحسین صاحب ڈسٹرکٹ انجنیر گوجرنوالہ، سیّد زوار حسین طرار زید پوری، خان بہادر سید محمد ہادی صاحب ڈپٹی کمشنر

اس سال کی کانفرنس میں جو خاص تعزیت کے رزولیوشن پیش ہوئے ان میں سرکار میرزا حسین بن خلیل مجتہد نجف اشرف اور مرزا عابد علی بیگ صاحب قزلباش سب جج کی وفات کے تعزیتی رزولیوشن تھے، رزولیوشن میں خاص رزولیوشن بنائے شیعہ یتیم خانہ اور کارخانہ شکرسازی کا رزولیوشن پیش ہوا، اور سنّی و شیعہ کی نزاع کا فیصلہ بھی کانفرنس میں زیرِ بحث رہا اس سال اجلاس دوم شیعہ کانفرنس میں جناب راجہ سر محمد علی محمد خاں صاحب والی محمود آباد نے شرکت فرمائی اور نواب محمد حامد علیخاں صاحب والی ریاست رامپور نے جلسے میں شرکت فرمائی، مولانا صفی نے ان حضرات کی تشریف آوری کے موقع پر قطعات نظم کرکے پڑھے اور سال بھر اخبارات میں جو ہنگامہ آرائی خواجہ غلام الثقلین مرحوم کی علیحدگی کے بعد رہی اُس پر ایک مختصر تبصرہ اپنی نظم موسوم پنج آہنگ میں فرمایا، اور وہ نظم صحیفۃ القوم اور اجلاس کانفرنس کی روئداد میں ملے گی، اس سے پتہ چلتا ہے کہ عام قوم کی ذہنیت کا اس وقت کیا عالم تھا، اس سال کے اجلاس میں مولانا صفی نے ایک نظم نالۂ مستانہ کے نام سے پڑھی جس میں قوم کو توجہ دلائی گئی ہے کہ وہ قومی معاملات میں دلچسپی لیا کرے، جیسا کہ کم و بیش اس وقت حالت ہے، اُس وقت اس سے بہت زیادہ یہ کیفیت تھی، کہ عیش و عشرت ناچ رنگ سیر و تماشے میں افراد قوم اپنا روپیہ اپنی قوت اپنی توجہ صرف کرنے میں بہت زیادہ مسرور نظر آتے تھے، ایک اور نظم دلگداز کے نام سے اس سال مولانا صفی نے اجلاس شیعہ کانفرنس میں پڑھی تھی جس میں فرقہ شیعہ کی مختصر تاریخ اور قومی عروج و زوال کا ذکر ہے، اور تعلیم کے ذریعہ سے ترقی کرنے اور درسگاہ کھولنے کی تحریک کی گئی ہے، یہ نظم بھی صحیفۃ القوم اور روئداد اجلاس دوم شیعہ کانفرنس میں ملے گی۔

سنہ ۱۹۰۹ء

اجلاس سوم شیعہ کانفرنس بمقام لکھنؤ

اس سال ۲۶ لغایت ۲۸ دسمبر ۱۹۰۹ء بدستور رفاہِ عام میں اجلاس کانفرنس منعقد ہوئے اور اسی احاطہ میں جابجا خیموں میں مومنین کے قیام کا انتظام کیا گیا اور اُن کی دعوتِ طعام کا انتظام بھی اہل شہر کی جانب سے ہوا۔ اس سال کے جلسے کے صدر بھی مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ مجتہد اور سکرٹیری مولوی سید علی غضنفر صاحب تھے۔ عام مومنین کا رجحان کانفرنس کی طرف تھا علما اور جدید تعلیم یافتہ دونوں کیلئے ایک نئی چیز ہونے کی وجہ سے کانفرنس سے دلچسپی رہی۔ علاوہ اور حضرات کے کہ جنکا ذکر پہلے سال کی کانفرنس میں کیا گیا۔ یہ امیر کاظم صاحب رئیس نگینہ۔ مفتی حید رحسین صاحب رئیس جونپور اور شیخ محمد پناہ صاحب وکیل فیض آباد خاص ذکر کے قابل ہیں۔

تعزیتی رزولیشنوں میں مولوی سید علی اکبر صاحب پدر مولوی علی غضنفر صاحب اور ماسٹر سید عبدالعلی صاحب مرحوم وکیل کی وفات کے رزولیوشن پیش ہوئے۔ اسی سال ولیسرائے کے جلوس نکلنے پر دہلی میں کسی نے بزدلانہ حملہ کیا تھا۔ اسکے متعلق رزولیوشن، اور شیعہ مردم شماری اور قیام انجمن عقد بیوگان اور افتتاح مدرسۃ الواعظین کے رزولیوشن جلسے میں پیش ہوئے۔ اب اس سال سے جدید تعلیم یافتہ حضرات میں کچھ بیداری پیدا ہونا شروع ہوئی اور شیعہ کانفرنس سے یہ حضرات دلچسپی لینے لگے۔

لختِ جگر

سنہ ۱۹۰۹ء کے اجلاس سوم "شیعہ کانفرنس" منعقدہ بمقام لکھنؤ سے نظم موسومہ "لختِ جگر"، کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جسمیں شیعہ کانفرنس کو دو سال کا بچّہ قرار دے کر تعلیم کیطرف قوم کو توجہ دلائی ہے اور انھیں نظموں کے سلسلہ مابعد میں سب سے پہلے شیعہ کالج کی صدا اُسوقت بلند کی گئی۔ جب اسکا کہیں ورچرچا نہ تھا۔

لکھنؤ، اے مطلعِ نورِ ہدایت لکھنؤ چاند کا ٹکڑا لئے ہے گود میں کیسا یہ تو
دوڑتا پھرتا ہے رگ رگ میں جو اسلامی لہو دو برس کی جان اور اعضا میں یہ جوشِ نمو
کون کرتا ہے نگاہِ مہر پرور دیکھئے
کسکے پاس آتا ہے یہ بچّہ ہمکر دیکھئے

ہوتی ہے بچپن میں شیرینی سے رغبت بیشتر پاگئے رمزِ طبیعت جب یہ اربابِ نظر
نفع کی اک چیز لاکر دی اسے یعنی شکر جو ہیں دیکھا اسکے ہونٹوں پہ تبسم کا اثر
آگیا جوش اہلِ ہمت کو خزانہ کھُل گیا
بات کہتے اک شکر کا کارخانہ کھل گیا[1]

سرپرستی کو جب اسکی عالمانِ دیں اُٹھیں، والیانِ ملک و سردارانِ باتمکیں اُٹھیں،[2]
گوشے گوشے سے سحر خیزانِ مہر آئیں اٹھیں، چھوڑ کر بیمارِ غم تک بستر و بالیں اٹھیں،
پھر نہ کیوں پیارا ہو یہ آنکھوں کا تارا قوم کی
راحتِ دل زندگانی کا سہارا قوم کی

---

[1] بتحریک خان بہادر سید محمد ہادی صاحب شیعہ شوگر فیکٹری کا افتتاح ہوا۔
[2] اس اجلاس میں راجہ سردار حسین خانصاحب مرحوم رئیس بھکوا مئو ضلع بارہ بنکی بھی شریک تھے۔

کس قیامت کا جوشیلا ہے یہ طفلِ خرد سال
گھٹنیوں چلنے کے دن ہیں لیکن اسکا ہے یہ حال
ہر طرف چلنے کو ہے تیار ہنگام سوال
ہاتھوں ہاتھ اسکو لئے پھرتے ہیں اربابِ کمال

کونسا دل ہے نہیں جسکی محبت جوش میں
آج اس آغوش میں ہے کل یہ اُس آغوش میں

سالِ آئندہ سنا جاتا ہے یہ حسبِ طلب
لکھنؤ کی گود سے جائیگا امروہے تک اب
پھر وہاں سے دیکھئے جائے کہاں خواہاں ہیں سب
گھوم پھر کر لکھنؤ آئے گا کیا معلوم کب

یہ خوش و خرّم رہے یارب جہاں جائے رہے
شاد روز و شب رہے یہ اب جہاں جائے رہے

قوم کی ادنےٰ توجہ اسطرف درکار ہے
وہ روش پیدا کرے دنیا کی جو رفتار ہے
اکتسابِ علم و فن سے خوبیِ کردار ہے
کھوئے اس نعمت کو کیوں یہ رہبرِ کیوں عار ہے

منزلت قوموں میں کچھ یہ قوم اُسدن پائے گی
دولتِ تعلیم جسدن عام[۳] کردی جائیگی

صنعت و حرفت میں کچھ پیدا کرے یہ دستگاہ
جب کہیں شاید پڑے شائستہ قوموں کی نگاہ
چاہتے ہیں ہم جو بننا مردِ میدانِ رفاہ
ٹھوکریں کھائیں نہ ان گلیوں میں جو ہیں سدِّ راہ

رہبری کے واسطے علم و عمل کو ساتھ لیں
دولتِ دنیا کا اپنے ہاتھ میں پھر ہاتھ لیں

---

۳ جبریہ تعلیم عام کا مسئلہ اس زمانہ میں پیش تھا۔

قوم کے افراد کو لازم ہے اسیر اتفاق　　دل کے گلشن میں نہ رہنے دیں کہیں خارِ نفاق
ربط میں بھی اعتدال اتنا کہ جو گذرے نہ شاق　　گرمجوشی سے نہ پیدا خون میں ہو احتراق
کمپنی قائم کریں یا انجمن قائم کریں
ہاں چلیں اُس رائے پر جو رائے زن قائم کریں

رہبر کامل کے ہاتھوں میں عنانِ قوم ہو　　روز افزوں مجمع دانشورانِ قوم ہو
یہ ہم آہنگی آپس درمیان قوم ہو　　جو زبان اک فرد کی ہو وہ زبان قوم ہو
تا ظہور صاحب الامر اسکو ہو نشو و نما
بارور اہلِ تشیع کا یہ نخلِ مدعا

قوم کا نور نظر یہ قوم کا چشم و چراغ　　جسکی صورت دیکھکر ہے قوم کا دل باغ باغ
خود قیافہ یہ بتاتا ہے کہ ہے روشن دماغ　　مغربی تعلیم سے بھی ہوگا جب حاصل فراغ
نیند سے غفلت کی ہم سب کو جگائے گا یہی
قوم کے دامن سے یہ دھبا چھڑائے گا یہی

ہے صفیؔ کی یہ دعا اے کردگار ذوالمنن　　ہو جواں جلدی سے بڑھکر یہ تو چرخ کہن
لکھنؤ مولد ہے اسکا لکھنؤ اس کا وطن　　اور سارا ہند اسکی سیر کو صحنِ چمن
پھول برسیں رُخ جدھر ہو جلوہ آرائے بہار
جائے یہ سروِ خراماں جسطرف آئے بہار

ع۴ مراد شیعہ کانفرنس۔

ع۵ شیعہ کانفرنس کی بنا لکھنؤ میں پڑی۔

لکھنؤ کا یہ جگر گوشہ یہ طفلِ شیر خوار
جسکی پیشانی پہ لکھا ہے "جو شیلا ہونہار"
اور ہو جائے ذرا اے قوم بڑھ کر ہوشیار
دیکھنا ہوتا ہے کیا رعنا جوانِ شاندار
شہرۂ آفاق ہوگا حسن تا سنِ تمیز
تو سہی جو صورتِ یوسف[1] ہو ہر دل عزیز

زالِ دنیا اپنی آنکھوں سے لگا ئیگی رکاب
میرے یوسف کی دعا اسوقت ہوگی مستجاب
پیکر دولت میں پیدا ہو گا رنگِ انقلاب
قوم دیکھے گی زلیخا کی طرح عودِ شباب
پھر جو چمکے گا ستارہ قوم کے اقبال کا
ہوگا خواہش کے موافق زائچہ ہر سال کا

آسمانِ سرزمینِ لکھنؤ کا یہ ہلال،
رفتہ رفتہ اکیدن پہونچے گا تا حدِ کمال
دیکھنا اُسوقت جذبِ پرتوِ نورِ جمال
قوم کو کھینچے گا سوئے اوجِ تہذیبِ خیال
قوم کروٹ لیگی طاقتور سمندر کی طرح
چمکے گا اِس بحر کا ہر قطرہ اختر کی طرح

سختیاں جھیلی ہیں تو نے جسکی خاطر لکھنؤ
مال کیا جسکے لئے ہے جان حاضر لکھنؤ
تجھ سے چھٹتا ہے وہ ننھا سا مسافر لکھنؤ
دیکھ لے حسرت کی نظروں سے ذرا پھر لکھنؤ
مُنھ سے پھر اکبار کہدے وقت رخصت[2] الوداع
الوداع اے یادگارِ ملک و ملت الوداع

---

[1] نواب یوسف حسین خاں صاحب بیرسٹر لکھنؤ شیعہ کانفرنس کے زبردست حامی ان دنوں تھے۔

[2] تین سال مسلسل لکھنؤ میں اجلاس شیعہ کانفرنس ہونے کے بعد جب اس سال کے اجلاس میں یہ اعلان ہوا کہ سال آئندہ شیعہ کانفرنس کا اجلاس امروہے میں ہوگا تو اس بند کے پڑھنے پر مجمع میں کہرام پڑ گیا اور لوگ بہت روئے۔

سنہ ۱۹۱۰ء

اجلاس چہارم آل انڈیا شیعہ کانفرنس بمقام امروہہ ضلع مُرادآباد

اس سال اجلاس شیعہ کانفرنس کے صدر جناب شمس العلماء مولانا سید ناصر حسین صاحب قبلہ مجتہد قرار پائے، اور سکریٹری بدستور مولوی علی غضنفر صاحب رہے، اس سال اجلاس کانفرنس ۱۰ لغایت ۱۲ اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء بمقام امروہہ منعقد ہوا، علاوہ اور حضرات کے شاہزادہ مرزا معظم بخت صاحب، پرنس مسعود قدر صاحب، سید قسمت علی صاحب رئیس جلالی، راجہ سردار حسین صاحب تعلقدار بھٹوامئو، اور حکیم عزیز حسن صاحب بدایونی، سید اولاد حسین صاحب پنشنر ڈپٹی کلکٹر نے کانفرنس سے خاص دلچسپی کا اظہار فرمایا، اس وقت شیعوں میں جو خاص خاص اخبار اور رسائل جاری تھے، اُن میں اخبار امامیہ لکھنؤ اخبار اثنا عشری دہلی، ادبی رسالہ معیار لکھنؤ اور المیزان تھے، ہندستان میں شیعوں کی خاص خاص قومی انجمنیں حسب ذیل تھیں:-

"انجمن رفاہ الاسلام الہ آباد، انجمن تعلیمیہ کوآتھ ضلع آرہ، انجمن امامیہ مچھلی بندر، انجمن مرتضوی امرتسر، انجمن امامیہ سوسائٹی بریلی، انجمن سجادیہ رائے بریلی، انجمن ناصریہ بجنور، انجمن محمدی مٹیا برج، انجمن امامیہ کلانور، انجمن حافظ اوقاف بنگالہ، انجمن حیدری سنبھل، انجمن امامیہ آگرہ، انجمن شیعۃ الصفا سونی پت" اس سال کے تعزیتی رزولیشنوں میں شاہنشاہ ایڈورڈ ہفتم، شاہزادہ مرزا سلیمان قدر بہادر رئیس لکھنؤ،

مرزا محمد عباس صاحب بانی مدرسۂ ناظمیہ کی وفات پر اظہار تاسف کیا گیا، اور خاص رزولیوشنوں میں امداد وقف خیریہ اور شیعہ یتیم خانہ کا رزولیوشن اور ترمیم دستور العمل اور صدارت کے مسئلے پر اجلاس کانفرنس میں بہت معرکۃ الآرا تقریریں ہوئیں، بالخصوص سر سید وزیر حسن صاحب وکیل (سابق چیف جج اودھ) کی معرکۃ الآرا تقریر جو اجلاس کانفرنس میں ہوئی وہ اس سال کی کانفرنس کے لیے ایک یادگار چیز اور اس سے ایک بڑا ہنگامہ اور جوش اجلاس میں پھیل گیا، اور جلسہ برخاست کر دیا گیا، اور یہ مسئلہ صدارت شیعہ کانفرنس جس میں یہ بحث درپیش تھی کہ شیعہ کانفرنس کا صدر ہمیشہ مجتہد ہوا کرے یا غیر مجتہد شیعہ رئیس تعلیم یافتہ بھی ہو سکتا ہے آئندہ سال کے لیے ملتوی کیا گیا۔

لخت جگر

نمبر (۲)

یہ نظم امروہے کے اجلاس ۱۹۱۰ء میں پڑھی گئی، اور اسکے پانچویں بند میں شیعہ کالج کھولنے کی تحریک کی گئی۔

تجکو امروہے مبارک ہو یہ جشن بے نظیر　　لکھنؤ کی گود کا پالا وہی طفل صغیر
ابتدا سے قوم ہے جس کی محبت میں اسیر　　آج ہے تیرے کنار عاطفت میں گوشہ گیر

چاند سے رخ پہ مگر گرد سفر چھائی ہوئی
اور طبیعت کچھ وطن چھٹنے سے گھبرائی ہوئی

آفریں امروہے تجھ سے یہ جو تنا ہل گیا　　ایک ہی دو روزہ کر کس طرح ہل مل گیا
گدگدایا جب کسی نے غنچۂ لب کھل گیا　　پاس جب اسکے گیا کوئی لیے اک دل گیا

واہ کیا کہنا ہے امروہے ترے اشفاق کا،
دل مجسم خیر ہے ہر مبتلا ہے تو اخلاق کا

آج ہے چشم و چراغ لکھنؤ مہماں ترا
ساقیِ گلگوں ایاغ لکھنؤ، مہماں ترا
جانفزا عطرِ دماغ لکھنؤ، مہماں ترا
تازہ سرو خانہ باغ لکھنؤ، مہماں ترا

ساتھ بہتر کون ہو سکتا ہے تیرے ساتھ سے
ڈال یہ چوتھی گرہ اپنے مبارک ہاتھ سے

میزبان قوم ہی خود جب ترا مہمان ہے
لکھنؤ کیا بلکہ ساری قوم پر احسان ہے
تیری عالی ہمتی کی بس یہی پہچان ہے
دید کے قابل ترا ہر ساز ہر سامان ہے

تجکو امروہے مبارک میزبانی قوم کی
سرپرستی قوم کی راحت رسانی قوم کی

سال آئندہ الٰہی اسکی بسم اللہ ہو!
سوے مکتب جا رہا ہو قوم بھر ہمراہ ہو
تربیت تعلیم اس بچے کی خاطر خواہ ہو
اک نمائش گاہِ عالم اسکی بازی گاہ ہو

شیعہ کالج ایک کھولا جائے اسکے نام سے
اسکے ہم قوم اور یہ دونوں پڑھیں آرام سے

قوم میں ہے، دیکھ امروہے کمی تعلیم کی
ہے ضرورت بالعموم افہام کی تفہیم کی،
فکر مکتب کیا ہے گویا فکر ہفت اقلیم کی
اور طلسمی لوح اک تختی الف بے جیم کی،

اسلیے اب کچھ نہ کچھ تجویز ہونا چاہیئے،
کالج، اسکول، اپنی کوئی چیز ہونا چاہیئے

٭ حامد علی خاں صاحب مرحوم بیرسٹر رئیس امروہہ کے عزیز اشفاق حسین خاں صاحب خدمات میں خاص دلچسپی لے رہے تھے۔

ایک قومی چاہیئے ہر قوم کو تعلیم گاہ ! ہے یہی شائستہ قوموں کی روش بے اشتباہ
کیوں نہیں کرتے ہم آخر اپنی حالت پر نگاہ کون سی شے ہے ترقی میں ہماری سدِّ راہ

مدرسے کے نام سے کیوں اتنا گھبراتے ہیں ہم
کسلیئے ہر قوم سے پیچھے رہے جاتے ہیں ہم

شرم اے قوم کچھ انجام بینی چاہیئے تربیت آئندہ نسلوں کی یقینی چاہیئے
فکرِ دُنیا چاہیئے کچھ فکرِ دینی چاہیئے یہ نہیں تجھ میں تو پھر عزلت گزینی چاہیئے

چاہیئے ہر وقت اپنی پیش بینی سے غرض
کام پر غیروں کے ہم کو نکتہ چینی سے غرض؟

قوم اس کمزوری ہمت پہ تو ہے کیوں مصر خود سنبھلنا چاہیئے ہر قوم کو سب ہیں مقر
دستگیروں[۹] کا سہارا ڈھونڈھنا یہ ہے مضر دوسرے ہاتھوں کی جب ہے دیکھنے والی تو پھر

بے نیازی اسقدر کب درخورِ احوال ہے
اپنا ذاتی گھر بنا کوئی، اگر کچھ مال ہے

اس سے یہ مطلب نہیں درخواست بٹوارے کی دے بھائیوں سے یا نہ مل یا اُنسے اپنا حق نہ لے
جس جگہ پر جس طرح شرکت ہے قائم رکھ اُسے احتیاطاً ہاں ٹھکانا ایک ذاتی بھی رہے

ایک کالج[۱۰] اور رکھے گی جو شیعہ پارٹی،
ہند میں اُس سے دوبالا ہو گی شان اسلام کی

---

۹ حضرت پیر دست گیر کے ماننے والوں کی طرف اشارہ ہے جن کا غالب عنصر علیگڈھ میں تھا۔

۱۰ مسلم کالج علیگڈھ میں شیعوں کی کچھ حق تلفیاں ہو رہی تھیں اور عام شورش مچی تھی جیسا کہ ایسے وقت کا تقاضا ہوتا ہے، شیعوں کے دلوں میں جا بجا یہ خیال پیدا ہو چلا تھا کہ شیعہ مسلمانوں کو الگ ایک کالج بنانا چاہیے۔

قوم[۱۱] کے لیڈر جو ہوں اُٹھیں گدائی کیلیئے
بھیک مانگیں قوم سے اُس کی بھلائی کیلیئے
جائیں قریے قریے قسمت آزمائی کے لیئے
تھیلیاں کھُل جائیں چندے کی ادائی کیلیئے
خندہ زن لب ہوں جب اپنے گھر پھریں قومی فقیر
موتیوں سے جھولیاں بھر کر پھریں قومی فقیر

دانہ دانہ کوئی، کوئی لیکے اک خرمن چلے
کالج اور دارالاقامہ کی عمارت بن چلے
منتظم اسکے ہوں جو جو قوم میں ہیں منچلے
گتھیاں ساری سلجھکر کام بے اُلجھن چلے
وہ بنے پیمانۂ اعلےٰ پر اک دارالعلوم
چار سو جسکی سواد ہند میں ہو جائے دھوم

ہاتھ میں جبتک رہے تم اس کام کے قابل نہو
کالج اپنا کھولنے پر قوم تو مائل نہ ہو
فکر سے تعلیم کی لیکن کبھی غافل نہو
اپنے سرمائے کی قلت سے شکستہ دل نہ ہو
دے وظائف[۱۲] جابجا اُس وقت تک طلاب کو
جنسے پہنچے قوم رکھ ملحوظ اُن آداب کو

لکھنؤ کی سرزمیں پر جلد ربّ ذوالمنن!
شیعہ کالج کی بنا ڈالیں عزیزانِ وطن
پڑھتے ہوں اطفال شیعہ انجمن در انجمن
دیکھ لیں ہم بھی صفی آنکھوں سے وہ رنگیں چمن
قوم کو کچھ فکر ہو، اپنے فروغ نام کی،
آرزو نکلے الٰہی اس دل ناکام کی،

---

[۱۱] اس بند کے لفظ لفظ چند سال بعد جب شیعہ کالج کی تحریک شروع ہوئی تو بطور پیشین گوئی ثابت ہوئے۔ [۱۲] وظائف فنڈ کی تحریک پیشتر ہوئی ہے جس کا نفاذ شیعہ کانفرنس کی جانب سے بعد کو بعنوان خاص ہوا۔

ہم کو امر دے ہے جو کہنا تھا وہ تجھسے کہہ چکے یہ سفارش تھی اُسی ننھے مسافر کیلئے
منزلوں آیا ہی جو اپنے وطن کو چھوڑ کے اسکی غربت کا خیال اے قوم لازم ہے تجھے
کچھ گرانمایہ تحائف وقتِ رخصت کیلئے
چاہیئے اس یادگارِ ملک و ملت کیلئے



سنہ ۱۹۱۱ء

اجلاس پنجم آل انڈیا شیعہ کانفرنس بمقام بنارس

یہ اجلاس ۱۰ لغایت ۱۲ اکتوبر سنہ ۱۹۱۱ء دریائے گنگا کے کنارے قدیم شاہی قلعے پر منعقد ہوا اسکے صدر مولانا سید محمد حسین صاحب مجتہد لکھنوی تھے اور سکریٹری بدستور سید علی غضنفر صاحب اور جوائنٹ سکریٹری سید محمد یوسف صاحب کاظمی تھے اس سال جدید و قدیم تعلیم یافتہ حضرات اچھی خاصی تعداد میں شریک جلسہ ہوے مولوی سید محمد ہارون صاحب غازیپوری۔ مولوی سید مرتضی صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ بھوپال۔ خان بہادر سید محمد مصطفے اسپشل مینجر نانپارہ۔ پرنس غلام محمد صاحب نواب سید محمد صاحب پریسیڈنٹ نیشنل کانگریس۔ مرزا شجاعت علی بیگ نصیر الممالک سفیر ایران جو صلا باشندہ بنارس ہیں خاص طور پر شرکت فرماے جلسہ ہوے اس سے پہلے سال بھر اخباروں میں برابر صدارت کی بحث اور موافق و مخالف مضامین شایع ہوتے رہے اور واقعۂ تعمیم و تخصیص کی اصطلاح سے اخبارات کے صفحات برابر لبریز رہے۔ اس سال کے جلسے میں مہاراجہ صاحب بنارس نے بھی شرکت فرمائی تھی۔ اس سال بیمہ فنڈ کے سکریٹری نواب مظفر علی خاں صاحب رئیس جانسٹھ تھے اس سال کی کانفرنس میں مولوی سید علی غضنفر صاحب سکریٹری شیعہ کانفرنس نے یہ شکایت کی کہ بعض مضامین خلاف شان علما شایع کیے گئے

معترضین نے تہذیب کو ترک کر کے بداخلاقی پر کمر باندھی ہے اور علمائے کرام کو جو کچھ دل میں آیا کہنا شروع کیا ہے سال بھر اخباروں میں مضامین نکلتے رہے یا تو اوّل سال کانفرنس تک ملک و قوم کی یہ فضا تھی کہ علما کی باتوں کو چاہے وہ کیسی ہی ہوں عوام الناس بلا عذر تسلیم کرتے تھے یا اب یہ وقت آگیا اور اتنے زمانے میں یہ فضا بدل گئی کہ نہ صرف اعتراض بلکہ سختی سے اعتراض ہونے لگے۔ تخصیص و تعمیم میں اختلاف کا اثر کانفرنس کی ہر جزو کل باتوں پر پڑنے لگا۔ کچھ لوگوں نے جلسے کر کے مرکزی کمیٹی سے مسئلہ صدارت طے کرانا چاہا۔ اور مایوس ہونے پر مضامین بازی شروع کی۔ شیعہ کانفرنس کی تاریخ میں یہ وہ دور تھا کہ مرکزی کمیٹی کی ممبری کے لیے بہت معمّر اور سنجیدہ حضرات ڈھونڈ ڈھونڈ کر رکھے جاتے تھے۔ غرض یہ کہ اس سال کے اجلاس میں بہت گرما گرم تقریریں دونوں جانب سے ہوئیں۔ خصوصاً سید وزیر حسن صاحب کی تقریر بہت زبردست ثابت ہوئی اور بالآخر باہمی طور پر یہ سمجھوتہ ہوا کہ شیعہ کانفرنس کے صدر ہمیشہ حضرات مجتہدین ہوا کریں اور حضرات مجتہدین لکھنؤ اگر چاہیں تو اپنے مشورے سے کسی غیر عالم کو بھی صدر مقرر فرما سکتے ہیں۔

اس سال کے تعزیتی رزولیوشنوں میں جناب مولانا سید کلب باقر صاحب مجتہد نواب نثار علی صاحب رئیس مونگیر۔ سید راحت حسین صاحب نیوتنوی وکیل، اور میر محبوب علی صاحب نظام دکن کی وفات کے رزولیوشن پیش ہوے۔

لختِ جگر

(نمبر ۳)

یہ نظم بنارس کے اجلاس پنجم شیعہ کانفرنس کے موقع پر ۱۹۱۱ء میں پڑھی گئی تھی اسمیں بنارس کے شہر و دریاے گنگا کا منظر اور صبح بنارس کا سماں دلچسپ عنوان سے دکھایا گیا ہے۔ اور اسکے اُنیسویں بند میں شیعہ کالج کھولنے کی تحریک کی گئی ہے۔

اے بنارس ہمسواد سُرمہ چشم بتاں
دیکھ! تیرا بتکدہ ہے کعبۂ ہندوستاں

خانہ باغِ دارالایاں کا وہی سروِ رواں
جا گے امروہے جو کچھ نظر[۱۳] آگیا تھا ناگہاں

آج تیری گود میں بیٹھا ہے لیکن مضمحل
پوچھ تو کیسا ہی اس معصوم کا ننھا سا دل

یہ دماغ و دل کی کمزوری، یہ اُسکا بچپنا
بیرُخی تیمارداروں کی غضب کا سامنا

پھر بھی اِس امید پر لائے ہیں جو لیے شفا
راس آجاے اِسے شاید بنارس کی ہوا

جلوۂ صبح بنارس ہے اگر مشہور۔ ہو
جب میں جانوں دل مرے بیمار کا مسرور ہو

---

۱۳ اجلاس امروہہ میں سر وزیر حسن صاحب نے تقریر فرمائی تھی کہ جلسۂ کانفرنس کی صدارت کے لئے تنہا حضرات علماء مخصوص نہ رہیں بلکہ اعلےٰ تعلیم یافتہ رؤسا بھی منتخب ہوا کریں، یہ بات عوام میں تخصیص اور تعمیم کی بحث سے مشہور ہو، اس بحث سے جدید و قدیم تعلیم یافتہ حضرات میں شکر رنجی پیدا ہو گئی تھی جسکے اثر سے کانفرنس پر اضمحلال چھا گیا تھا۔ یہ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

ہے لبِ[14] دریائے گنگا کی بہار آئی ہوئی   کوثر آشاموں کی ہر سو چھاؤنی چھائی ہوئی
ہر طبیعت حسن کے منظر پہ لہرائی ہوئی   لب پہ اک موجِ تبسم آنکھ شرمائی ہوئی

ڈوب کر کیونکر نکلتے ہیں ستارے[15] دیکھ لو
یہ تماشا آؤ گنگا کے کنارے دیکھ لو

رُوئے گنگا جسرِ کاشی خوشنما تعمیر ہے   خطِ قوسی[16] میں سرِ جدول یہی تحریر ہے
پل ہلالِ عیدِ گنگا صاف جوئے شیر ہے   یا بتوں کے ابروِ پیوستہ کی تصویر ہے

آسماں تھا فتنہ باری میں جو مشہورِ جہاں
سرزمینِ حسن نے کھینچی ہے غمزے کی کماں

ہے حصارِ عافیت کی پیشباں اس پل کی نیو   سینہ تانے یا ہو مستِ خوابِ راحت کوئی دیو
پیکرِ کاشی پہ ہے کیا خوشنما آڑا جنیو   ہے کہیں "ہر ہر" لبِ ساحل کہیں پر "شیو شیو"

سنیاسی[17] سانڈ رانڈیں گھاٹ پر کی سیڑھیاں
آفتِ جاں دشمنِ دیں ہیں یہی سب لامکاں

ہے ہلالی خط میں آبادی بنارس کی تمام   گھاٹ مندر سب لبِ دریا بجسنِ انتظام
ناؤ پر چڑھ کر انھیں دیکھو جو نامی ہیں مقام   ماہرویوں کا ملے گا ہر جگہ پر ازدحام

صدقے اتنی گلزمیں پر سو گلستاں کی بہار
آگ پانی میں لگاتی ہو چراغاں کی بہار

---

[14] دریائے گنگا کے کنارے پرانے قلعے کی زمین پر پنڈال کانفرنس اور مہمانوں کے قیام کے خیمے نصب کئے جانے کی طرف اشارہ ہے۔
[15] گنگا میں اشنان کرنے والے حسینوں کی طرف اشارہ ہے۔
[16] گنگا کے کنارے کی آبادی قوسی شکل میں دور سے نظر آتی ہے اور پل بھی قوسی معلوم ہوتا ہے۔
[17] مثل مشہور ہے۔ رانڈ، سانڈ، سیڑھی، سنیاسی ان سے بچے تو وجے کاشی۔ اسکی طرف اشارہ ہے۔

چشم بد دور اُف بنارس کیا ہی بانکا شہر ہے — ہر ادا مہوش حسینوں کی یہاں کے قہر ہے
غیرتِ کشمیر ہے یہ انتخابِ دہر ہے — ہر گلی کوچے میں جاری حسن کی اک نہر ہے
صاف ہیں شفاف ہیں کتنے یہاں کے بتکدے
رہتے ہیں ہر دم دلہن کیطرح پھولوں میں لدے

وہ دھوندلکا صبح کا وہ دور تک گنگا کا پاٹ — وہ کگاروں سے نمایاں جابجا پانی کی کاٹ
وہ پریزادوں کے جمگھٹ سے پرستاں راج گھاٹ — دل بہل جائے جو انساں کی طبیعت ہو اُچاٹ
اتریں پانی میں بجز دم روز کا معمول ہے
ہر حسیں نازک بدن گویا کنول کا پھول ہے

دیکھ لو آبِ رواں میں حسنِ دلکش کی بہار — صاف سینوں سے جوانی کی اُمنگیں آشکار
جال پھیلائے ہوئے ہے پانی پہ زلفِ تابدار — بال کا باندھا چلا آتا ہے جس میں خود شکار
جھوم کے اٹھی جہاں گھنگھور متوالی گھٹا
دیکھنا برسائے گی موتی یہی کالی گھٹا

حسن کا شیوہ اسی پردے میں ٹھنڈی گرمیاں — کوندتی ہیں ابر کے اندر ہی اندر بجلیاں
ضوفشاں سورج ہے لیکن ہٹ گیا بادل جہاں — خود کہے گی طاقتِ نظارہ دیکھ امتحاں
جامہ زیبی سے دو بالا شانِ محبوبی ہوئی
ساریاں قوسِ قزح کے رنگ میں ڈوبی ہوئی

زعفرانی ہے کسی ماتھے پہ ٹیکا صندلی — دل سے نازک تر لئے ہاتھوں میں اک گنگاجلی
لب پہ یوں موجِ تبسم جیسے کھلتی ہو کلی — دل جہاں پھسلا لبِ توبہ سے نکلا یا علی
جب لڑیں باہم نگاہیں کافرِ دیندار کی
کان میں آئی صدا ناقوسِ استغفار کی

ہے غدیر خم کے متوالوں کا گنگا پر جماؤ — محتسب کا زور جنبر کچھ نہ قاضی کا دباؤ
دشمن ہی کو تبرے کا ٹو نہر گنگا میں گراؤ — حشر تک آئے نہ ہوش اتنی پیو اتنی پلاؤ

جھومتے نکلو بنارس میں جو جھر بھی سیر کو
چھیڑ کر کلمہ پڑھاؤ ان بتانِ دیر کو

آج ہے گنگا کنارے ساقیا دورِ شراب — کثرت آرا سے ہے پیرِ مغاں[۱۸] کا انتخاب
آئے ہیں پرجوش تقریروں کے گھر گھر کر سحاب[۱۹] — دامنِ حضار پر برسائیں گے دُرِّ خوش آب

لطف جب ہے یوں نصابِ میکشی ترمیم ہو
گردشِ پیمانہ تخصیص میں تعمیم ہو

میرے ساقی تیری جے، اور پیرِ میخانہ کی جے — یہ طربخانہ ترا کاشی نہیں کاشاں ہے
حسبِ قومی جوش میں آئے پلا جلدی وہ مے — آئے ہیں ہم بادہ کش کتنی مسافت کر کے طے

گھاٹ ہی پر خوب پی کے رات بھر کر سوئینگے
رخت گرد آلود گنگا میں سویرے دھوئینگے

میکشوں کے ناخدا او ساقی دیر آشنا — پار کر بیڑا ہمارا کہکے یا مشکل کشا
جبکی بسم اللہ ایکے سال ہے نامِ خدا — کشتی مے پر ہوا کھانے وہ بچہ جائے گا

قوم نے اللہ آمین کر کے پالا ہے جسے
دم دعائیں کیں ہیں جب باہر نکالا ہے اسے

---

۱۸ انتخاب صدارت۔

۱۹ نواب سید محمد صاحب۔ سر وزیر حسن صاحب، نواب خیال وغیرہ سب اس جلسے میں آئے تھے اور سر وزیر حسن نے نہایت معرکۃ الآرا تقریر فرمائی تھی۔

رفتہ رفتہ بدر جب تک بن نہ جائے یہ ہلال　　فرض ہے اسکے سرپرستوں پر ہو اسکی دیکھ بھال
ضد ہو بیجا بھی تو رکھنا چاہیئے اتنا خیال　　کچھ خطا اسکی نہیں، ہے اقتضائے سن و سال

آشتی کے ساتھ سمجھانا بجھانا چاہیئے
ناز بھی اسکے بہر صورت اٹھانا چاہیئے

چاہنے والوں میں اسکے سوء ظن باہم دگر　　دے رہا ہے صاف طغیانِ محبت کی خبر
چاہیئے ہم کو نہ لیں اس بات کا کوئی اثر　　یکدلی سے کوششیں کرتے رہیں شام و سحر

منحصر ہے پانچ باتوں پر ترقی قوم کی
راستبازی، ہمت، استقلال، محنت، یکدلی

آپ سمجھیں اسکو ہمدردی یہ ہمدردی نہیں　　جوش وقتی تو بہت کچھ پھر کہیں کچھ بھی نہیں
قوم میں جو قدر کے قابل ہیں قدر انکی نہیں　　باہمی نا اتفاقی دیکھئے اب بھی نہیں

بند بند اسکے جو ہونچا کچھ خلل کھل جائینگے
ٹوٹ جائیگی جب اس سُستی کے بل کھل جائینگے

کہہ رہا ہے سال پیوستہ سے عہد خیر خواہ　　کھولئے پیمانۂ اعلےٰ پہ اک تعلیم گاہ
اسمیں اب پہلو تہی ہے سخت اخلاقی گناہ　　قلتِ تعلیم سے ہے قوم کی حالت تباہ

کھولئے اب لکھنؤ میں شیعہ کالج کھولئے
گوہر مقصود جتنے رولنا ہوں رولیئے

ساقیا ہاں جلسۂ مکتب نشینی آج ہے　　دے اک انگوری قلم پیر مغاں کا راج ہے
مدرسے جائیگا وہ جو قوم کا سرتاج ہے　　لا ابھی کوئی مرصع کار لوح عاج ہے؟

روشنائی سے نہ خالی رکھ قلمدان نور کا
جام جم میں پارلے کا جل چراغ طور کا

اہلِ ہمت آج اس تقریب میں اتنا تو دیں
شیعہ کالج کھول دینا سہل ہو جائے ہمیں
تھیلیوں میں دیکھکر چندہ ہمارے دل بڑھیں
یا علی کہتے ہوئے علمی بلندی پر چڑھیں

خشک شد عیسٰے ہو چکے اب نقد کچھ دلوائیے
ورنہ اس ٹیسو کو گنگا میں سرا کر جائیے

ڈیونٹی[۲۰] کالج ہمارا قفل ابجد قوم کا
کھل نہیں چکتا کسی صورت زمانہ ہو گیا
مجمع ارباب حلّ و عقد ہے مل کر ذرا
کھولئے مشکلکشا کے نام پر مشکل ہے کیا

گر نہ ہوں معلوم شاید میل ملّت کے رسوم
پوچھ لیجئے گُر بنارس[۲۱] سے کہ ہے دار العلوم

کیوں بنارس تجکو جوتش میں مہارت ہے بڑی
ہند میں کوئی نہیں تیرے برابر جوتشی
یہ گرہ سالانہ جسکی تیرے ہاتھوں سے پڑی
زائچہ کیسا ہے اس بچے کا بتلا تو سہی

دل میں رکھیں یا نہ رکھیں لکھنے پڑھنے کی امید
ہے کوئی اس طفل کے پروان چڑھنے کی امید؟

کچھ بتا کیوں ناموافق ہے زمانے کی ہوا
مضمحل یوماً فیوماً ہوتے جاتے ہیں قوٰی
روگ ہے آسیب ہے یہ کیا بلا ہے کیا بلا
جھاڑ[۲۲] پھونک آخر اثر اسپر کریگی یا دوا

آج کاشی تیرا ساری قوم پر احسان ہو
یہ جو ننھا سا مسافر تیرے گھر مہمان ہو

۲۰۔ پروفیسر ڈاکٹر مرزا محمد ہادی رسوا مرحوم نے اس سے پہلے کے جلسے میں علم الہیئت کی تعلیم کے لئے ڈیونٹی کالج کی تحریک کی تھی اسی طرف اشارہ ہے۔

۲۱۔ بنارس سنسکرت کا قدیم اور سب سے بڑا مرکز علمی تھا اور اب بھی بہت کچھ ہے خاصکر یہاں کے جوتشی عالموں کی دھوم ہے۔

۲۲۔ حضرات علماء کی دعا اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کی سعی عمل کی طرف اشارہ ہے۔

جی بچا شاید اگر یہ قوم کا لختِ جگر   کچھ پرانی کچھ نئی تعلیم کے زیرِ اثر
اور بارہ سال تک کرتا رہا یوں ہی سفر   دیکھئے گا پھر ذرا ہوتا ہے کیسا باخبر
پھونکدے گا روح تازہ مردہ تن میں قوم کے
پھر بہار آئیگی اس اجڑے چمن میں قوم کے

قوم یہ تمہید ہے تیرے ہی عزّ و جاہ کی   ہو مبارک آج یہ تقریب بسم اللہ کی
ہے یہی تعلیم کنجی دولتِ دلخواہ کی   پیروی کر پیروی مردانِ حق آگاہ کی
ہمّت استقلال ان باتوں میں پیدا نام کر
اتفاق باہمی کے ساتھ کر جو کام کر

ایک نفسِ مطمئن نے دیکھ تنہا کیا کیا   کربلا میں کس طرح اسلام کو زندہ کیا
جان دیدی وعدہ طفلی مگر ایفا کیا   جو رہے گا تا قیامت نام وہ پیدا کیا
جان ہم شیعوں کی صدقے اس تنِ مجروح پر
اس مشبک پیرہن پہ اس مقدس روح پر

لے سبق اے قوم اسی سے صبر و استقلال کا   اب چھڑا دامن سے دھبا زشتیِ اعمال کا
مجلس شوریٰ ہے بازیچہ نہیں اطفال کا   جلوہ دکھلادے پھر اپنے نیرِ اقبال کا
پھینکدے چن چن کے راہِ سعی سے خارِ نفاق
اتفاق الاتفاق الاتفاق

جذبۂ الفت سے وہ مجموعہ یہاں تیار ہے   جسکا شیرازہ ولائے حیدرِ کرّار ہے
ملکے کوئی کام کرنا کب کٹھن دشوار ہے   جب پکارے یا علی اک پل میں بیڑا پار ہے
کہہ چکے ہمکو جو کہنا تھا زیادہ کیا کہیں
میل ہو جائیں تو ہر قطرے کو ہم دریا کہیں

دور نحبچ ہے بلادے ساقیا اک جام اور　　آخری میری سفارش ہو یہ تیرے نام اور
تیرے سرمستوں کو باقی ہو ابھی کچھ کام اور　　کام ایسا جو بڑھائے شوکت اسلام اور

مرقد پر نور شیخ العارفیں پر جائینگے
فاتحہ پڑھنے یہ سب قبر حزیں[۲۳] پر جائینگے

پھول تربت پر چڑھانا ہو جسے مدِ نظر　　لے صفی سے مول یہ گلدستۂ لختِ جگر
دیکھیے گا ان گلوں میں تازگی ہو کس قدر　　پھوٹ نکلا دامنِ امید سے رنگ آ تر

اسکی قیمت اک نگاہِ التفاتِ قوم ہے
اور وہ بھی وقفِ اسبابِ حیاتِ قوم ہے

۲۳؎ بنارس میں بمقام فاطمان ملا علی حزیں ایرانی درویش۔ عالم۔ شاعر کے مزار کی طرف اشارہ ہے مشہور ہے کہ دھانی اور رمضانی ان کے دو ملازم تھے جو حقیقتاً سوکل بشکل انسان تھے۔

سنہ ۱۹۱۲ء

اجلاس ششم شیعہ کانفرنس بمقام پٹنہ

یہ اجلاس ۱۸ لغایت ۲۰ اکتوبر سنہ ۱۹۱۲ء زیر صدارت نواب حامد علیخاں صاحب والی ریاست رامپور منعقد ہوا، اسوقت تک سکریٹری سید علی غضنفر ہی رہے، اس سال کی کانفرنس سے پہلے شیعی دنیا میں عجیب و غریب دردناک واقعات پیش آئے روسیوں نے مسجد گوہر شاد اور امام رضاؑ کے روضے پر مشہد مقدس میں سخت گولہ باری کی، مشہد، رشت، تبریز، طرابلس وغیرہ میں علما پر سخت مظالم کئے گئے، بالخصوص عاشور کے دن ثقۃ الاسلام کے قتل کا واقعہ سخت دردانگیز واقعہ ہے، ہندوستان میں شیعوں کو علیگڈھ مسلم کالج کے خلاف اپنی حق تلفیوں کی بہت کچھ شکایتیں پیدا ہوئیں، اور ان کو ایک پمفلٹ کی صورت میں شیعہ کانفرنس نے شایع کرایا، اس سال دارالترجمہ کا کام پروفیسر مرزا محمد ہادی صاحب سکریٹری اور شیخ مہدی حسین صاحب ناصری اسسٹنٹ سکریٹری کے سپرد تھا۔

کارلایل کی مشہور کتاب ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ کے ایک جزو کا ترجمہ سرور انبیا کے نام سے ناصری مرحوم نے اسی سال شایع کیا، اس سال کے تعزیتی رزولیوشنوں میں جناب آخوند آقا شیخ محمد کاظم صاحب نجفی اعلی اللہ مقامہ

اور سید شریف الحسن صاحب بے ٹیں جگراؤں ضلع لودھیانہ کی وفات کے رزولیوشن قابل ذکر ہیں۔

نخب جگر

نمبر (۴)

یہ نظم سنہ ۱۹۱۲ء کے اجلاس ششم شیعہ کانفرنس کے موقع پر پٹنہ عظیم آباد میں پڑھی گئی، اس میں بھی کالج کھولنے کی طرف قوم کو توجہ دلائی گئی ہے۔

اے عظیم آباد اے سر منزل اہل شعور — تیرے پھولوں[۲۴] کی مہک پھیلی ہوئی ہے دور دور
تیری آبادی مسلسل حلقۂ زلف حور — ہے سواد شہر میں کیفیت دار السرور
کیوں نہ تڑپیں اہل دل سن سن کے افسانہ ترا
ہند میں مشہور ہے علمی کتب خانہ[۲۵] ترا،
قوم کے ہمدرد مشہد[۲۶] کے ۱۰۶ ادارے ہیں — نالہ کش، زنجیر الفت کے گرفتار آئے ہیں
دست بستہ، پاشکستہ، ہستی فگار آئے ہیں — زندگی سے یاس ہے جنکو وہ بیمار آئے ہیں
کیجیے ملکر دوا، درد دل ناشاد کی
اشکباری کر چکے مسجد پہ گوہر شاد[۲۷] کی

---

۲۴ پھولوں سے مراد مولانا امداد امام، سر علی امام، حسن امام، شاد، خیال مرحوم۔

۲۵ حاجی خدابخش کی لائبریری۔

۲۶ روضۂ مشہد پر روس نے گولہ باری کی تھی۔

۲۷ مسجد گوہر شاد مشہد میں امام رضا کے روضے کے پاس ہے۔

بہہ گئیں تبریز و مشہد[۲۸] میں لہو کی ندیاں ، لیکن اس پر بھی وہی ہم ہیں وہی خوابِ گراں
یہ مظالم روسیوں کے آہ یہ مجبوریاں اپنی ہی نااتفاقی کا ثمر ہے بے گماں

زور ہی کیا تھا جفائے باغباں دیکھا کیے
آشیاں اجڑا کیا ہم ناتواں دیکھا کیے

ہند میں رہ کر جو ایراں کو بچا سکتے نہیں سرکشانِ ملک و ملت کو دبا سکتے نہیں
شیوۂ اخلاص و ہمدردی سکھا سکتے نہیں ایک مرکز پر خیالِ قوم لا سکتے نہیں

کچھ نہیں للہ ترکِ خود پسندی کیجیے
ہند ہی کے شیعوں کی شیرازہ بندی کیجیے

عقل کی چالوں سے بیگانے ہیں بیگانے سہی اپنی ہی شمعِ مزارِ دل کے پروانے سہی !
خیر دل خوش کن ہمارے غم کے افسانے سہی تم سمجھتے ہو کہ دیوانے ہیں دیوانے سہی !

اپنی دھن میں ہیں کسی کے کام سے کیا کام ہے
جبتک ان پیروں کو چکر ہے ہمیں آرام ہے

حسرتیں لاکھوں لیے اپنے دلِ ناشاد میں آئے ہیں پھرتے ہوئے شہرِ عظیم آباد میں
یاد میں ساقی کی ہم ساقی ہماری یاد میں اہتمامِ خاص ہے ہر سو مبارکباد میں

اب ہمارے میکدے کا رنگ ہی کچھ اور ہے
جامِ کوثر کے شرابی ہیں چھٹا یہ دور ہے

ہاں غدیرِ خم کے متوالوں کی محفل دیکھنا کھینچ لایا ہے کہاں تک جذبۂ دل دیکھنا
شمعِ محفل[۲۹] ہر کوئی فخرِ اماثل دیکھنا ان ستاروں میں ضیائے ماہِ کامل دیکھنا

۲۸؎ تبریز میں عاشور کے دن روسیوں نے علماء کو پھانسی دی تھی اور بچوں کو قتل کیا تھا ،
۲۹؎ نواب حامد علی خاں صاحب مرحوم والی رامپور صدر تھے۔

ساقیا اک نور کی محفل ہی میخانہ ترا

ہی چراغ طور کا پروانہ، پروانہ ترا

ساقیا! کیوں یاد تو ہوگا وہ طفلِ گلعذار لکھنؤ کی گود کا پالا جو شیلا، ہونہار

اب یہاں آیا ہے طے کرتا ہوا دشت و دیار ماتم مشہد میں گریاں صورت ابر بہار

کاسکوں کے پاؤں سے روندے گئے جو نونہال

یہ اُنھیں کے غم میں ہی اس وقت تک آشفتہ حال

قوم کے دل پر اثر تھا اس غم جانکاہ کا، اسلیئے قومی کوئی کالج نہ ابتک کھل سکا

ورنہ ہی اسکی ضرورت شیعوں کو حد سے سوا مثل دیوانوں کے میں بر سوں سے ہوتی بکر ہا

کوئی سنتا ہی نہیں افسوس افسانہ مرا!

نذر طوفاں ہوا ہے شور مستانہ مرا!

اے جواں مردانِ ملت اے ہی خواہانِ قوم جانگزا ہے درد، ملکر کیجیے درمانِ قوم

چاہتے ہیں آپ اگر گھٹنے نہ پائے شانِ قوم دیجیے تعلیم اسے تعلیم ہی ہے جانِ قوم

جلد سامانِ حیاتِ جاودانی کیجیے

تازہ رس پھولوں کی اپنے باغبانی کیجیے

آپکے فرقے میں ہی افراد کا سب کی کمی پستی اخلاق کے پتلے ہیں لاکھوں آدمی

ہی شعار تمکنت جن کا لباس ماتمی،[۳۰] زلف کے مانند جمعیت میں شان برہمی

پیشے کار آمد جو ہوں اُن میں انھیں لگوائیے

ناخن تدبیر سے سب گتھیاں سلجھائیے

۳۰؎ ماتمی انجمنوں کے ارکان کیطرف اشارہ ہی جنمیں اکثر بیکار اور بیروزگار ہیں اور تن تن کر ماتم کرتے ہیں۔

متفق ہو کر بہم کیجئے کچھ ایسا انتظام — مستقل ہو جائے قائم جس سے اک قومی نظام
چشمۂ تعلیم سے سیراب ہو ہر تشنہ کام، — خوبیاں اخلاق کی پیدا ہوں تدریجاً تمام
ایک ہی مرکز رہے ہر شخص کے پیشِ نظر
یعنی اپنے قوتِ بازو سے کسبِ مال و زر

ایک کام اپنے لئے ہر فرد کرے انتخاب — کوئی حرفت سے، تجارت سے کوئی ہو بہرہ یاب
وقت کی قیمت کو پہچانے نگاہِ شیخ و شاب — نفس کے ایثار و استیثار کا سمجھے حساب
جب کہیں یہ قوم معراجِ ترقی پائے گی
ورنہ اب بے ہیجان اکدن فنا ہو جائے گی

اک ذرا اقوام کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے — قوتِ تنقید کی عینک لگا کر، دیکھئے
نقش دھندلے ہوں تو ہاں نظریں جما کر دیکھئے — واقعاتِ حال و ماضی سب ملا کر دیکھئے
آنے والے واقعے روشن نظر آئیں گے خود
دل کے آئینے میں عکس انکے اتر آئینگے خود

شیعہ کالج قفلِ ابجد ہی بتا دو یا نہیں — کھولتے ہیں سب کسی کے نام پر کھلتا نہیں
اس تغافل کا نتیجہ دیکھنا اچھا نہیں — ہم سے مطلب اہلِ دولت کو اگر پروا نہیں
ہاتھ میں اے قوم لے اس ناتواں بچے کا ہاتھ
ہر جگہ کب تک صفی پھرتا رہے گا ساتھ ساتھ

سنہ ۱۹۱۳ء

اجلاس ہفتم شیعہ کانفرنس بمقام جونپور

اس سال سب سے پہلے ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ انگریزی داں نواب سید محمد صاحب رئیس مدراس شیعہ کانفرنس کے صدر ہوئے، جو اس سے پہلے آل انڈیا نیشنل کانگریس کے صدر ہو چکے تھے، اس وجہ سے تمام ملک کی تعلیم یافتہ جماعت کی نظروں میں شیعہ کانفرنس کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی، یہ جلسہ جون پور کے پرانے شاہی قلعے کے اندر منعقد ہوا تھا اور قرب و جوار کے مومنین بکثرت شریک ہوئے تھے، مولوی علی غضنفر صاحب سکریٹری شیعہ کانفرنس تھے لیکن انھوں نے کام چھوڑ دیا تھا۔ اور نواب سید ذکی علی خاں صاحب ہاتف جوائنٹ سکریٹری اُن کے بجائے کام کرتے رہے۔

۶ لغایت ۸ اکتوبر ۱۳ء کانفرنس کے جلسے ہوئے، اسی سال ایک کرایے کے مکان میں شیعہ بورڈنگ ہاؤس کھولا گیا، اور ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ کو مولانا سید آقا حسن صاحب مجتہد کے ہاتھ سے شیعہ یتیمخانے کا افتتاح کرایا گیا اور جا بجا شیعہ کانفرنس کے ماتحت شیعہ انجمنیں کھولی گئیں، اسی سال مدارس بنگال سے مولوی شبلی کی تصانیف، المامون اور الفاروق کا اخراج شیعہ کانفرنس کے احتجاج پر ہوا، علیگڈھ کالج میں بنائے مجلس عزا کی ممانعت اسی سال ہوئی، اور علیگڈھ کالج کے سکریٹری سے شیعوں کے مطالبات و

نکایات کے متعلق اس سال مسلسل مراسلت رہی، وقف منصبیہ میرٹھ کی نالش اسی سال دائر ہوئی، اور دہلی میں وائسرائے پر گولا اسی سال پھینکا گیا، تعزیتی رزولیوشنوں میں آقا عبداللہ صاحب مجتہد نجف، اور آقا سید محمد صاحب طباطبائی اعلی اللہ مقامہ کی وفات پر اظہار افسوس کیا گیا، شیعہ سکول کھولنے کی تجویز سب سے پہلے اسی سال رزولیوشن کی صورت میں پیش ہوئی، اور تعلیم یافتہ گروہ میں بیداری کے آثار پیدا ہونا شروع ہوئے۔

تجب گر
نمبر ۵

یہ نظم سنہ ۱۳ء کے اجلاس شیعہ کانفرنس منعقدہ بمقام جون پور میں پڑھی گئی، اس نظم کے پڑھے جانے کے بعد اسی سال شیعہ کالج کا رزولیوشن بھی پاس ہوا، اس میں شیعہ کالج کھولنے کی تحریک کی گئی ہے۔

جون پور اے مولد سلطان عادل شیرشاہ[31]
تیرے آثار قدیمہ تیری عظمت پہ گواہ

کہہ رہا ہے قلعہ شاہی[32] یہ با حال تباہ
مدتوں تک ہند کی ہم بھی[33] رہے ہیں تخت گاہ

ایک غافل قوم کی کھوئی ہوئی عظمت ہیں ہم
ہم سے عبرت کا سبق لو منظر عبرت ہیں ہم

---

۳۱ شیرشاہ کی ولادت بعض تاریخوں کی رو سے جون پور اور بعض میں سہسرام ہے۔

۳۲ جون پور کے قلعہ شاہی کے اندر شیعہ کانفرنس کا جلسہ ہوا تھا۔

۳۳ عرصہ تک سلاطین شرقیہ کا جون پور دارالسلطنت تھا۔

جون پور اے باب علم و فضل کے دار السرور[34] — کہتے تھے شیراز ہند اکثر تجھے اہل شعور
تجھ میں تھے شاہان شرقی کے عمارات و قصور — خود تری تاریخ آبادی ہے شہر جونپور ۷۷۲ھ

اب کہاں وہ بام و در سب ہو گئے زیر و زبر
نام تک میں ہے ترے ننگ تغیر کا اثر[35]

اے محمد شاہ جوناں کی مکمل یادگار — کیا ہوئے وہ پھول جن سے اس چمن کی تھی بہار[36]
آہ وہ تیرے مشاہیر انتخاب روزگار — تیری بستی جن کے غم میں آج تک ہے سوگوار

چل بسے یوں مدفنوں کا بھی نشاں ملتا نہیں
ایک یوسف اک کارواں کا کارواں ملتا نہیں

اے زمین قلعہ وہ تیری سپاہیں کیا ہوئیں — افسران پر جگر کی وہ نگاہیں کیا ہوئیں
شہر میں مشہور تھیں جو درگاہیں کیا ہوئیں — وہ مشائخ کیا ہوئے وہ خانقاہیں کیا ہوئیں[37]

سنتے آئی معمولے ہیں جو صاحب تاج و نگیں
شمع تک انکی لحد پر اب کبھی جلتی نہیں

---

۳۴ جون پور میں مشہور ہے کہ سات سو علما کی پالکیاں جمعہ کے دن جامع مسجد میں آتی تھیں، اور یہاں بہت بڑی بڑی کئی درگاہیں تھیں اور یہ شیراز ہند کہا جاتا تھا۔

۳۵۔ محمد شاہ جوناں نے اپنے نام سے اسکو آباد کر کے جوناپور اس کا نام رکھا تھا۔

۳۶ پھول سے مراد اہل کمال۔

۳۷ جون پور خاص اور اسکے قرب و جوار ظفر آباد وغیرہ میں بہت سی خانقاہیں تھیں، انھی میں خانقاہ رشیدیہ اب بھی موجود ہے۔

سوتے ہیں کنجِ لحد میں پاؤں پھیلائے ہوئے　　کوئی تو کہدے زیارت کو ہیں لوگ آئے ہوئے
قلعہ میں مہماں پڑے ہیں چھاؤنی چھائے ہوئے　　چپہ چپہ دیکھتے پھرتے ہیں گھبرائے ہوئے
رو کے کہتے ہیں کہ اے خلوت نشینو! السّلام
السّلام اے قبر کے عزلت گزینو السّلام

وہ شمالی حصے[۳۸] میں اک پر فضا بارہ دری　　خوشنما فیروز شہ کے وقت کی صنعت گری
دیتی ہے رو کار سے یوں داد معنیٰ گستری　　میں نے دیکھے ہیں بہت سے دورِ چرخِ چنبری
دھس[۳۹] بتاتا ہے کہ چوٹوں سے بدن شق ہے
قلعہ کہتا ہے کنواں دل کا مرے ناسور ہے

قلعۂ سنگیں بنا دکھلا رہا ہے شانِ طور　　ہر جگہ سے قدرتِ حق کے کرشموں کا ظہور
جب نگاہِ شوق کر جاتی ہے خندق سے عبور　　بہہ رہی ہے گومتی دکھن کی جانب تھوڑی دور
آجتک جب اک ذرا چڑھتا ہے آبِ گومتی
قلعے کے پابوس کو بڑھتا ہے آبِ گومتی

یہ حصارِ کہنہ مشہورِ زمانہ تھا کبھی　　ان خرابوں میں جلالت کا خزانہ تھا کبھی
ہر نشیمن میں ہما کا آشیانہ تھا کبھی　　دادگاہِ خلق اسکا آستانہ تھا کبھی
معدلت کے شغلوں سے کب یہ خالی اب بھی ہے
صدر دروازے[۴۰] پہ دیکھو کوتوالی اب بھی ہے

---

۳۸ ویران قلعے میں اجتک ایک بارہ دری فیروز تغلق بادشاہ کے وقت کی باقی ہے۔

۳۹ قلعے کے اطراف میں دھس باقی ہے اور قلعے کے اندر کا کنواں بھی اب تک موجود ہے۔

۴۰ جس زمانے میں اجلاس شیعہ کانفرنس اس قلعے میں ہوا ہے اسوقت قلعے کے ایک حصہ میں جو پھاٹک سے ملحق ہے شہر کی کوتوالی اور اس کا دفتر تھا۔

اندرونِ قلعہ باقی جسقدر آثار ہیں — واقعاتِ ماضیہ کے محرمِ اسرار ہیں

وہ جو ٹیلے جا بجا[41] ہموار و ناہموار ہیں — عبرت آموز، زبانِ اولی الابصار ہیں

وہ زمیں اسوقت بنتی ہے یہ چرخِ کہن

ہے جہاں پنڈال ہیں شیعوں کی قومی انجمن

آ رہی ہے ذرّے ذرّے سے یہ جاں پرور صدا — ایک حالت پر نہیں چلتی زمانے کی ہوا

آنے والو! منزلِ دنیائے فانی ہے سرا — گر بقا تم چاہتے ہو قوم کی چاہو بقا

منہدم تمکو نظر آتے ہیں جتنے بام و در

ہیں سب اپنے خواجگانِ ماسبق پر نوحہ گر

ہیں مکاں ویراں سپرِ خاک سب انکے مکیں — جانورِ صحرا کے[42] شب کو گھر کیے رہتے ہیں وہیں

اور چلاتے ہیں یہ کہہ کر باآوازِ حزیں — رونے والا ان مزاروں پر کوئی باقی نہیں

صبحدم مرغانِ وحشی دیکھکر جوشِ سکوت

مسجدوں[43] میں پڑھتے ہیں سبحان حی لا یموت

وہ ہیں کے پھول تھے[44] انکا یہی تھا خانہ باغ — سمجھے جاتے تھے جو ملکِ ہند میں روشن دماغ

قدرداں بھی پاتے تھے ویسے ہی حاصل تھا فراغ — ان چراغوں سے جلا کرتے تھے اور اکثر چراغ

---

۴۱ قلعے کی عمارتیں جا بجا گر گئیں اور اینٹوں اور خاک انبار سے ٹیلے بن گئے۔

۴۲ قلعے کے اندر ویران مکانوں میں رات کو شغال اور بھیڑیے رہتے اور چلاتے رہتے ہیں۔

۴۳ قلعے کے اندر دو مسجدیں ابھی باقی ہیں۔

۴۴ پھول سے مراد کاملین علما، جون پور کے دار العلوم میں کابل اور دلی تک کے لوگ پڑھنے کو آتے تھے۔

کیا ہوئے وہ صوفیان صاف طینت کیا ہوئے
کیا ہوئے وہ خازنان[۴۵] علم و حکمت کیا ہوئے

پر اثر خوش خلقیوں کا ہی تھیں کی ہمنشیں — عطر ایسا پھول ایسے جو نہیں ہوتے کہیں
سیکڑوں ہی دفن اس خطے میں ہیں زیر زمیں — خندہ روئے دل شگفتہ نازک اندام و حسیں

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں تھیں جو پنہاں ہو گئیں

جونپور اے مہد گاہ مجمع اہل کمال — درج نظم مختصر کیا ہو مفصل[۴۶] تیرا حال
سیکڑوں ہی تجھمیں تھے ارباب حال اصحاب قال — فی الحقیقت اک زوال قوم تھا تیرا زوال

تیری نورانی شعاعیں کس جگہ پہونچی نہیں
آسمان آفتاب علم تھی تیری زمیں

وہ ترا پل یادگار منعمان[۴۷] ماسبق — دے رہا ہے ہمکو استقلال کا اب تک سبق
شہر کی ہستی کا سیلابوں نے کو الٹا ورق — اسنے دکھلائی مگر شان ثبات راہ حق

ع۴۵ مصنف شمس بازغہ کا جون پور میں مزار ہے، ملا عسکری وہ جید شیعہ عالم جون پور میں تھے جن کی شہرت سنکر مولانا میر دلدار علی صاحب مجتہد غفراں مآب اُن سے پڑھنے جون پور آئے تھے۔

ع۴۶ جون پور کے کاملین کے حالات کے لئے تذکرہ جون پور، جون پور نامہ، داستان جون پور، مرتبہ سید علی ضامن صاحب بی اے ترمذی ملاحظہ ہو۔

ع۴۷ جون پور میں گومتی کا پل خان خانان منعم خاں نے تعمیر کرایا تھا، جو نہایت مضبوط ہے، کئی بار گومتی میں سیلاب آیا اور پل زیر آب رہا، مگر اسکے استحکام پر اثر نہ پڑا۔

نقش عہد اکبر غازی ہے یہ جبر قدیم

کیوں نہ سمجھیں اہل دل اسکو صراط مستقیم[۴۸]

جون پور[۴۹] اے شاہ پہلو نشین گومتی ... خوب ہی تو نے چنی ہے آستین گومتی

لکھنو کے بعد او نقش نگین گومتی ... پڑتی ہے تجھ پر نگاہ دور بین گومتی

کیوں محبت کو تری سمجھیں نہ فرض منصبی

ہمکو تیرے ساتھ ہے ایک دعوی ہم مشربی

منتخب دو سبزہ زاروں میں رواں اک آبجو ... بادہ کش دو ایک کاسے میں زلال آرزو

ایک شفاف آئینہ دو مہوشوں کے روبرو ... دیکھئے نقشہ تو شہر جون پور و لکھنؤ

ایک دریا پر بسے ہیں شان ساحل ایک ہے

دل بظاہر ہیں جدا لیکن رگ دل ایک ہے

اتحاد باہمی کا اقتضا تھا ہے مگر ... سینچ لے سے بھی لکھنو کا ہے جو نخل بے ثمر

پاس اس کمسن مسافر کے نہ تھا زاد سفر ... ورنہ کیوں شہر عظیم آباد سے آتا ادھر[۵۰]

اب ضد[۵۱] کم ہو چلیں ہیں خم سر تسلیم ہے

یہ صغیر ہفت سالہ قابل تعلیم ہے

عہ ۴۸ لفظ ہذا کے اعداد کو اگر صراط مستقیم سے نکالدیں تو پل کی بنا کا سال معلوم ہوتا ہے۔

عہ ۴۹ لکھنو اور جون پور دونوں گومتی کے کنارے آباد ہیں اور دونوں میں شیعہ کثرت سے آباد ہیں لکھنو کے بعد اب بلحاظ مرکزیت جون پور کے شیعوں پر نظر پڑتی ہے۔

عہ ۵۰ پٹنہ عظیم آباد کے بعد جون پور میں اجلاس شیعہ کانفرنس منعقد ہوا اس طرف اشارہ ہے۔

عہ ۵۱ بچوں میں ضد اور ہٹ بہت ہوتی ہے، چنانچہ ضد کی قسم ایک بالک ہٹ مشہور ہے اس سے پہلے اجلاس شیعہ کانفرنس کی صدارت کیلئے تعمیم و تخصیص کے نام سے جو نزاع مشہور ہے یہ اسی ضد کیطرف اشارہ ہے

تجھ سے ہے امید ہمدردی سبھی کو بالعموم — رہ چکا ہے مدتوں تو ہند کا دار العلوم [52]
مثل شمس [53] بازغہ تھے ضو فشاں تیرے نجوم — قاضیوں کی مفتیوں [54] کی تیرے دنیا بھر میں دھوم

اب نہ اس معصوم کی تعلیم میں "تاخیر کر"
شیعہ کالج کھل سکے ایسی کوئی تدبیر کر

خیر ان کا ذکر ہی کیا جو کسی قابل نہیں — قوم میں ہیں سیکڑوں زردار لیکن دل نہیں
فکر ان باتوں کی ہے جن کا کوئی حاصل نہیں — حیف کالج کھولنے پر ایک بھی مائل نہیں

قوم شیعہ کی ترقی ہے اگر مد نظر
چاہیے کامل توجہ کالج اور اوقاف پر

کھولئے تعلیم کے ابواب اگر مسدود ہیں — ورنہ یہ سالانہ جلسے زحمت بے سود ہیں
دیکھئے اوقاف جتنے آپ کے موجود ہیں — وہ خراب دست برد احمد و محمود ہیں

آپ انھیں کیوں چھوڑے بیٹھے ہیں ذرا فرمائیے
اپنے قبضہ کر کے قومی درسگہ کھلوائیے

ایسی حالت میں کہ جب قائم نہو کوئی نظام — بے محل ہے چھیڑنا اک وقت میں دو چار کام
زور گھٹ جائیگا جب قوت میں ہوگا انقسام — کام اٹھاؤ ایک اور اسکو نہ چھوڑو ناتمام

---

۵۲ جونپور میں مدتوں شیعہ سلاطین شرقی حکمراں تھے جن کے عہد میں علم و کمال کا یہاں بہت چرچا تھا۔

۵۳ شمس بازغہ عربی درسیات کی بہت مشہور کتاب ہے، جو منتہی طلبہ پڑھتے ہیں۔ اس کے مصنف کا مزار جونپور میں مسجد اٹالہ کے قریب ہے۔

۵۴ جونپور میں بڑے جید علما تھے جو عہد شاہی میں فتائے دیتے تھے اور عہدۂ قاضی پر مامور تھے ایک محلہ ابتک جونپور میں مفتی محلہ کے نام سے مشہور ہے جہیں کئی سو سال کی قبریں علما کی اب بھی موجود ہیں۔

صرف دس کاموں میں ہو کیوں قوم کا پیسہ فضول
ایک محور ہو خیالوں کا یہ ہے زرّیں اصول

مجلسِ شوریٰ[۵۵] وہی جس پر کہ ہم کو ناز ہے
بے کیے بنتا نہیں بگڑا ہوا اک ساز ہے
چھیڑیے جو تار اُسکی مختلف آواز ہے
دیکھیے انجام کیا ہو جس کا یہ آغاز ہے
کچھ نہیں کرتی اگر سالانہ قومی انجمن
پھر تو ہے بازیچۂ طفلانہ قومی انجمن

مجملاً بیداد مغزی کا ہمارے سنیے حال
پاس کرنا چند تجویزوں کا بعد از قیل و قال
پھر نہ کرنا ایک کی تعمیل تا پایانِ سال
پڑھکے سالانہ رپورٹ آتا ہے دلمیں یہ خیال
"نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا"
"کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا"

عذر لیکن کار پردازوں کا بھی بیجا نہیں
درج ہے فہرست میں چندہ مگر ملتا نہیں
شرم شرم اے قوم یہ طرزِ عمل اچھا نہیں
جوشِ وقتی ہو تو سب کچھ ورنہ کچھ پیدا نہیں
واہ کیا کہنا ہمارا طرفہ تر معجون ہیں
وعدے میں حاتم ہیں جب دینا پڑے قارون ہیں

دورِ ہفت ہشتم ہے مرے ساقی ذرا خسّت نکر
وسعتِ پیمانۂ تعلیم رکھ مدِّ نظر
فاقہ مستوں میں ترے کچھ ظرفِ ہمت ہے اگر
کھل سکے کالج ہمارا جمع ہو اتنا تو زر
انتظامِ درسگاہِ قوم خاطر خواہ ہو
شیعوں کے لختِ جگر کی اب تو بسم اللہ ہو

---

۵۵ مجلس شوریٰ سے مراد آل انڈیا شیعہ کانفرنس ہے۔ اس میں مختلف الخیال حضرات کی جماعت بندیاں شروع ہو رہی ہیں اور ایک کو دوسرے سے بدگمانی ہے۔

ہو جو ہمت کی کمر میں استواری انجمن　　یا علی کہہ کر سنبھل جا میری پیاری انجمن
کب کرے گی قوم کی خدمت گزاری انجمن　　کس سے کم کس چیز میں ہے اب ہماری انجمن

ہے شگونِ نیک یہ بھی دیکھ لے پیر مغاں
کانگرس کا[56] میر مجلس میرِ مجلس ہے یہاں

مینھ برستا ہے وہ سیم و زر کا ساغر تھا　　ہیں قدح کش بندگانِ میرِ کوثر ساقیا
ہمنے یہ مانا نہیں ایسے تو انگر ساقیا　　بات پر آکر لٹا دینگے ابھی گھر ساقیا

جانتے ہیں ہاتھ کا میل وہ زر ہو کہ سیم
اسکے پیرو ہیں جو ہے ساقی کریم ابن کریم

وہ سخی الاسخیا جس نے بہ قلب شادماں　　سامنے سے اپنے بچوں کے اٹھا دیں روٹیاں[57]
کون بچے فاطمہ کے لختِ دل روح رواں　　ہو رہے تھے تین فاقوں سے جو بالکل ناتواں

بعد صحت نذر کے جب روزے رکھے تین دن
پانی سے کھولا کئے اسدر لیے نفس مطمئن

---

۵۶ نواب سید محمد صاحب سے مراد ہے جو پہلے کانگریس کے صدر رہ چکے تھے اور کئی سال کے بعد اس سال شیعہ کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے ان کا تعلق ٹیپو سلطان کے خاندان سے ہے۔ اور علوم انگریزی وغیرہ کے ماہر اور مشہور سیاست داں تھے ان کے صدر منتخب ہونے پر ایک مشہور ہندو لیڈر نے اپنے ایک شیعہ دوست سے کہا کہ آج ہم کو شیعہ کانفرنس کی اہمیت اور عظمت کا یقین ہوا کہ یہ ایسی ہی کوئی باعظمت کانفرنس ہے تب تو اسکے صدر نواب سید محمد سا بزرگ منتخب ہوا۔

۵۷ سورۂ ہل اتیٰ کی طرف اشارہ ہے۔

ہاں تاسّی چاہیئے ہمکو اسی کی ساقیا | کی قطار[58] اونٹوں کی جس نے اپنے سائل کو عطا
آگیا ہے ذکر باک باب علم[59] مصطفےٰ | محو و سہو بے خبر کہانتک مسئلہ تعلیم کا

رسم دعوت ملتوی اے قوم عالی ظرف ہو
یہ رقم جو کچھ بچے وہ درسگہ پر صرف ہو

یہ مری تجویز گو تقویم پارینہ تو ہے | قوم کی اعلےٰ ترقی کا مگر زینہ تو ہے
تم نہ مانو دل ہمارا تمسے آئینہ تو ہے | کچھ نہیں نظم صفی اک جوشش سینہ تو ہے

یونہیں چھیڑینگے جہاں موقع ذرا بھی پائینگے
شیعہ کالج تجھ سے اے قوم اکدن کھلوائینگے

---

۵۸ حضرت علی کی سخاوت سائل ورد اونٹوں کی قطار اور قنبر کے واقع کی طرف اشارہ ہے

۵۹ حدیث "انا مدینة العلم و علی بابها" کی طرف اشارہ ہے

سنہ ۱۹۱۴ع

اجلاس ہشتم شیعہ کانفرنس بمقام لکھنؤ

یہ اجلاس ہشتم دہلی میں منعقد ہونا قرار پایا تھا، لیکن وہاں کے حضرات کو مولانا سید علی صاحب حائری سے کچھ شکایتیں تھیں، اور اتفاق سے جناب ممدوح اس سال کیلیے شیعہ کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے اس لیے یہ مناسب قرار پایا کہ اجلاس کانفرنس لکھنؤ میں منعقد کیا جائے۔ چنانچہ ۱۸ لغایت ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۴ع کانفرنس کے جلسے لکھنؤ میں منعقد ہوئے، اس سال کے اہم واقعات میں مولانا سید سبط حسن صاحب کی وہ معرکۃ الآرا تقریر ہے جو علیگڈھ کے اسٹریچی ہال میں جناب ممدوح نے الحسن والحسین سید اشباب اھل الجنۃ کے متعلق فرمائی تھی، اور جس پر علیگڈھ میں بہت ہنگامہ ہوا، اس سال الفاروق اور المامون بعض اور یونیورسٹیوں کے نصاب تعلیم سے خارج کی گئیں، وقف منصبیہ میرٹھ کا مقدمہ خواجہ غلام الثقلین مرحوم کی خاص سعی سے اس سال کامیاب ہوا، اس سال کے جلسہ شیعہ کانفرنس میں علامہ حائری کی صدارت کی وجہ سے پنجاب کے تعلیم یافتہ حضرات نے شرکت فرمائی۔

مولانا سید علی حسن صاحب جائسی نے جو بڑے پایہ کے مجتہد اور مقدس بزرگ تھے اس سال انتقال فرمایا، اور انکی تعزیت کا رزولیوشن پاس ہوا، کانفرنس کے سکریٹری بدستور مولوی علی غضنفر رہے۔

لختِ جگر نمبر (۶)

یہ نظم ۱۹۱۴ء کے اجلاسِ ہشتم منعقدہ بمقام لکھنؤ پڑھی گئی، اس نظم میں شیعہ کالج کے نہ کھلنے کی شکایت چودھویں بند سے شروع ہوئی ہے۔

لکھنؤ تجکو خبر ہے کچھ ترا وہ لختِ دل — چھوٹ کر تجھ سے سفر کرتا رہا جو متصل
زحمتِ طولِ سفر آب ہوا نامعتدل — کاہشوں پر کاہشیں پھر کیوں نہ ہوتا مضمحل
کمسنی ناطاقتی ہے سستی ہے بیحال ہے
گھر ہی میں گزرے تو اچھا اَن گنا٭ یہ سال ہے

---

۶ یہ شیعہ کانفرنس کا آٹھواں اجلاس تھا اور لختِ جگر کی عمر کا آٹھواں سال تھا، آٹھویں سال کا نام عورتیں نہیں لیتیں اور اس سال کو اَن گنا سال کہتی ہیں اور ٭آٹھ کاٹھ اتارتی ہیں۔ اس اجلاس کیلیے دعوت اہلِ دہلی نے دی تھی، مگر بعد کو صدارت کے متعلق کچھ نزاعات اور اختلافات رہے کیوجہ سے دہلی میں اجلاس نہیں ہوا، اس وجہ سے اراکینِ کانفرنس کے اختلافات اور سوءِ مزاجی سے کانفرنس پر صورتِ اضمحلال پیدا ہو رہی تھی اور لکھنؤ میں اجلاس کانفرنس قرار پایا۔

٭ آٹھ کاٹھ کا صدقہ اتارا جاتا ہے جس میں چرخہ ۸ عدد، انڈے ۸ عدد، شالیے روپہلے، شالیے سنہرے، ہلدی کی گرہ ۸ عدد، گنے ۸ عدد، بلگنے کی پوریں ۸ عدد، مختلف قسم کا اناج ۸ مٹھی، آہنی کیلیں ۸ عدد، آٹے کی ٹکیاں ۸ عدد، تمباکو کی گولیاں ۸ عدد، مولیاں ۸ عدد، پائیاں یا پیسے ۸ عدد، کوئلے ۸ عدد، راکھ کی ٹکیاں ۸ عدد، ایک نئے کپڑے کی چٹ اُس شخص کے قد سے ناپی جاتی ہے جسکا صدقہ اتارا جاتا ہے، اور اُس پر ۸ ٹیکے ہلدی کے رنگ کے اور ۸ ٹیکے توے کی کالک کے لگائے جاتے ہیں، یہ سب چیزیں کورے طباق میں رکھ کر اتوار یا منگل کے دن بچے کے سر سے سات دفعہ اُتار کر چوراہے پر رکھوا دیا جاتا ہے اور اُس بچے کے دسوں ناخن میں پانی لگا دیا جاتا ہے، یا ہاتھ منہ دھولا دیا جاتا ہے، اور اس صدقے کو آٹھ کاٹھ کہتے ہیں، آٹھ کا ہندسہ منحوس سمجھا جاتا ہے، اور عورتیں آٹھویں سال کا نام نہیں لیتیں اور اس کو اَن گنا سال کہتی ہیں۔

دو برس کا سن تھا جب کمزور یہ ایسا نہ تھا
گھر سے جاتے ہی نہیں معلوم اسے کیا ہو گیا
پھر نہ پنپا آج تک پھرتا رہا گو جا بجا
ہاتھ اُٹھاؤ چارہ سازو اب کہ ہے وقت دعا

جان بچ جائے صغیر السن نحیف و زار کی
قوتیں پھر عود کر آئیں مرے بیمار کی

دو برس تک جو رہی، رہتی وہی رفتار اگر
پڑنے لگتی اُس پہ ابتک ایک عالم کی نظر
ملنے لگتے قوم کو حسنِ ریاضت کے ثمر !
تھا اگر قومی ترقی کے منازل کا قمر

یہ ابھی بڑھنے کے دن تھے یوں نہ گھٹنا تھا اسے
چودھویں کا چاند بنکر گھر پلٹنا تھا اسے

لیکن اسکی کیا خطا ایسی کسے امید تھی
دشمن اسکی جان کے ہو جائینگے احباب ہی
چاہیے تھا اک بہانہ وہ صدارت ہی سہی
یہ شکر رنجی بڑھی دعوت عداوت ہو گئی

لکھنؤ کی واپسی پہ کیا کرے، مجبور ہے
پاس جا کر غور سے دیکھا، تو دلّی دور ہے

اسکے ہمجولی ہیں کچھ دار الاقامہ میں یہاں
اور کچھ دار الیتامے میں نحیف و ناتواں
اُنسے جی بہلے گا اُلفت کا رہے گا امتحاں
تھا رہِ غربت میں ابتک یوسفِ بے کارواں

کان میں کچھ قوم کے بے اتفاقی کہہ گئی
ساتویں سال اسکی بسم اللہ ہو کر رہ گئی

پوچھتے ہیں لوگ ہم سے شیعہ کالج کا مقام
آگرہ، دہلی ہر اک ان میں سے ہے اعلیٰ مقام
ایسے کالج کو مگر درکار ہے کیسا مقام
ہو جہاں شیعوں کا مرکز ہے وہی اچھا مقام

اختلاف احباب کا اس رائے سے بیسود ہے
فائدہ کالج سے، جب قومی غرض مفقود ہے

دعوت و ملی کا استرداد بتلاتا ہے صاف   جاگزیں ہے قوم میں اب تک فروعی اختلاف
یہ بڑا ہی نقص ہے، تقصیر خادم ہو معاف   مجلس شوریٰ نہیں گویا ہے اک دشت مصاف
مومنوں سے ہاتھ اپنے مومنیں کھینچے ہوئے
آپس میں اُلٹے ہوئے شمشیریں کھینچے ہوئے

دیکھیے منصوبے ترقی کے ابھی بالائے طاق   قومیت کی خشت بنیادی ہے باہم اتفاق
قلّت اس عنصر کی اجزا میں دلیلِ افتراق   صرف ہو قومی مقاصد میں اگر ذاتی نفاق
کہیے کیا وقعت ہے نظروں میں پھر ایسی قوم کی
ہم پہ بیداری میں بھی طاری ہے غفلت نوم کی

قوم سنیئے نام ہی مجموعۂ افراد کا،   جن میں ہو کچھ مادہ امداد و استمداد کا
کام کرنا ملکے ناممکن نہیں اضداد کا،   دیکھ لیجے کارخانہ عالمِ ایجاد کا
امتزاجِ چار عنصر آب و آتش، خاک و باد
خود بتاتا ہے کہ ہے منشائے ہستی اتحاد

زندہ قوموں میں یہی روح رواں ہے دیکھیے   قومیت ہی کا ستارہ ضوفشاں ہے دیکھیے
جنگ یورپ[۱۹۱] میں اسی کا امتحاں ہے دیکھیے   ہم نہیں ہر قوم اس سے سرگراں ہے دیکھیے
جانچیے قوموں کو لیکر غرب سے تاحدِ شرق
پائیے گا ہر جگہ پر اپنے بیگانے کا فرق

---

۱۹۱ اسی سال یورپ میں ایک عالمگیر جنگ عظیم چھڑ گئی تھی، جس میں دُنیا کی بڑی بڑی سلطنتیں ایک ایک طرف شریک تھیں۔

اک ہماری قوم ہے جسکو نہیں کچھ حسِّ و مس
ہے تو دامنگیر ہے ذاتی ترفّع کی ہوس

ہم ہیں یوں اقوام میں کھیوں میں جیسے خار و خس
پھر بھی نخوت کی ہوائیں ہیں یہ سر ہیں محتبس

قوم ہے برباد اس کا کچھ اثر دل پر نہیں
جوشِ قومی کیا جو استقلال اُسے دم بھر نہیں

پیش آرہے کیسے کیسے واقعات جانگزا
قوم نے اس وقت تک تبلا دیے تو کیا کیا

شیعوں میں کچھ بھی نہیں ہے جوشِ وقتی کے سوا
کب ہوا چندہ فراہم، کس جگہ کالج کھلا،

آئی جنبش میں رگِ غیرت ذرا پھر کھو گئے
شور و غل سن کر ابھی چونکے ابھی ہم سو گئے

ایسی بیداری سے حاصل قوم اگر بیدار ہو
پاؤں پر اپنے کھڑا ہونا جسے دشوار ہے

کارخانے ہیں نہ قومی درسگہ تیار ہے
شخصیت ہی شخصیت کا ہر جگہ اظہار ہے

قطرہ جب قطروں سے دریا کے جدا ہو جائے گا
خاک میں ملکر سر ساحل فنا ہو جائے گا

کھلتے کھلتے شیعہ کالج کو زمانہ ہو گیا
صرف باتوں ہی میں ہمت کا خزانہ ہو گیا

پھر غنیمت غیر ہی کا آستانہ ہو گیا[۹۲]
غمزدوں کا نالۂ دل اک فسانہ ہو گیا

ہم نہ چونکے سختیاں کیا کیا نہ ہم پر ہو گئیں
شورِ محشر کی ہوائیں خواب آور ہو گئیں

---

۹۲ اس سال مولانا سید سبط حسن صاحب قبلہ (جو اب مرحوم ہو گئے) کی تقریر اسٹریچی ہال میں ہوئی جس میں متفق علیہ فریقین حدیث الحسن والحسین سید اشباب اہل الجنۃ کے ذکر پر کچھ نزاعات ہو گئے تھے اور شیعوں کو علیگڈھ کالج میں اپنے حقوق کی پامالی اور غلامانہ زندگی کا احساس ہوا، طلبہ نے اسٹرائک (ہڑتال) کی مگر بچر میل ہو گیا، اسی واقع کی طرف اشارہ ہے، اس سال نالۂ دل، جناب محشر نے اور دو ایک اور نظمیں اس واقع کے متعلق اور حضرات نے شایع کیں.

قوم تو شاید کہ اپنی زندگی سے سیر ہے
ورنہ کالج کھولنے میں یہ بتا کیا دیر ہے
اختلاف آرا میں جو کچھ ہے سمجھ کا پھیر ہے
اپنی کمزوری سے ہم پر اک زمانہ شیر ہے
ڈھیل ارادوں میں، نہ اتنا جھول دینا چاہیئے
ملکے باہم شیعہ کالج کھول دینا چاہیئے!

غیر سے غیروں کو اخلاقاً نہیں کچھ اجتناب
رہتی ہے اپنوں پہ بھی اپنی نگاہِ انتخاب
جب یہ حالت ہے تو کیوں دل کو نہ ہو اک پیچ و تاب
جملہ فرقوں سے ہے شیعوں کا جداگانہ حساب
ہے جبھی قومی ترقی معرضِ تعویق میں
اور سب ہیں جمع میں اُستاد ہم تفریق میں

بے محابا یوں نہ صرفِ جنگ رہنا چاہیئے
ایک سے کب ایک کو دل تنگ رہنا چاہیئے
مومنوں کو باہمی یکرنگ رہنا چاہیئے
ساز کے پردوں کو ہم آہنگ رہنا چاہیئے
پردۂ مہر و وفا میں دشمنی اچھی نہیں
راہبر بنکر بظاہر رہزنی اچھی نہیں

قوم! عزت سے جو رہنا ہے تو ویسے کام کر
زندہ قوموں کی طرح دُنیا میں پیدا نام کر
نفس کی اصلاح میں پابندیِ اسلام کر
باہمی نااتفاقی کو نہ طشت از بام کر!
شرمناک آویزشیں آپس کی نفرت خیز ہیں
پھول کانٹے بن گئے ہیں یہ زبانیں تیز ہیں

کیوں دلوں سے مٹ گیا ہے مومنیت کا اثر
مورچہ بندی رہا کرتی ہے کیوں شام و سحر
ناحق آپس میں لڑائی کا ہی ہے شوق اگر
جنگ یورپ کے بنجائیے والنٹیر!
کچھ سمندر پار جاکر نام پیدا کیجیے
قومیت میں ورنہ استحکام پیدا کیجیے

جس قدر بے لطفیوں میں وقت کٹتا جائیگا   مرکزِ اصلاح سے دل اور ہٹتا جائے گا
اقتدارِ قوم کا پانسہ پلٹتا جائے گا !   ضعف بڑھتا جائیگا اور زور گھٹتا جائیگا

ہاتھ صاف اپنے ہی اوپر ہو صفائی یہ نہیں
خودکشی ہے خودکشی جنگ آزمائی یہ نہیں

رہیے مِل جُل کے سوا اسکے نہیں تدبیر ہی   دل وہ کیا جس میں کشش کی کچھ نہ ہو تاثیر ہی
ارتباطِ باہمی کو جانیے، اکسیر ہی !   سست ہوں کڑیاں تو پھر بیکار ہی زنجیر ہی

اُٹھیے تھوڑی دیر ترکِ خودپسندی کیجیے !
قوم کے افراد کی شیرازہ بندی کیجئے

کثرتِ آرا سے جو کچھ طے ہوا اُسکو مانیے ،   طعن اور تشنیع کی یوں برچھیاں کیوں تانیے
کھول دیجے آنکھیں ذرا کچھ نیک و بد پہچانیے   اپنے ہی کیوں خون میں ہاتھوں کو اپنے سانیے

گرمجوشی ہو گئی ہو کم اگر احباب میں
دل سے بجلی کا اثر دوڑائیے اعصاب میں

تلخ کیوں بے لطفیوں میں زندگانی کیجئے   خلق سے پیش آیئے شیریں زبانی کیجئے
جانفشانی کیجئے، کچھ زر فشانی کیجئے   نونہالانِ چمن کی باغبانی کیجئے !

جو مقدم ہے وہ قومی کام ہونا چاہیئے
لازمی تعلیم پہلے عام ہونا چاہیئے

اس طرح بھی نفع اپنی قوم کو پہونچائیے   ساتھ ہی خود جمع سرمایہ بھی کرتے جائیے
شیعوں کے اوقاف سب قبضے میں اپنے لائیے   کھولیئے کالج رقم جس وقت کافی پائیے

کم نہیں کچھ منعم باذل ہماری قوم میں
سیکڑوں اب بھی ہیں دریا دل ہماری قوم میں

ہم وہ ہیں موتے رہے اور ونکی شکل مثیر یک
آجتک مانگی نہیں غیروں کے دروازے پہ بھیک
جانتے ہیں اس تہیدستی میں بھی اسکو ریک
اپنے ہی بازو ہیں بازو، کام اگر دیجائیں ٹھیک

ناخدا موج حوادث کا تھپیڑا ہو گیا
یا علیؑ نکلا زباں سے پار بیڑا ہو گیا

جھولیاں لیکر اُٹھے ہیں کچھ بہی خواہان قوم
جنمیں اکثر نفس قدسی، قبلۂ ایمان قوم
اور اکثر اہل دولت جن سے قائم شان قوم
دیکھیے انصاف سے تو ہیں یہی سب جان قوم

ہم نے یہ مانا کہ مفلس قوم میں کچھ دم نہیں
دل تونگر چاہیئے ہو بے زری کا غم نہیں

چیونٹیوں سے بھی گئے گزرے ہیں کیا ہم سب کہو
دانہ دانہ لا کے خرمن جمع کر دیتی ہیں جو
ظاہری کمزوریوں سے دل شکستہ تم نہ ہو
اب کمر مضبوط باندھو اور کالج کھول دو

ورنہ دیکھو ایک دن پچھتاؤ گے پچھتاؤ گے
آجتک پستے رہے ہو اور پستے جاؤ گے

ہمصفیران چمن ملتا نہیں جن کا مزاج
وہ بھی ہم آواز ہوں اسکی ہمیں کیا احتیاج
بن پڑیگا جس طرح کریں گے ہم اپنا علاج
کہہ چکا ہوں پیشتر بھی اور پھر کہتا ہوں آج

منزلت قوموں میں کچھ یہ قوم اُسدن پائیگی
دولت تعلیم جسدن عام کر دی جائیگی

مژدہ کالج سنایا، ساقیا انعام دے
مدتوں پھرتا رہا سر، اب ذرا آرام دے
جب وہ باغ و دل کھلے ہوں کیا طبیعت کام دے
مجھ سے لے صدہا دعائیں بھر کے لیکن جام دے

میکدے سے اُٹھکے میکش مدرسے تک جائینگے
امتحان قومیت دے کر وظیفے پائیں گے

جلد ہاں ساقی نصابِ میکشی تیار ہو ، مے دہ مے بدست بھی پیکر جسے ہشیار ہو
جام زریں کی کھنک سے قوم خود بیدار ہو یہ خبر ہندوستاں میں مشتہر اک بار ہو
قوم کی بہبود پر شیعوں کا فرقہ تُل گیا
مدرسہ کالج نما اک لکھنؤ میں کُھل گیا

لکھنؤ کی سرزمیں پر جلد ربِّ ذوالمنن[۴۳] شیعہ کالج کی بنا ڈالیں عزیزانِ وطن
پڑھتے ہوں اطفالِ شیعہ انجمن در انجمن دیکھ لیں ہم بھی صفیؔ آنکھوں سے وہ رنگین چمن
قوم کو کچھ فکر ہو اپنے فروغ نام کی
آرزو نکلے الٰہی اس دلِ ناکام کی !

---

[۴۳] شیعہ کالج کے بنانے کی تحریک سب سے پہلے مولانا صفیؔ نے اپنی امروہے کی نظم سے شروع کی ، باقاعدہ یہ تحریک رزولیوشن کی صورت میں اجلاس نہم شیعہ کانفرنس میں بمقام الہ آباد پیش ہوئی ، اور منظور ہوئی ، مقام شیعہ کالج کی بحث مدتوں اس کے بعد اخبارات میں چھڑی رہی اور بالآخر اس کا تصفیہ تمام قوم نے سر جیمس مسٹن صاحب گورنر صوبۂ متحدہ سرپرست شیعہ کالج کے سپرد کیا ، اور اُنھوں نے لکھنؤ کے حق میں رائے دی ان سب باتوں سے بہت پیشتر اور جب یہ خیال بھی زیرِ بحث نہ تھا مولانا صفیؔ نے لکھنؤ کے حق میں فیصلہ کر کے اس بند میں نظم کے ذریعے سے اپنی رائے کے صائب ہونیکا ثبوت دیا۔

سنہ ۱۹۱۵ء

اجلاس نہم آل انڈیا شیعہ کانفرنس بمقام الہ آباد

یہ اجلاس بمقام خسرو باغ متصل ریلوے اسٹیشن زیر صدارت راجہ سید ابو جعفر صاحب تعلقدار فیض آباد منعقد ہوا۔ اس سال کے جلسے میں جو اہم رزولیوشن پیش ہوا وہ بنائے شیعہ کالج کے متعلق تھا، جس کے علمبردار نواب سر فتح علی خاں صاحب تھے، اسی سال سب سے پہلے شیعہ کانفرنس کے سکریٹری کا عہدہ ایک قدیم تعلیم یافتہ کے ہاتھ سے نکلکر نواب سر فتح علی خاں کو تفویض ہوا۔ شیعہ شوگر فیکٹری جو امروہے میں کھولی گئی تھی، اور ایک عرصہ سے اسکے متعلق شکایات تھے اسکے توڑنے کا رزولیوشن بھی اسی سال پاس ہوا، تعزیتی رزولیوشنوں میں میجر سید حسن بلگرامی اور خواجہ غلام الثقلین مرحوم کی وفات کے رزولیوشن قابل ذکر ہیں، اس سال پیسہ فنڈ کے سکریٹری سید یعقوب حسن صاحب نے بڑی محنت وجانفشانی سے اپنے عہدے کے فرائض انجام دئے، اور قوم کیجانب سے اُن کا شکریہ ادا کیا گیا۔ اور سید علی غضنفر صاحب کے حُسن خدمات پر ان کا بھی شکریہ ادا ہوا۔

ضمیمہ نمبر (۷)

یہ نظم شہر الہ آباد میں اجلاس نہم شیعہ کانفرنس کے موقع پر پڑھی گئی، اس نظم میں موجودہ تعلیم

اور یونیورسٹی کے دلچسپ تذکرے کیا تھا شیعہ کالج کا ذکر خصوصیت کے ساتھ چھیالیسویں بند سے شروع ہوتا ہے۔

اے الٰہ آباد اے جولانگہ گنگ و جمن ۔۔۔ تیرا دامن تین تربینی[64] کی ہے اک انجمن
سیکھتے ہیں تجھ سے فرقے میل ملت کے چلن ۔۔۔ اتحاد باہمی سنگم سے تیرے موجزن

جوش ہمدردی سے ہے لبریز پیمانہ ترا
خستہ حالوں کا شفاخانہ ہے میخانہ ترا

لکھنؤ سے ہشت سالہ ایک طفل ناتواں ۔۔۔ لے کے آیا ہے دوا کرنے ہوا کھانے یہاں
روگ ہے سوکھے کا جسکو گھل رہی ہیں ہڈیاں ۔۔۔ شکریہ تیرا ادا کیونکر ہو قاصر ہے زباں

تازگی کچھ شاید آجائے دل پرداغ میں
اس نظر سے تونے ٹھہرایا ہے خسرو باغ[65] میں

یہ نواں سالانہ جلسہ شیعیان ہند کا ۔۔۔ کوثر آشاموں کے خیموں کی قطاریں جابجا
یہ ہوائے عطر پرور یہ مقام پرفضا ۔۔۔ فرش مخمل گرد سبزہ اس طرح ترشا ہوا

چلئے بیٹھے پھر طبیعت کی روانی دیکھئے
صاف ہوتا ہے یہیں دریا[66] کا پانی دیکھئے

ع ٦٤ تین تربینی سے مراد دریائے گنگا، جمنا، سرسوتی کا الٰہ آباد میں سنگم ہے۔

ع ٦٥ شیعہ کانفرنس کا اجلاس الٰہ آباد میں بمقام خسرو باغ ہوا تھا خسرو شاہنشاہ جہانگیر کا فرزند تھا اس کا ذکر اسی نظم کے بند ... سے شروع ہوتا ہے۔

ع ٦٦ واٹر ورکس کا کارخانہ اسی خسرو باغ میں ہے۔

باغ یہ واقع ہے اسٹیشن سے تھوڑی دور پر — دید کے قابل ہیں اسکے خوشنما دیوار و در

چار دیواری اگر دیکھیں تو آتے ہیں نظر — مختلف پتھر کے ٹکڑے وصل یوں باہم دگر

جسطرح دلق گدائے تارکِ دنیائے زشت

اپنے گھونپے میں چھپائے ساز و سامانِ بہشت

صدر دروازہ دکھن کی سمت ہے اس باغ کا — آہنی نعلوں[٦٧] کے زیور سے مرصع جابجا

یہ عوام الناس کی رسموں سے چلتا ہے پتا — ہے یہاں مدفوں خسرو کا سمندِ بادپا

پاگیا ہے رفتہ رفتہ دیکھئے اوجِ کمال

منتوں کا ماننے والا ہے گردوں پر ہلال

دوسرا پھاٹک مقابل ہیں جو ہے سوئے شمال — اس عمارت کو ہے اسٹیشن سے گویا اتصال

ہے عجب دلچسپ منظر کیا بیاں ہو اسکا حال — ہر جگہ صناعِ قدرت نے دکھایا ہے کمال

روح افزا قدرتی دلکش مناظر دیکھئے

گر سبق عبرت کا لینا ہو مقابر دیکھئے

[٦٨] سبز بیلوں کے گھنے پتوں سے پھاٹک سبز پوش — جسطرح آنچل عروسانِ حسیں کے زیبِ دوش

کیاریاں پھولوں کی کثرت سے دکانِ گلفروش — رنگ بنکر پھوٹ نکلا نامیہ کے دل کا جوش

اہل دل کے حوصلے کی طرح اتنا بڑھ گئیں

دیکھتے ہی دیکھتے پھاٹک پہ بیلیں چڑھ گئیں

---

٦٧ اس باغ میں ایک گھوڑے کی قبر ہے لوگ منت مانتے ہیں اور دروازے پر نعل جڑ دیتے ہیں

٦٨ بہار اور واقعہ نگاری کی بہترین مثال۔

سمت مغرب نونہالوں کے ذخیرے بیشمار | رہتی ہے بارہ مہینے جنکے جھرمٹ میں بہار
تخت پریوں کا سرِ دوشِ نسیم خوشگوار | دیوزادوں کا پرا اونچے درختوں کی قطار

جا کے بھرتی ہی نہیں نظریں یہ کیا اسرار ہے
موج خیز خندۂ گل قہقہہ دیوار ہے

جانب مشرق بھی چلکر دیکھ لیجیے اک نگاہ | کچھ نظر آئیں گے واٹر ورکس کے تالاب و چاہ
ایک انجن ہے جہاں گرم فغاں شام و پگاہ | ہو گئیں ہیں جس کے دودِ دل سے دیواریں سیاہ

کیا ترقی کی گئی ہے عالمِ اسباب میں
لائے ہیں جمنا سے پانی کاٹ کر تالاب میں

گوشے چاروں دیکھیے اس باغ خلد آثار کے | سنئے خاموشی سے قصے ہر در و دیوار کے
مقبرے شاکی ہیں دورِ چرخ کج رفتار کے | مٹ گئے ہیں جا بجا سے[۶۹] حرف تک اشعار کے

کون کس کی قبر ہے کوئی پتہ چلتا نہیں
مدتیں گذریں چراغ ان پر کبھی جلتا نہیں

ہے خزاں کے رنگ میں ڈوبی یہاں کی ہر بہار | یہ اندھیری قبر اُف یہ پردۂ شبہائے تار
کیا کریں زندانیانِ خاک ہیں بے اختیار | آ نہیں سکتی نہ آ، اے شمع بالائے مزار

"کچھ نہ کچھ گورِ غریباں پر بھی ساماں ہو گیا"
"چاند تارے چرخ سے ٹوٹے چراغاں ہو گیا"

سمت مغرب مقبرہ ہے ایک مثمن شکل کا | دفن ہے جسمیں زنِ مہ پارۂ پابند وفا
بعض کہتے ہیں کہ شہزادے کو اس سے عشق تھا | پانِ خسرو کو کھلاتی تھی یہی رنگیں ادا

---

۶۹ ایک مقبرہ کے اندر نستعلیق کے کتبے دیواروں پر ہیں جو جا بجا سے مٹ گئے ہیں۔

عاشق و معشوق دونوں کا نہیں اب کچھ نشاں
ہو گئیں سب خاک میں گل گل کے چونا ہڈیاں

بعد اسکے شاہ بیگم کا گراہی مقبرا — دیکھ لیجئے چشم عبرت سے اُسے بھی اک ذرا
اس مکاں کے بیچ کا حصہ ہے قبروں سے بھرا — واقعی ہم سب مسافر اور دنیا ہے سرا

موتیوں کی مختلف قد کے جو ٹوٹی اک لڑی
متصل قبریں نظر آتی ہیں سب چھوٹی بڑی

مقبرے دو اور ہیں اس مقبرے کے آس پاس — خوشنما و مرتفع سنگیں با محکم اساس
عاشقوں کے دل کی صورت جنکی ہر منزل اُداس — پہلوؤں میں حوض سنگیں خشک مثل چشم یاس

چار جانب پاسباں ہیں سرو سر کھولے ہوئے
بیٹھتے ہیں آکے طائر بھی تو پر تولے ہوئے

کیوں لحد کے رہنے والو کچھ تمہیں بھی ہے خبر — رات کب ہوتی ہے کب ہوتی ہے دنیا میں سحر
کہتے ہیں آئینۂ عبرت جنہیں اہل نظر — اُن مناظر سے دلوں پر تم بھی لیتے ہو اثر؟

ہم ہیں جس عالم میں کیا تم بھی اسی عالم میں ہو
کس مسرت میں ہو کچھ بتلاؤ تو کس غم میں ہو

خوب ہم نے اس نرالے باغ کی دیکھی بہار — شاخ در شاخ اسکی راہیں اور روشیں پیچدار
ہے کہیں پھولوں کا اک تختہ کہیں پر سبزہ زار — کھینچتا ہے دامن نظارہ ہر نقش و نگار

ہے کہیں کچھ خم کہیں سیدھا گیا ہے راستہ
ٹٹیاں ترشی ہوئی آراستہ پیراستہ

کسقدر باقاعدہ ہے ہر چمن کا عرض و طول — دائرہ کوئی نہ کوئی زاویہ جس میں فضول
صورت اشکال اقلیدس نہایت با اصول — آنکھیں جسطرح پتلی اُسطرح تھالے میں پھول

دیکھکر مسرور ہوتا ہے دل اندوہ گیں
قرۃ العین چمن ہے نرگس شہلا نہیں

شیعوں سے غنچہ یہ صحن بوستاں پامال ہے — اسکے شرقی اور شمالی گوشے میں ہنڈال ہے
چارہ ساز کرے میں بیمار اک سقیم الحال ہے — نسخے میں ہے شربت دینار جس کا کال ہے

کھولنا غنچوں کو مٹھی بے تامل چاہیے
باغباں اس باغ سے ہمکو زر گل چاہیے

خوب سب گھومے پھرے خوب اس چمن کی سیر کی — لالہ و گل یاسمیں و نسترن کی سیر کی
عرعر و شمشاد و سرو و ناروں کی سیر کی — مقبروں میں جاکے خاموش انجمن کی سیر کی

پُر فضا یہ باغ جس کے نام سے موسوم ہے
شاہزادہ کون تھا وہ کچھ تمھیں معلوم ہے

شاہ نورالدین جہانگیر ابن اکبر بادشاہ — اس کا فرزند معظم خسرو زریں کلاہ
باپ سے لاہور میں لڑکر ہوا تھا جو تباہ — آنکھیں سلوائی گئیں ہر چند تھا نور نگاہ

گل کدہ ہے یہ اُسی شاہزادۂ ذیجاہ کا
سچ ہے فانی سب ہیں باقی نام ہے اللہ کا

دور ہیں سے ہمکو دکھلاتی ہے تاریخ قدیم — اکبر غازی ہوا جب راہی دار النعیم
تخت پر بیٹھا تلون طبع نورالدین سلیم — عمر بھر ہوتی رہی بیٹوں سے اک جنگ عظیم

اب جو حاصل ہے کہاں اسوقت یہ امن و اماں
زندہ و پائندہ یا رب قیصر ہندوستاں

وہ زمانہ اور، ساقی یہ زمانہ اور ہے — جارج پنجم خسرو برطانیہ کا دور ہے
ظلم ہے عاجز رعایا پر نہ کوئی جور ہے — دادخواہوں کی شکایت پر نگاہ غور ہے

حکمرانوں کو عدالت گستری سے کام ہے
جس جگہ ہو تجو وہاں آرام ہی آرام ہے

کھُلے اب یا میرِ کوثر ساقیا اِک جام دے
سچ کے خسرو باغ رندوں کو صلائے عام دے

صرفِ بے جا کا تجھے شاید کوئی الزام دے
مُفت کیوں؟ سامانِ خورد و نوش لیکر دام دے

برطرف رسمِ تکلف ساقیٔ راحت رساں
آپ ہی ہم میہماں ہیں آپ ہی ہم میزباں

حوصلے یہ اس تہی دستی پہ اللہ الصمد
آنیوالوں کو کھلائیں آپ کیوں اپنی ہی کد

فالتو پیسوں سے پیسہ فنڈ کو دیجئے مدد
قطرہ قطرہ چوں بہم پیوست دریا میشود

آپ کی قومی عمارت کا جو پہلا کھنڈ ہے
وہ یہی سرمایۂ ناچیز **پیسہ فنڈ** ہے

اس رقم سے آپ تعلیمی وظائف کیوں نہ دیں
تاکہ جو طلاب ہیں نادار وہ لکھ پڑھ سکیں

بارور یہ نخل ہوں تعلیم پھیلے قوم میں
بارشِ رحمت کا دیں کام اہل دل کی ہمتیں

جو کبھی کم ہو نہیں سکتا یہ ایسا فنڈ ہے
گنج بادآورد ہم شیعوں کا پیسا فنڈ ہے

جس قدر اطراف میں ہیں مومنوں کی بستیاں
ہر جگہ ہیں لکھنؤ کی طرح فاقہ مستیاں

اوج کی لیکن خبر دیتی ہیں اُن کی پستیاں
دیکھنا مٹنے نہ پائیں یہ مبارک ہستیاں

متحد صوبوں کا ہے صدر اے الٰہ آباد تو
ایک بازو آگرہ ہے ایک بازو لکھنؤ

عہ آگرہ آباد میں دعوت کا بڑا سامان اہل ضلع نے کیا تھا اور کئی ہزار روپیہ شرکائے کانفرنس کی دعوت میں صرف ہوا تھا، آنرحضرات اسکے خلاف تھے، اسکی طرف یہ اشارہ ہے۔

اے زیارت گاہ خلق اے مجمع البحرین ہند — ماگھ میں[ع۱] میلا ترا مشہور ہے مابین ہند
اکبری[ع۲] قلعہ سرافرازی میں نصب العین ہند — اور خسرو باغ سے وہ چند زیب و زین ہند

رنگ و بو یا ذائقہ وہ تیرے امرود[ع۳]وں میں ہے
سیب کشمیری سرِ بازار مردودوں میں ہے

جس کی خوشبو منزلوں پھیلی ہے وہ گلشن ہے تو — تازہ رس گلہائے رنگا رنگ کا خرمن ہے تو
بذلہ سنجی کا جواہر خیز اک معدن ہے تو — حضرت اکبر[ع۴] لسان العصر کا مسکن ہے تو

نطق تیرے سکۂ رائج سے مالا مال ہے
ہند میں نقدِ ظرافت کی یہیں ٹکسال ہے

آجتک قائل ہیں اسکے ساکنان ہر دیار — تھی نمائش[ع۵] گاہ تیری انتخاب روزگار
اہل دولت تھے ہوائے شوق سے بے اختیار — منچلے پہونچے تماشا دیکھنے لے کر اُدھار

گوشہ گوشہ منزلِ تفریح اہل ہوش تھا
قلعے کا دامن ضیافت گاہ چشم و گوش تھا

ع۱ الہ آباد میں اہل ہنود کثیر مجمع کے ساتھ ماگھ کے میلے میں شریک ہوتے ہیں جو دریائے گنگا کے کنارے ہوتا ہے۔

ع۲ اکبر کے عہد کا پرانا قلعہ گنگا کے کنارے پر ہے۔

ع۳ الہ آباد کا امرود بہت اچھا ہوتا ہے۔

ع۴ سید اکبر حسین مرحوم جج جو مناسب اور لطیف ظرافت کے رنگ کے شاعر تھے اُن کی طرف اشارہ ہے

ع۵ سنہ ۱۹۱۰ء میں بہت بڑی نمائش الہ آباد میں گورنمنٹ کی جانب سے ہوئی تھی جس میں نہ صرف ہندوستان بلکہ انگلستان اور جرمنی اور دیگر ممالک سے اشیا اس صوبے کے گورنر سر جان ہیوٹ صاحب نے فراہم کئے تھے اور وہ نمائش اسی قلعہ اکبری کے متصل ہوئی تھی۔

اس نگارستان کا جو نقش تھا وہ دلپذیر   سیر کرنے منزلوں سے آئے تھے برنا و پیر
صیغہ جات مختلف میں تھے صنائع بے نظیر   جمع ہر سو خوشنما خیموں میں اک جمِ غفیر
سب طلسمی کارخانہ تھا یہاں پہ کیا نہ تھا
"خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا"

اب تیرا دولتکدہ[76] مسند گہِ فرمان روا   مستند ہر فیصلہ ہے تیرے ہائی کورٹ کا
تیری یونیورسٹی وہ شاہدِ عصمت آزما   عمر و دولت نذر میں لیتی ہے جسکی ہر ادا
کیا ملا جب مغربی تعلیم سے پایا فراغ،
ضعفِ دل، ضعفِ جگر، ضعفِ بصر، ضعفِ دماغ

کچھ بھی ہو کاشانہ تیرا واجب التعظیم ہے   متحدہ صوبوں کا یکجاں مرکزِ تعلیم ہے
تربیت منزل دبستانِ امید و بیم ہے   امتحان جب تیغ کھینچے خم سرِ تسلیم ہے
آہ کی طاقت کہاں محنت کشیدوں میں ترے
ہر چمن کے لالہ و گل ہیں شہیدوں میں ترے

مفلسوں کو علم کی تحصیل ہی اب ہے محال   اٹھ گئی پہلے کی نسبت فیس پھر اُس پر حال
قابلیت سے زیادہ سخت پرچوں میں سوال   غیر ممکن ممتحن صاحب کریں اتنا خیال
ایک نمبر کے لئے کیوں دِل کوئی محزون ہو
کیوں کسی کے تین سو پینسٹھ دِنوں کا خون ہو

---

۷۶ صوبہ متحدہ کے گورنر کا مستقر الہ آباد تھا۔

۷۷ یہاں کا ہائی کورٹ بہت ممتاز ہے۔

ایک میں یا چار مضمونوں میں ہونا کامیاب حالتیں دونوں مساوی ہیں یہ اچھا حساب
بیش وکم ہرگز نہ ہوگا بار تعلیمی نصاب امتحاں میں بھی نہ ہوگی کوئی تخفیف عذاب
کیا تسلی بخش ہے قربان اس معیار کے
ہر طرح پر ایک ہی گویا برابر چار کے

امتحانوں کی جہاں قائم نہو معیار ہی فکر ہے تعلیم اعلیٰ کے لئے بے کار ہی
دس اگر دیں امتحاں تو پاس ہونگے چار ہی اپنے بچوں کو پڑھا سکتے ہیں بس زردار ہی
طبقہ ادنیٰ ہو کہ اوسط آگے بڑھ سکتا نہیں
انمیں سے چاہے کوئی پڑھنا تو پڑھ سکتا نہیں

غور کیجئے کیا نہیں انصاف اسکا مقتضی نمبروں کی جانچ پڑتال اپنے جب چاہے کوئی
فیس نہ ادائے کے دیدے اذن یونیورسٹی کچھ قباحت اسمیں کیا درخواست ہے بار دگر بھی؟
دادخواہاں نہ اپنی داد آخر پائیں کیوں
یہ مسائل انکے صیغے میں لکھے جائیں کیوں

اور بھی دارالعلوم اس ہند میں ہیں بالیقیں کشمکش تعلیم کی لیکن کہیں ایسی نہیں
ہیں وہاں اس باب میں پبلک کی نظریں دوربیں ہر کوئی خرمن تعلیم سے ہے خوشہ چیں
مختلف پردے سہی پر ہمنوا ہیں ساز میں
ہمتیں انکے دلوں میں قوتیں آواز میں

درسگاہوں کی کمی امیدواروں کا ہجوم کچھ اسی صوبے میں ہے اسکی شکایت بالعموم
چاہیئے اقوام کو خود فکر تحصیل علوم پھیل جائیں تاکہ ہر طبقے میں تعلیمی رسوم
ہر جگہ پر علم وفن کی درسگاہیں کھولدیں
کام چل نکلے جو اٹھکر بند راہیں کھولدیں

مستند تعلیم گاہیں ہوں کہ ہوں نامستند — علم کی تحصیل میں دینگی ہمیں یکساں مدد
نام ہو درج گزٹ اسکے لیے کیا جد و کد — قابلیت آپ ہی ہے کامیابی کی سند
پڑھیے لکھیے اختیار، آزاد پیشے کیجیے
دستکاری کو تجارت کو ترقی دیجیے

سب سے بڑھ کر فرقۂ شیعہ میں ہے اسکی کمی — کام کے نکلیں گے شاید فیصدی دو آدمی
ہر طرف چھائی ہوئی ہے بے حسی و بےغمی — سو رہے ہیں چین سے تازہ ہوئے اک شبنمی
سال بھر میں تین دن کو چونکتے ہیں خواب سے
پھر ہمارا جوش وقتی کم نہیں سیلاب سے

بے عمارت بن گیا دار الاقامہ دیکھنا — پڑ گئی بے نیو کے دار الیتامیٰ کی بنا
کاغذی اک مدرسہ بھی کھل گیا کالج نما — آگیا قبضے میں فرضی انتظام اوقاف کا
تھا گرجنا قوم کا خالی صدائیں توپ کی
سارے منصوبے وہ تصویریں ہیں بائسکوپ کی

قوم تیرے دل کے ٹکڑے آہ رہتے ہیں کہاں — بے مرمت کہنہ بوسیدہ کرائے کے مکاں
کرم خوردہ جن کے دروازے شکستہ آستاں — دشمن حفظان صحت گوشہ گوشہ الاماں
شق در و دیوار چھت مخدوش کمرے تنگ و تار
دیکھ لے انسان صورت بھی تو چڑھ جائے بخار

خانہ باغ قوم شیعو! اور وہ اس وضع کا — کوئی کہتا ہے جسے جنگل کوئی وحشت سرا
منظر دار الیتامیٰ بدتر اس سے بھی ہوا — یوسفاں یہ ہمارے ہیں کہ زندان بلا

عہ۷ شیعہ یتیم خانہ ان دنوں ایک شکستہ کرائے کے مکان میں تھا۔

کام تعمیرات کا بے زر کے چل سکتا نہیں
مہرباں! بچہ کوئی بے دودھ پل سکتا نہیں

صرف کرتے ہیں ہزاروں کی پہ لیکن بے اصول — یہ رقم دعوت کی آخر کیا ہے اک فضول
خیراندیشوں کی استدعا جو کیجائے قبول — تو یہی مقدار ہو دار الیتامی کو وصول

یا اسے دار الاقامہ کے لئے دیدیجئے
فائدہ جس میں زیادہ دیکھئے وہ کیجئے

یہ سراسر واقعہ ہے شکوہ بے جا نہیں — نام کی خواہش ہے سبکو کام کی پروا نہیں
اُٹھ کے تفریحاً جہاں بیٹھیں یہ وہ جلسا نہیں — مجلس شوریٰ ہے کچھ میلا دسہرے کا نہیں

جی لگا کر کیجئے جو کام قومی کیجئے
رام لیلا کیجئے یا رام نومی کیجئے

گڑھ چکے حباب خوش آئند قصے گڑھ چکے — کھل چکا کالج نما سکول لڑکے پڑھ چکے
پھول تیرے باغ کے ایدل ہمیشہ چڑھ چکے — ہم جہاں پر تھے وہیں ہیں لوگ آگے بڑھ چکے

جسم ہیں سیکڑوں روح رواں کوئی نہیں
کارواں کے ساتھ میر کارواں کوئی نہیں

یہ تساہل یہ تغافل فائدے کی بات میں — وقت اکثر صرف ہو جاتا ہے لغویات میں
کام کی مہلت کبھی ملتی نہیں دن رات میں — کوئی کالج کو جو پوچھے کہئے اس برسات میں

تھوبرن* کالج کو لیکر شیعہ کالج گر پڑا
اٹھنے ہی کو تھا کہ بیچارے پہ فالج گر پڑا

---

* اس سال بہت بارش ہوئی اور لکھنؤ میں لڑکیوں کا بہت بڑا کالج موسومہ "تھوبرن کالج" کا ایک حصہ اس میں گر گیا تھا۔

سرد مہری قوم کے افراد میں باہم دگر — آپ جو کچھ دیکھتے ہیں یہ اسی کا ہے اثر
دور جاتی ہی نہیں کوتاہ بینی سے نظر — بے تکلف اپنے عیبوں کو سمجھتے ہیں ہنر
جو اڑے اور بچے نگاہوں سے وہ غائب ہو گئے
جو گرے نیچے وہ پامالِ مصائب ہو گئے

حکمراں سر جیمس مسٹن[عہ] سا کریم النفس اور — ویسرائے ہارڈنگ ایسے کرم گستر کا دور
اس قدر آسانیاں پھر بھی کریں ہم کچھ نہ غور — جادۂ تعلیم پر اپنی روش بدلیں نہ طور
گر یہی ہمت وران قوم کی رفتار ہے
شیعہ کالج کیلئے پوری صدی درکار ہے

شرم اے قوم آخر بے حسی کی حد بھی ہے — تیری آنکھیں ہیں مگر تمیز نیک و بد بھی ہے
یوں تو زندوں میں شمار نوعِ دام و دد بھی ہے — یہ بتا اس زندگی کا کوئی مقصد بھی ہے
کچھ کریگی یا نہیں آیندہ نسلوں کے لئے
یہ سبق اچھا نہیں آیندہ نسلوں کے لئے

یاد کر اسلاف نے تیرے لئے کیا کیا کیا — ایک مسیح قوم نے اسلام کو زندہ کیا
خونِ دل سے کھیتیاں ہر باغباں سینچا کیا — جب کہیں نخلِ ریاضت نے ثمر پیدا کیا
یا اسی گلشن کی ہر پتّی ہے مرجھائی ہوئی
رات دن ادبار کی کالی گھٹا چھائی ہوئی

ہوش میں آ قوم! تو ہے کس خیالِ خام میں — منہ دکھانے کے نہیں قابل صفِ اقوام میں
الجھنیں ہر بات میں بدنظمیاں ہر کام میں — طائرِ اقبال آئے خاک تیرے دام میں

عہ اس زمانے میں سر جیمس مسٹن صوبہ متحدہ کے گورنر اور شیعہ کالج کے کھلوانے کے بہت حامی تھے۔

یہ نوا سنجانِ گلشن جائیں کاشی یا پراگ
ہر جگہ ڈفلی ہے اپنی اپنی اپنا راگ

اتفاق آپس میں پیدا ہو تو جمعیت بڑھے
دل بڑھیں ہمت بڑھے دولت بڑھے عزت بڑھے
قوم میں پھیلے تجارت صنعت و حرفت بڑھے
غیر قوموں کی نگاہوں میں ذرا وقعت بڑھے

اُٹھ کے تقلید جواں مردانِ فرخ پے کریں
دنیوی دینی ترقی کے منازل طے کریں

یادِ ایام کہ ان سینوں میں قومی جوش تھا
کچھ خبر بھی یاد تھی اپنے نہ سر کا ہوش تھا
جا بجا ہر منتظر کھولے ہوئے آغوش تھا
یہ صغیر ناتواں کب یوں وبالِ دوش تھا

چارہ سازوں کو بھی شرمندگی ایسی نہ تھی
تلخ جیسی اب ہے پہلے زندگی ایسی نہ تھی

وضع میں اتنا تغیر یہ روش اچھی نہیں
ابتدا میں انتہا کا جوش پھر کچھ بھی نہیں
یا تو وہ اظہارِ ہمدردی کہ حد جس کی نہیں
یا لبوں پر دم ہے تم نے بات تک پوچھی نہیں

آپ اندازِ نظر جب تک بدلتے جائیں گے
ہر ادا پر غمزدوں کے دم نکلتے جائیں گے

گود کے پالے ہوئے سے قوم اتنی بے رخی
ہم تو ہم غیروں کا بھی یہ دیکھکر کڑھتا ہے جی
حیف اس لختِ جگر کی قدر کچھ تو نے نہ کی
سانس باقی اور تدبیریں ابھی سے دفن کی

ڈر خدا سے بددعا روحِ پیغمبر نہ لے
خون اک معصوم کا للہ اپنے سر نہ لے

قوم کیا تجھکو ابھی تنبیہ وہ کافی نہیں
ذکر سے جسکے لرزتا ہے دلِ اندوہ گیں
نوح کا طوفاں اُٹھا تھا پھر چڑھا کر آستیں
خیریت گذری کہ سر سے وہ بلائیں ٹل گئیں

قائمِ آلِ محمدؐ نے سہارا دیدیا
توبہ کرنیکا ہمیں موقع دوبارا دیدیا

آہ وہ اہلِ وطن کی خانماں بربادیاں
آسمانِ فتنہ گر کی وہ ستم ایجادیاں
دیں اسیروں کو مگر کس طرح دیں آزادیاں
دو زنگ ویران کرکے شہر کی آبادیاں

مرد نے زندے اُن سبھی تو کشمکش میں پھنس گئے
وہ نکل آئے زمیں سے یہ زمیں میں دھنس گئے

یہ نیا اندازِ بارش تھا یہ چرخِ کہن
ابر کے پردے میں طاقتور سمندر موجزن
ہر طرف گھر گر رہے تھے مضطرب تھے مرد و زن
ہر زباں پر نوحہ خوانی ہر مکاں بیت الحزن

دو ہی چھینٹوں میں ترے ابرِ سیہ دل تند خو
جون پور اُجڑا ہوا برباد شہرِ لکھنؤ

مومنوں کی بستیاں دونوں کی ویران ہوگئیں
کون اُٹھاتا گھر کی چیزیں بار جاں ہوگئیں
چھت گری کڑیاں کہیں پر حافظِ جاں ہوگئیں
"مشکلیں ہم پر پڑیں اتنی کہ آساں ہوگئیں"

پردہ داروں کا قدم باہر نکل کر رہ گیا
شرم سے لاکھوں گھڑے پانی سروں پر بہ گیا

گھر کی رہنے والیوں کو زندگانی تھی عذاب
گھر سے جب نکلیں ردائیں اوڑھ کر مثلِ حباب
سر پہ بارش گود میں بچے کمر تک تھے آب
پاؤں بالائے زمیں ورد زباں یا بوتراب

۸۱؎ ۱۹۱۵ء کی سخت بارش کی طرف اشارہ ہے، جسمیں ہزارہا مکان لکھنو وغیرہ میں گرگئے، اور بہت جان و مال کا نقصان ہوا۔

۸۲؎ بعض بعض مکانوں کی چھتیں گریں، اور مکان کے رہنے والوں پر آڑی ترچھی ہوکر کڑیاں اس طرح گریں کہ ان کی جان بچ گئی۔

کس قدر پانی کہاں ہے کچھ پتہ چلتا نہیں
قسمتوں کا پھیر دیکھو راستہ ملتا نہیں

ٹھوکریں کھاتی ہوئی پہونچیں بمشکل جب کہیں — یہ نظر آیا کہ[۸۳] تل رکھنے کی گنجائش نہیں
دل ہوا یہ دیکھ کر کچھ اور بھی اندوہ گیں — کس جگہ ٹھہریں کریں کیا یا الٰہ العالمیں

گھر برابر گر رہے ہیں جائیں تو کس طرح جائیں
ہو رہے ہیں تر بتر کپڑے انہیں کیونکر سکھائیں

صاحب املاک محتاج اک دوا کے واسطے — نا سمجھ بچے بلکتے تھے غذا کے واسطے
غمزدوں نے ہاتھ اٹھائے تھے دعا کے واسطے — دے رہے تھے مصطفیٰ و مرتضیٰ کے واسطے

منھ یہ کہتا تھا برس کر اب برسوں گا کبھی
دل شہادت دے رہا تھا ہاں قیامت آگئی

شام سے تا صبح برسا صبح سے تا مغربین — شدت بارش سے برپا ہر طرف اک شور و شین
دل جو ڈوبے ہیں دلاسہ کب انھیں آتا ہے چین — اک علم لیکر چلے کہتے ہوئے سب یا حسینؑ

بیکسی مظلوم کی تاثیر دکھلا ہی گئی
نام سے پیارے کے پانی کو بھی شرم آ ہی گئی

تھم گیا پانی گھٹائیں پی کے آنسو رہ گئیں — چلتے چلتے لیکن اہل شہر سے یہ کہہ گئیں
سخت ہیں جانیں وہ سب جو یہ مصائب سہ گئیں — بستیاں کتنی رہیں دیکھو تو کتنی بہہ گئیں

---

۸۳ آصف الدولہ کے امام باڑے اور بہت سی کربلاؤں میں بھاگ بھاگ کر لوگوں نے پناہ لی، اور ایک ایسا وقت آگیا کہ کہیں ٹھہرنے کی بھی جگہ باقی نہ رہی۔

اب بھی دل میں اک ذرا خوفِ خدا پیدا کرو
روح پھونکو قوم میں صدق و صفا پیدا کرو

قابلِ عبرت بھی ہے قومیت کا یہ نظام — کچھ غرض ہمکو یتیموں سے نہ بیواؤں سے کام
غیر قومیں کر رہی ہیں کیسے کیسے انتظام — محض لغویات میں ہم کاٹتے ہیں صبح و شام
فائدے کی بات کوئی جم کے کر سکتے نہیں
ایسے ڈوبے ہیں کہ پستی سے ابھر سکتے نہیں

لیکے اوروں کو بھی ڈوبیں ہم رہیں جس شہر میں — آبِ رحمت ہم تک آتا ہے لباسِ قہر میں
نفس مارِ آستیں ہے تنگنائے دہر میں — اسکے ہر فقرے کو یہ سمجھو بجھا ہے زہر میں
نفس کے بندے ہیں ہمکو قوم کی پروا نہیں
انتہا یہ ہے صلوٰۃ و صوم کی پروا نہیں

فکر اسکی ہے کہ مستورات[۸۴] سے پردا اٹھے — آگ پردہ نشیں لگے ہر گھر سے اک شعلا اٹھے
لطف چل کر صیدِ ماہی کا لبِ دریا اٹھے — بحر میں کشتی رواں ہو ابرِ گوہر زا اٹھے
خلوت و جلوت میں باہم بے حجابانہ رہیں
مرد و عورت ساتھ مثلِ شمع و پروانہ رہیں

فطرتاً دونوں مساوی ہیں یہ استدلال ہے — قید عورت کے لئے پردے کی۔ پھر جنجال ہے
عرض تردیداً بطرزِ سادہ یہ فی الحال ہے — خود مخالف آپکی ڈاڑھی کا اک اک بال ہے
دیکھ لیجئے فرق ہے دونوں کے خط و خال میں
وضع میں انداز میں صوت و صدا میں چال میں

---

۸۴ اس زمانے میں پردہ اٹھانے کی تحریک زوروں پر تھی۔

فتنہ ساماں ہے نگاہِ نعبتانِ جامہ زیب　　زلفِ پیچاں دام بہرِ صیدِ قلبِ ناشکیب
غیر ممکن یہ کہ ہو بے پردہ حسنِ دلفریب　　بوالہوس نظریں نہ کتریں جامۂ عفت کی جیب

گوہرِ ناموس ہاں جس وقت تک مستور ہے
رخنہ اندازی کی زد سے ایک حد تک دور ہے

عورتوں کیواسطے ہے قیمتی زیورِ حیا　　شرم کی تصویر خود چادرِ حیا بسترِ حیا
نقش بٹھلائے ہوئے یوں صفحۂ دل پر حیا　　دیکھیں آئینہ تو عکس ابھر کے نکلے اک جوہرِ حیا

فتنۂ محشر نہ چونکے چال اِس انداز کی
گھر سے باہر تک نہ جائے یہ روشِ آواز کی

کیا ضرورت کیوں اٹھایا جائے پردہ کا رواج　　دیجئے تعلیم بھی لیکن بقدرِ احتیاج
مذہب و اخلاق کافی بہرِ اصلاحِ مزاج　　بس انہیں دو جز کے نسخے سے مناسب ہے علاج

تاکہ وہ خود انتظامِ خانہ داری کر سکیں
نونہالانِ چمن کی آبیاری کر سکیں

یہ ستم شرمناک اس کے نتائج ہیں مگر　　پردہ داری چھوڑ کر اب ہم بنے ہیں پردہ در
باطن آیت سے استدلال میں غضِّ بصر　　ظاہرِ زینت کے معنی پر نہیں غائر نظر

حس نہیں باقی ذرا بھی اسطرح دل سو گیا
کچھ بتا تو اے رگِ غیرت تجھے کیا ہو گیا

اہلِ بیتِ مصطفےٰ کی پردہ داری دیکھئے　　اور پھر بے پردگی میں بے قراری دیکھئے
بیکسی و عالمِ بے اختیاری دیکھئے　　آج تک ہوتی ہے جس پر آہ و زاری دیکھئے

وہ حیا و شرم جس کی انتہا کوئی نہ تھی
چہرے بالوں میں چھپے تھے جب ردا کوئی نہ تھی

آہ اک ہم ہیں کہ اب پردے سے نفرت ہے ہمیں
پاس عزت ہے نہ مطلق پاس عفت ہے ہمیں

اپنے احکام شریعت سے عداوت ہے ہمیں
بے حجابی عام ہو اسکی ضرورت ہے ہمیں

دفعتہً گردان کر دامن چڑھا کر آستیں
ہاں انجل آ پردۂ غیبت سے او خلوت نشیں

دیکھ تیرے جد کی امت کس قدر بے راہ ہے
جسمیں ڈوبی ہے وہ قعر معصیت بے تھاہ ہے

انتظار آمد آمد پادشہ ذیجاہ ہے
اک بھنور میں کشتی مردان حق آگاہ ہے

دیکھتے ہیں دم بخود کچھ منہ سے کہہ سکتے نہیں
سر پانی جب چڑھا محفوظ رہ سکتے نہیں

اے امام عصر اے وجہ بقائے کائنات
پیکر اسلام میں روح رواں ہے تیری ذات

حکم دے ابر اٹھ کے برسانے لگے آب حیات
شق ہو قبریں جی اٹھیں مردے ملے راہ نجات

جسقدر ناصاف دل ہوں صاف ہو جائیں وہ سب
دامن ہستی میں جو دھبے ہیں دھو جائیں وہ سب

کشتی عمر رواں خوش ہو کہ ساحل ہے قریب
مرحلے طے ہو چکے سر حد منزل ہے قریب

جسکو انکھیں ڈھونڈھتی ہیں خود وہ ایدل ہے قریب
مژدہ پروانو فروغ شمع محفل ہے قریب

دردمندوں کے مسیحائے زماں آنے کو ہیں
مہدی ہادی امام انس و جاں آنے کو ہیں

رہبر کامل کے ہاتھوں میں عنان قوم ہو
روز افزوں مجمع دانشوران قوم ہو

یہ ہم آہنگی الٰہی درمیان قوم ہو
جو زباں اک فرد کی ہو وہ زبان قوم ہو

تا ظہور صاحب الامر سبکو ہو نشو و نما
بارور اہل تشیع کا یہ نخل مدعا

سنہ ۱۹۱۶ء

شیعہ کالج کے ڈیپوٹیشن اور اُسکے متعلق مختلف کاموں کی سرگرمیوں کی وجہ سے مختلف جگہوں پر متعدد جلسے شیعہ کالج کے متعلق منعقد ہوئے، مگر شیعہ کانفرنس کا کوئی اجلاس سنہ ۱۹۱۶ء میں منعقد نہو سکا، اور بجائے اس کے سنہ ۱۹۱۷ء میں شیعہ کانفرنس کے دو اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوئے۔

سنہ ۱۹۱۷ء

اجلاس دہم شیعہ کانفرنس بمقام موتی محل لکھنؤ

یہ جلسہ زیر صدارت جناب راجہ سید توکل حسین صاحب تعلقدار لورپو ضلع فیض آباد ۷ لغایت ۹ اپریل سنہ ۱۹۱۷ء منعقد ہوا، اس وقت شیعہ کانفرنس کے سکریٹری نواب فتح علی خاں تھے۔ حضرات مجتہدین و علمائے کرام و جدید تعلیم یافتہ و رؤسا دور دراز مقامات سے جلسے کی شرکت کے لیے تشریف فرما ہوئے، شیعہ کالج کا ایک اساسی جلسہ بھی اس سال یہیں منعقد ہوا، جس کی وجہ سے کانفرنس کے اجلاس کو بہت رونق رہی، اس سال موتی محل کے اندر پنڈال کے قریب ایک بڑے اعلےٰ پیمانے پر

ایک ڈپوٹی شاپ سید یعقوب الحسن صاحب کے زیرِ اہتمام کھولی گئی تھی، جس میں فرصت کے اوقات میں شعرا اور تعلیم یافتہ بیٹھکر تبادلۂ خیالات فرماتے رہتے تھے، اور اکثر معرکۃ الآرا نظمیں بالخصوص وہ نظم جس کے ردیف و قافیے میں "زہاد قوم" ہے، اسی ٹکسال میں گڑھی گئی تھی۔ اس سال بعض ہمدردانِ قوم نے کانفرنس کے اجلاس میں غیر معمولی ہمدردی اور دلچسپی کا اظہار فرمایا، اور کچھ سوالات و جوابات کا سلسلہ تادیر فضائے پنڈال میں گونجتا رہا، اسی سال سے شیعہ کالج کے اغراض و مقاصد کو وسعت دینے کے لیے ایک اخبار شیعہ کالج نیوز جاری کیا گیا، جو شیعہ کالج کے کھلنے کے کچھ دنوں بعد بند ہو گیا، اس سال کے بعض جوش بے ہنگام سے متاثر ہو کر مولانا صفیؔ نے ایک نظم پڑھی جس کا اثر تمام حاضرین کے دلوں پر بہت زیادہ ہوا، موتی محل میں یہ جلسہ دریا کے کنارے ہوا تھا جہاں موتی محل کی عمارت ہے اور سامنے گومتی کا کنارہ، نو سال کے بعد شیعہ کانفرنس میں نیا انقلاب پیدا ہوا، یہ کانفرنس نئے ہاتھوں میں آئی، خان بہادر مولوی مہدی حسن صاحب جوائنٹ سکریٹری مقرر ہوئے۔ مولانا صفیؔ کی یہ نظم اگرچہ ہر زمانے میں شاعری کی خوبیوں کے لحاظ سے قابل قدر سمجھی جائیگی، لیکن شیعہ کانفرنس میں اس سال خاص واقعات کی بنا پر اس کا جو اثر پڑا اُس کا لطف وہی لوگ زیادہ اُٹھا سکتے ہیں جن کے پیش نظر وہ تمام اسباب اور مخالفتیں ہیں جن کا تعلق اس سال کے قومی کاموں سے ہے، نواب سنح علیخاں صاحب جیسی مقتدر ہستی کی نسبت کبھی یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ شیعہ کانفرنس کے سکریٹری ہونگے اُن کا انہماک، انکی سرگرمی اور بعض واقعات سے انکی بددلی اور بعض افراد کی جانب سے

بے موقع جوش، اور بعض ایسے اُمور کا ظہور جو مصالحِ قومی کے لیے مفید نہ تھے، ان سب باتوں کے اثرات کا منظر جس نظم کے ذریعے سے کچھ پیش کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے ؎

نزدیک ہے دریا ہمیں جانا نہیں آتا
پیاسے ہیں مگر پیاس بجھانا نہیں آتا

دل کو تو نہ توڑو، ارے کعبہ تو نہ ڈھاؤ
مانا تمہیں کالج کا بنانا نہیں آتا

مرجھائے ہوئے پھول یتیموں کو سمجھ لو
اتنا سا بھی کیا بوجھ اُٹھانا نہیں آتا

جو دم کہ گزرتا ہے غنیمت اُسے سمجھو
ہر بار پلٹ کر، یہ زمانا نہیں آتا

چھوڑو بھی یہ طفلانہ روش زیب نہیں ہے
کیوں کھیل بگاڑو جو بنانا نہیں آتا

ہم اپنے ہی دشمن ہیں جو ہیں قوم کے دشمن
مٹنا نہیں آتا کہ مٹانا نہیں آتا

ہر موجِ ہوا موجِ شرر ہو لبِ دریا
کیوں آگ لگائیں جو بجھانا نہیں آتا

سوئے ہوئے فتنوں کے جگانے میں تو آندھی[1]
سوتی ہوئی قسمت کا جگانا نہیں آتا

کچھ فتح علی خاں کے طرفدار نہیں ہم
حق یہ ہے صفی حق کا چھپانا نہیں آتا

---

[1] اس روز جلسے کے وقت شدید آندھی بھی آئی تھی۔

لخت جگر

اجلاس دہم آل انڈیا شیعہ کانفرنس لکھنؤ ۷، ۹ اپریل ۱۹۱۷ء

زیر صدارت راجہ توکل حسین صاحب

قوم کا لخت جگر جو گوہر یکدانہ ہے
آج اے موتی محل[85] تیرا چراغ خانہ ہے
گیارھویں سال اب کے دسواں[86] جلسہ سالانہ ہے
محتسب ہے کارکن بدلا ہوا پیمانہ ہے
کیا بتائیں کیا مزہ رندوں کی صلواتوں[87] میں ہے
دور صہبائے کہن جب سے نئے ہاتھوں[88] میں ہے

دس گھڑے[89] اب تک کھنچے ہیں اس شراب صاف کے
پانچ گگرے لکھنؤ پانچ اور اطراف کے
جام چھلکے نام روشن ہو گئے اسلاف کے
وہ کنارہ کش رہیں دشمن ہیں جو انصاف کے
خوف اظہار تشیع دور عادل میں نہیں
کیوں زباں پر ایسی باتیں ہوں کہ جو دل میں نہیں

---

۸۵ دریائے گومتی کے کنارے لکھنؤ کی شاہی عمارت موتی محل ہے جس میں اجلاس دہم شیعہ کانفرنس ہوا تھا۔

۸۶ ایک سال جلسہ کانفرنس نہیں ہو سکا، وجہ التوا آئندہ بند پنجم میں مذکور ہے۔

۸۷ شیعہ کانفرنس کے قواعد کے بموجب بجائے تالی بجانے کے صلوٰۃ یعنی درود پڑھنے کی ہدایت تھی صلوٰۃ معنی گالی بھی ہیں۔

۸۸ صہبائے کہن سے مراد شیعہ کانفرنس اور نئے ہاتھوں سے مراد یہ ہے کہ بجائے سید علی غضنفر صاحب کے نواب فتح علی خاں صاحب سکریٹری شیعہ کانفرنس تھے

۸۹ گھڑے سے مراد اجلاس شیعہ کانفرنس اس وقت تک پانچ اجلاس لکھنؤ میں ہوئے تھے اور پانچ غیر اضلاع میں۔

مے وہی میکش وہی پیمانہ لیکن اور ہے — شیعوں کی قومی ترقی کا یہ پہلا دور ہے
مسئلہ تعمیرِ میخانہ[89] کا زیرِ غور ہے، — ساقیِ باذل[90] رئیسِ خطۂ لاہور ہے

دیکھنا فصلِ بہار اب کی نہ خالی جائیگی
لکھنؤ میں میکدے کی نیو[91] ڈالی جائیگی

شیعہ کالج مجلسِ شوریٰ کی گویا جان ہے — علم ہی سے مردہ زندہ قوم کی پہچان ہے
جسکو تم مشکل سمجھتے ہو بہت آسان ہے — اب زیادہ انتظار اچھا نہیں نقصان ہے

یا تو اس قعرِ مذلت سے ابھرنا چاہیے
یا ہمیں اب گومتی میں ڈوب مرنا چاہیے

پار سال اسکیم کا، کالج کی ہر سو زور تھا — جا رہے تھے وفد جلسے ہو رہے تھے جابجا
انہماکِ خادمانِ قوم اسی جانب رہا — انعقادِ بزمِ شوریٰ اس سبب سے رہ گیا

باعثِ تاخیر بھی کچھ تھا اگر تاخیر کی،
وہ بھی تو آخر کڑی ہے اک اسی زنجیر کی

شیعہ کالج بھی ادارہ مجلسِ شوریٰ کا ہے — تار وہ بھی اک اسی سازِ طرب افزا کا ہے
گوہرِ شہوار اسی دریائے گوہر زا کا ہے — یعنی اک روشن چراغ اس ملتِ بیضا کا ہے

صورت دار الیتامے جانتے ہیں ذی ہمم
اس ادارے کو بھی ہے درکار معتد بہ رقم

---

۸۹ میخانے سے مراد شیعہ کالج۔

۹۰ مراد نواب سر فتح علی خاں صاحب قزلباش سکریٹری۔

۹۱ سنگِ بنیاد شیعہ کالج کا جلسہ اسی سال لکھنؤ میں ہونے والا تھا۔

لکھنؤ میں جس قدر شیعہ ادارے ہیں صفیؔ   سب کے اب سکریٹری ہیں حضرت نواب ہی
اُس عزاخانے[۹۲] میں جو ہے یادگارِ آصفی   شیعہ کالج کے لیے تحریک چندے کی ہوئی
جمع اس جلسے میں تھے کل شیعیانِ لکھنؤ
اُس عمارت میں جو ہے اِس وقت جانِ لکھنؤ

جس نے بنوایا اسے ہمت پہ اُسکی آفریں   خوشنما جتنی عمارت ایسی دُنیا میں نہیں
لمبے چوڑے اِسکے وہ درجے وہ اونچی شہ نشیں   بے تکلف آسماں سے باتیں کرتی ہیں زمیں
وہ کشادہ صحن اور وہ مرتفع دیوار و در !
پھر تناسب وہ جسے دیکھا کرے پہروں نظر

اس طرف پہلو میں مسجد اُس طرف اک باؤلی   صحن میں ترشے ہوئے سبزے کا فرشِ مخملی
ہے عمارت کی عمارت جیسے سانچے میں ڈھلی   بانی اِس قصرِ عزا کا آصف الدولہ ولی ،
صدر دروازے پہ تعمیر ایک نوبت خانہ ہے
دیکھو روکارِ عمارت کس قدر شاہانہ ہے

نیو اس تعمیر کی پہونچی ہوئی پتال تک   چھت بلند اتنی کہ گویا زینۂ بامِ فلک
سیر کو اکثر اُترتے ہیں اِسی پر سے ملک   گمزیاں گردِ عمارت صاف ستھری بے ڈلک
ڈاٹ کی اتنی بڑی چھت اور اُسپر یہ دباؤ
ہے ہماری عقل حیراں ماہ و انجم تم بتاؤ

سیکڑوں در چھت پہ ہمصورت قطار اندر قطار   جنکی خوش وضعی پہ ہر دم گنبدِ بے در نثار
جا کے اندر باہر آنیکی کرے کوشش ہزار   عقل چکرائیگی کیا ہی نہ کیوں ہو پختہ کار

---

۹۲ مراد امام باڑہ آصف الدولہ لکھنؤ

ہوش گم کن حیرت افزا طرفہ منزل گاہ ہے
جسکے اندر گشت و گردش واقعاً جانکاہ ہے

بیچ کے درجے میں ہی قصر کریم ابن کریم
وہ سخی جس کا سخاوت میں نہ تھا کوئی سہیم

لوح پر یہ سال رحلت خود وہ جنت میں مقیم
فروحٌ و ریحانٌ و جنتُ نعیم

نصب چاندی کا کٹہرہ، خوشنما گرد مزار
قبر پر محفوظ و ستارِ وزارت زرنگار

اینٹ چونے کی عمارت حد کی مستحکم مگر،
تا بہ کرسی تین طبقے تینوں فردوس نظر

چاہ پختہ، حوض مسجد بلکہ ہر دیوار و در
سب سے عالی ہمتی، شانِ امارت جلوہ گر

طاقچوں، حجروں سے ہر گوشے میں اک زینت گری
خوشنما زینوں سے پیدا شکل ضرب منبری[۹۳]

۹۳؎ ضرب منبری سے زینے کو تشبیہ دی ہے۔ منبر کی شکل بنا کر منبر کے زینے پر ایک ایک ہندسہ لکھتے ہیں اور اُسکے مقابل کنارے پر وہی ہندسہ لکھتے ہیں اور دونوں کے حاصل ضرب کو وسط منبر میں لکھ دیتے ہیں جس کی شکل یہ ہوتی ہے، اسی کو ضرب منبری کہتے ہیں۔

				۲	
			۳	۴	۲
		۴	۹	۶	۳
	۵	۱۶	۱۲	۸	۴
۶	۲۵	۲۰	۱۵	۱۰	۵
۳۶	۳۰	۲۴	۱۸	۱۲	۶

تھا اسی سرکار کا وہ خوشنویس نامدار ‏ خطِ نورانی پہ جس کے گوہرِ انجم نثار
نازشِ لوح و قلم اُستادِ فنِ معجز نگار ‏ دید کے قابل ہے جسکی بینش افزا یادگار
کتبۂ در کار مسجد، اور کتبہ چاہ کا
نقشِ دل افروز، حافظ شیخ نور اللہ کا

طاق کسریٰ کا جو ہے دروازۂ رومی جواب ‏ روز پڑتی ہے اُسی پر پہلے چشمِ آفتاب
کیا کرے رفعت کا تخیل فلک پیما حساب ‏ فصلِ بارش میں نکل جاتا ہے اِس در سے سحاب
وقت پرواز اس سے اونچے اُڑ نہیں سکتے پرند
پست اس در کے مقابل قلۂ کوہِ بلند

جلسہ تھا جس وقت اس ایوانِ عالی شان میں ‏ جمع تھے اعیانِ ملت اسکے ہر دالان میں
سعی و کوشش کیگئی جتنی کہ تھی امکان میں ‏ الغرض وہ جوش تھا ہوتا ہے جو طوفان میں
نظم میں نے بھی پڑھی تھی جو پڑھونگا پھر یہاں
ختم کر لوں اک ذرا پہلے بقیۂ داستاں

جب چھڑی بحث مقام شیعہ کالج جابجا ‏ اک بڑا جلسہ اسی موتی محل میں پھر ہوا
سال بھر المختصر قصہ یہی چلتا رہا ‏ طے ہز آنر نے کیا آخر نزاعی مسئلہ
شیعہ کالج لکھنؤ میں ہو یہی پایا قرار
اب اراضی ہی کے ملنے کا ہے خالی انتظار

قوم کے لختِ جگر کا ہوں میں شاعر، لکھنؤ ‏ یاد سب وعدے دلانا ہیں تجھے پھر، لکھنؤ
یہ بتلا کب وہ ایفا ہونگے آخر، لکھنؤ ‏ جلد سے کر جلد تدبیرِ مؤثر، لکھنؤ
بہر کالج فرض ہے نذرِ اراضی اب تجھے
وہ جو روٹھے ہیں انھیں کرنا ہے راضی اب تجھے

نظم دق الباب جو میں پڑھ چکا ہوں پار سال
اور جو اول سے آخر تک ہے تیرے حسب حال
پھر سناتا ہوں وہی تا رد نہو میرا سوال
ان گزشتہ وعدوں کا آجائیگا سنکر خیال

در حقیقت شیعیانِ ہند کا مرکز ہے تو،
قوم کی نظریں ہیں تیری ہی طرف اے لکھنؤ

دق الباب

نظم جو ۲۷ مارچ ۱۹۱۶ء کے جلسۂ امداد شیعہ کالج میں، نواب آصف الدولہ مرحوم کے امام باڑے میں پڑھی گئی

قطعہ

آگئے ہیں دوست نگر ہاتھ بڑھے جام چلے
یہ تو کہنے کو نہ ہو بزم سے ناکام چلے
یاعلیؑ کہکے ذرا زور لگادے اے قوم
شیعہ کالج ابھی کھل جائے ترا نام چلے

نظم بطور تتمۂ نخبۂ جگر!

لکھنؤ اے مرکز اہل تشیع لکھنؤ!
کچھ سہی تاہم کسی سے کم نہیں ہمت میں تو
تیرے نوابوں کی فیاضی کے شہرے چار سو
ہر جگہ ہیں تیرے سچے موتیوں کی آبرو

تیرے شہزادوں سے ہے کچھ اور ہی شانِ اودھ
درۃ التاج سعادت[۹۵] نسل شاہانِ اودھ

---

[۹۵] نواب سعادت علی خاں مرحوم نواب وزیر اودھ سے کنایہ ہے جو نواب آصف الدولہ کے بعد حکمراں ہوئے۔

خود بنا رے خیرہ سرا رے خطۂ آباد تو ، آصف الدولہ ولی کے فیض کی بنیاد تو
فکر کی پابندیوں سے ہر طرح آزاد تو ہند کا پیرس[95] طرب گاہِ دلِ ناشاد تو
خلق کے جوہر چمکتے ہیں تری اکسیر میں
جذب دل کا مادہ ہے خاکِ دامنگیر میں

ناتراشیدوں کے حق میں تیری صحبت ہے خراد نظم کے دامن میں جیسے فقرہائے مستزاد
سکۂ رائج تری اُردو بحکمِ اجتہاد بنتے ہیں[96] آتش زباں رہ کر یہاں صحرا نژاد
آشیاں بندی پہ غش اک ساکنِ ویرانہ تک
زہر کھائے اس چمن پر سبزۂ بیگانہ تک

تیرے اندازِ تکلم کے مقلد خاص و عام آبِ کوثر سے زباں دھوئی ہوئی شستہ کلام
غیب کے سرجوشِ خم سے صاف تیرے دُرد جام بحرِ رحمت سے ترے سیراب اکثر تشنہ کام
مقدرت جاتی رہی لیکن ترا دل ہے وہی
صاحبِ محمل نہیں افسوس محمل ہے وہی

---

۹۵ بلحاظ نفاست اور فیشن پرستی و عیش و عشرت فرانس کے پیرس سے لکھنؤ کو تشبیہ دی ہے

۹۶ عموماً باہر کے غیر منصف مزاج حضرات لکھنؤ میں آکر یہاں کی طرزِ معاشرت اور زبان اور تہذیب سیکھتے ہیں، اور مستفیض ہوتے ہیں، بعضوں کا لب و لہجہ متعلق زبانِ اردو درست نہیں ہوتا وہ بعد کو لکھنؤ کو بُرا کہنے لگتے ہیں اس عام واقعہ کیطرف اشارہ ہے، اتفاق سے جس وقت یہ نظم کہی گئی اُس زمانے میں لکھنؤ کے مشہور ادبی رسالہ معیار سے ایک آتش مزاج حضرت نے کچھ یہاں کے اہل زبان حضرات کے مقابلے میں ہنگامہ گرم کر رکھا تھا، سبزۂ بیگانہ اور زہر کھانا یہ الفاظ واقعہ نگاری کیلیے نہایت مؤثر ہیں۔

شہرت کہتی ہے میرا بھی زمانہ تھا کبھی ۔۔۔ مرجع آفاق سنگ آستانہ تھا کبھی
وقف خاص و عام پر شاہی خزانہ تھا کبھی ۔۔۔ اس چمن میں شیعگی قومی ترانہ تھا کبھی

عالموں کے حکم پر چلتے تھے یوں بحثیں نہ تھے
کیا نہ تھے اُس وقت دولتمند یا مفلس تھے

لکھنؤ تیرے دولت سے لاکھوں بن گئے ۔۔۔ دوستوں کا ذکر ہی کیا بہرہ ور دشمن گئے
بھولے نوابوں کو جب تانا ذرا بھی تن گئے ۔۔۔ بھر دیا آنا زر و گوہر کہ دامن چھن گئے

یادگاریں قائم ابتک ہیں انھیں اسلاف کی
دور ہیں نظروں میں عزت کیوں نہ ہو اخلاف کی

انقلاب دہر نے الٹا تمدن کا ورق ۔۔۔ محو دل سے ہو گیا تہذیب کا پچھلا سبق
کار فرما وہ رہے باقی نہ وہ نظم و نسق ۔۔۔ وضعداروں کا شکستہ حالیوں سے رنگ فق

مفلسی سے ہمت اہل ہمم جاتی رہی
بے حسی سے قوت دست کرم جاتی رہی

شہر کے ہمت ور اس امتحاں میں ہوں نہ فیل ۔۔۔ کھول دو توڑوں کے منہ ہو جائے دولت بے سبیل
شیعہ کالج ہے یہ بچہ کا نہیں ہے کوئی کھیل ۔۔۔ آج سے قومی ترقی کی پڑے گی داغ بیل

دولت اس تقریب میں در کار خاطر خواہ ہے
قوم کے دلبند کا مکتب ہے بسم اللہ ہے

---

۹۵ اس سال شیعہ کالج کے اساسی جلسے میں سر جیمس میسٹن صاحب گورنر صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ بھی شریک جلسہ ہوئے تھے اور ان کے سامنے چندے کی تحریک شروع ہوئی تھی اور جس طرح تقریب کے موقع پر تحفے خوانوں میں بھیجے اور دکھانے لائے جاتے ہیں اسی طرح خان بہادر سید محمد مصطفےٰ صاحب آئی ایس او مرحوم چودھری اسپیشل منیجر ریاست نانپارہ کی کوشش سے کئی خوان میں کثیر رقوم رکھ کر پس پردہ سے رانی دل افزا بیگم صاحبہ رئیسہ نانپارہ نے شیعہ کالج کی مدد کیلئے اپنا چندہ بھجوایا تھا اور اُس کا سماں اس شعر کے لطف اور دلچسپیوں اور اثر سے بالکل مشابہ تھا

لکھنؤ تیرے نہالستاں کا وہ تازہ شجر
جا کے خسرو باغ میں اک جو لایا ہے ثمر
تیرا ننھا سا سا فروہ ترا لخت جگر
نو برس کی عمر تک پھرتا رہا جو در بدر

گھر میں اپنے آ گیا مکتب نشینی آج ہے
وہ بھی ہے مسرور جو محتاج سے محتاج ہے

لکھنؤ اے اوج ہمت کے تارے لکھنؤ!
لکھنؤ اے قوم کی آنکھوں کے تارے لکھنؤ!
امتحاں کا وقت ہے اے میرے پیارے لکھنؤ!
جیتے ہیں احباب تیرے ہی سہارے لکھنؤ!

شرم رکھ لی تو نے یہ مشکل اگر آسان کی
تیری ہی جانب نظر ہے سارے ہندستان کی

لکھنؤ! جوش حمیت ہے اسی کا مقتضی،
شیعہ کالج کو بنا دے شیعہ یونیورسٹی
کھول دے باب علوم شرقی و مغربی
مذہبی آغوش میں ہو تربیت کل قوم کی

سر پھری سے زمانے کی شکستہ حال ہیں
گلشن اسلام میں ہم سبزۂ پامال ہیں

درد دل کس سے کہیں جب چارہ گر اپنا نہ ہو
غیر سے بدتر ہے بھائی بھی اگر اپنا نہ ہو
مل کے رہنا خوب ہے جب تک ضرر اپنا نہ ہو
ایسے گھر سے فائدہ آخر جو گھر اپنا نہ ہو

اپنے، غیروں کی طرح پرساں نہیں جب حال کے
گھر کے باہر ہی رہینگے ایک چھپر ڈال کے

صحنِ عالم میں ہمیں بھی کوئی کونا چاہیئے　　بیٹھکر بکھرے ہوئے موتی پرونا چاہیئے
ایک حد تک دین و دُنیا کو سمونا چاہیئے　　جزوِ غالب میں نہ لیکن جذب ہونا چاہیئے

اُٹھ کھڑے ہوں کیوں نہ ہم کالج بنانے کیلئے
چنتے ہیں طائر بھی تنکے آشیانے کے لیئے

ہم وہ[۹۵] ہیں ہوتے رہے اوروں کی مشکل میں شریک　　آجتک مانگی نہیں غیروں کے دروازے پہ بھیک
جانتے ہیں اس تہی دستی میں بھی اسکو رکیک　　اپنے ہی بازو ہیں بازو کام اگر دے جائیں ٹھیک

ناخدا موجِ حوادث کا تھپیڑا ہو گیا
یا علیؑ نکلا زباں سے پار بیڑا ہو گیا

---

[۹۵] علیگڑھ کالج وغیرہ کی طرف اشارہ ہے۔

سنہ ۱۹۱۷ء

اجلاس یازدہم شیعہ کانفرنس بمقام لکھنؤ

اس سال شیعہ کانفرنس کے دو اجلاس ہوئے، یہ دوسرا اجلاس ۲۸-۲۹ دسمبر سنہ ۱۹۱۷ء کو بمقام احاطۂ شیعہ کالج یعنی اس جگہ منعقد ہوا جہاں شیعہ کالج کا سنگ بنیاد رکھا گیا تھا۔ اس جلسے کے صدر راجہ سید صغر علی صاحب رئیس قصبہ بنڈراول ضلع علیگڈھ تھے، اور سکرٹری نواب سر فتح علی خاں صاحب، اس جلسے میں مختلف صوبجات ہند کے حضرات علما و رؤسا بہت کثرت سے شریک ہوئے تھے۔ جو پنڈال شیعہ کالج کے جلسہ سنگ بنیاد کے لئے بنایا گیا تھا۔ وہی جلسہ کانفرنس کے لئے کام میں لایا گیا ایک دن سنگ بنیاد رکھنے کے لئے جلسہ قرار پایا، اور سر جیمس مسٹن صاحب گورنر صوبہ متحدہ نے سنگ بنیاد اس جگہ پر اپنے دست مبارک سے رکھا جس کے قریب اب مسلم گرلس اسکول کی عمارت بن گئی ہے، اور شاید لڑکیوں کے قریب ہونے کی وجہ سے اس زمین کو شیعہ کالج کے لئے غیر موزوں خیال کر کے ترک کر دیا گیا، اور شیعہ کالج کی عمارت ڈالی گنج اسٹیشن کے قریب نصیر الدین حیدر بادشاہ کی کربلا کے متصل بنائی گئی،

اس سال کے اہم واقعات میں جو شیعی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں وہ سب شیعہ کالج کی بنا سے متعلق ہیں، ہزارہا مضامین اخباروں میں اور مختلف پمفلٹ کی صورت میں

اس ڈیڑھ سال کے اندر شائع ہوئے، خصوصاً اس مسئلہ پر بہت دنوں بحث رہی کہ شیعہ کالج کس سرزمین پر بنایا جائے۔ لکھنؤ، امروہہ، جون پور، میرٹھ فیض آباد، ڈیرہ دون، خاص مقامات تھے جو زیر بحث رہے۔ لکھنؤ کے خلاف شیعہ کالج نیوز اور دیگر اخباروں میں بہت سخت اشتعال انگیز مضامین شائع ہوگئے کسی صاحب نے بہ قاعدہ ابجد لکھنؤ کے حروف کے اعداد اور (کوفہ) کے اعداد کو مساوی قرار دے کر کافی دلچسپ مضمون تحریر فرمایا۔ بعض حضرات نے واقعات کے لحاظ سے مدلل مضامین تحریر کئے۔

چنانچہ صفی صاحب کی بعض بعض نظموں کے بعض بندوں میں کچھ ان امور کی طرف بھی اشارات ہیں، اس سال کے اجلاس شیعہ کانفرنس میں کوئی خاص اہم رزولیوشن سوائے اسکے پیش نہیں ہوا کہ ملک کی صنعتی ترقی پر نظر کرکے شیعوں کو صنعت وحرفت کیطرف مائل کرنے کے لئے ایک رزولیوشن شیعہ صنعتی نمائش کے قائم کرنے کے لئے پیش کرایا۔ اس سال کے تعزیتی رزولیوشنوں میں مولانا سید کرامت حسین صاحب جج ہائیکورٹ، اور مرزا محمد جعفر صاحب اوج مرحوم کی وفات پر اظہار افسوس کیا گیا۔
تحت جگر اجلاس یازدہم شیعہ کانفرنس بمقام آراضی شیعہ کالج واقع باغ میوہ لال قطب پور پارک بتاریخ ۲۶-۲۹ دسمبر ۱۹۱۷ء بصدارت راجہ سید صغر علی رئیس نیدا ول

❊

لکھنؤ! کیوں چاند کا ٹکڑا وہ تجھکو یاد ہے	گیارھواں یہ آج جس کا جلسہ میلاد ہے
گو ابھی کمسن ہے پھر بھی اتنی استعداد ہے	قوم کالج کھولنے پر مائل امداد ہے

نونہال سرو قامت کو ملی ہے حال میں
سبز بختی سے اراضی باغ میوہ[99] لال میں

یہ شمالی حصہ سب کہتے ہیں جسکو قطب پور
بنگیا ہے آج ہی سے گلشن دار السرور

جذب مقناطیس ہی کالج[100] کے پتھر میں ضرور
وہ بھی دل نزدیک ہے کھنچ آئے ہیں جو کوسوں تھے دور

کیسے موتی گومتی تیرے کنارے جمع ہیں
آسماں ہے یہ زمیں روشن ستارے جمع ہیں

قوم تو فرد عمل اسکو سمجھ پتھر نہیں
کیا یہ پتھر روسپیدی کا تری محضر نہیں

کام دنیا میں کوئی اس کام سے بہتر نہیں
بے گھرا کہتے ہیں اسکو جس کا ذاتی گھر نہیں

آجتک خانہ بدوشوں میں رہا تیرا شمار
نیو ڈالی ہے تو کر تعمیر قصر استوار

کج ہو سکتا ہے جو کچھ کیوں اُسے کل کیجئے
زنگ خوردہ دل کے آئینوں پہ صیقل کیجئے

گتھیاں سُلجھائیے خود مشکلیں حل کیجئے
انتظام نامکمل کو مکمل کیجئے

قوم کی اصلاح کیجئے جو گر بندی یہ چھوڑیئے
منہ دکھانا ہے خدا کو خود پسندی چھوڑیئے

قوم مفلس اور صلاحوں کو زر کی احتیاج
نام سے چندے کے ہوتا ہے لوگوں کو اختلاج

اس مرض کا نسخہ جو بہتر سے بہتر ہے علاج
کر چکا ہوں عرض پہلے اور پھر کہتا ہوں آج

---

۹۹ شیعہ کالج کے لئے پہلے جو اراضی قطب پور میں ملی تھی وہ باغ میوہ لال میں تھی۔ جسکے قریب لڑکیوں کا کالج اور ابلا تھوبرن کالج بنگیا، اسلئے وہ زمین چھوڑ کر ڈالیگنج اسٹیشن لکھنؤ کے قریب شیعہ کالج بنوایا گیا۔

۱۰۰ سنگ بنیاد شیعہ کالج ۱۰۱ مقام شیعہ کالج کے بارے میں کہ کہاں کالج بنے اتنا جھگڑا بڑھا کہ فرقہ شیعہ میں کئی گروہ اور خیال کے حضرات پیدا ہو گئے جو تصفیہ مقام کے بعد بھی مکدر رہے اسیطرف یہ اشارہ ہے۔

قوم شیعہ کی ترقی ہے اگر مد نظر
چاہیے کامل توجہ کالج اور اوقاف پر

چارہ سازادروں کے لیکن آپ خود بیمار ہیں
آپکے اوقاف وقف مصرف اغیار ہیں
آپ کے افراد اکثر فاقہ کش نادار ہیں
ہر طرف پیدا فنائے قوم کے آثار ہیں

ناز تھا جس دولت دنیا پہ وہ کیا ہو گئی
آپ کی گاڑھی کمائی خوان یغما ہو گئی

سو رہے ہیں قبر میں تھا قوم کا جنکو خیال
کر دیا تھا وقف ملت پر جنھوں نے اپنا مال
دیرش تخم عمل کے وقت کب تھا احتمال
کھیتیاں انکی زمانہ یوں کرے گا پائمال

کیا خبر تھی ہاتھ سے جبدن لگائے تھے شجر
پھل اُڑا لیجائینگے اُن کے ہزاروں مفت بر

کونسا وقف آپکا ہے نکتہ چینی ہو معاف
جسکی تعمیلیں نہیں منشائے واقف کے خلاف
خوش ہے گلچیں باغبانوں میں ہے باہم اختلاف
کیجیے کانٹوں سے ٹھکرا کے گلشن کا صاف

جتنی رقمیں شعبۂ تعلیم کے ہوں پائے نام
لیجیے کالج میں انکو کیجیے خود انتظام

دس برس سے آپ ہیں اصلاح پر باندھے کمر
کیا کیا اسوقت تک فرمایئے کچھ مختصر
شعبۂ اوقاف تھا در اصل نخل بارور
آپ اگر کرتے ریاض اُس پیر تو ہاتھ آتا ثمر

عن۱۰۲ اشارہ اُن واقعات کی طرف ہے جن کی تحت میں شیعہ اوقاف سے دوسری قومیں اور فرقے فائدہ اُٹھا رہے ہیں خصوصیت کے ساتھ وقف حسینیہ ہوگلی اکی ایک دردناک مثال ہے۔

خود نہ کیجئے کوششیں قسمت کا رونا روئیے
کھو چکے کھونا تھا جتنا وقت اب کیوں کھوئیے

ہر درخشاں وقف ہی گور غریباں کا چراغ — گُل نہ ہونے دو اسے تم ہو اگر روشن دماغ
ہے فروغ سعی پر موقوف شیعوں کا فراغ — جائے[103] کیوں غیروں کے قبضے میں تمہارا خاص باغ

قوم کی اوقاف سے خدمتگذاری کیجئے
ان کنوؤں سے اس چمن کی آبیاری کیجئے

ورنہ ان پر جوش جلسوں[104] سے نہیں کچھ فائدہ — کشت کو پانی کے ریلوں سے نہیں کچھ فائدہ
کام ہو خالی جھمیلوں سے نہیں کچھ فائدہ — ان تماشوں اور کھیلوں سے نہیں کچھ فائدہ

اس سے کیا رسما جو سالانہ گرہ پڑتی رہے
تین[105] دن بے سود بحثیں ہوں زباں لڑتی رہے

دل کے اندر جمع کیوں گرد کدورت کیجئے — نصب کیوں کعبہ میں اک مٹی کی مورت کیجئے
سینہ آئینہ ہے پیدا وہ صورت کیجئے — مجلس شوریٰ[106] طلب عند الضرورت کیجئے

جو مفید قوم ہو وہ کام کرنا چاہئے
رائے آزادانہ دینے میں نہ ڈرنا چاہئے

ع ۱۰۳ وقف مقبرہ امجد علیشاہ بادشاہ اودھ واقع حضرت گنج لکھنؤ کا سلاس زمانے میں پیش تھا، اور غیر اسکو لینے کی فکر میں تھی اسلئے یہ تحریک ہوئی تھی کہ اگر شیعہ کالج کو مل جائے تو اس کا فائدہ قوم کو پہونچے مگر دیا نہ گیا اسطرف اشارہ ہے۔

ع ۱۰۴ مراد اجلاس شیعہ کانفرنس۔

ع ۱۰۵ یہ اشارہ ہے اس تحریک کی طرف کہ بے ضرورت سالانہ اجلاس کانفرنس کرنا بے سود ہے جب ضرورت ہو یعنی اگر سالانہ ضرورت ہو تو سالانہ جلسہ ہو اور نظریات اور بحث کے علاوہ عمل میں قوت صرف کرنا چاہئے۔

قومیت کیسی جہاں ہر فرد ہو ذات شریف　　انہیں بھی گرگ آشتی باہم گر ہیں جو حلیف

غل غپاڑہ ہر طرف یہ غول اس دل کا حریف　　دیکھ کر ہنگامہ یاد آیا صفی قول ظریف

"مجمع عشاق میں جو تھا سڑی دیوانہ تھا"

"گھر کسی کا کیا تھا اچھا خاصہ پاگل خانہ تھا"

لکھنؤ اے کشتۂ شمشیر نگاہ دوستاں　　خستۂ تیر ملامت بسمل تیغ زباں

دل نہ تھوڑا کر کہ دنیا ہے مقام امتحاں　　خدمت دینی کے دیتے ہیں صلے کچھ قدرداں

گر بنا اے شیعگی تجھ سے مونس ہے تو کیا

تو اگر دارالعزائے شاہ بیکس ہے تو کیا

کثرت افراد شیعہ ہے اگر تجھ میں تو ہو　　شیعہ شیعہ سب برابر سو ہوں یا ہوں ایک دو

مجتہد گر ہیں تو کیا ان کی ضرورت قوم کو　　دہر قائل ہے بیان واعظان تلخ گو

جب ہیں خود مختار کیوں مجبور رہنا چاہیے

ان کی نزدیکی سے کوسوں دور رہنا چاہیے

ہے اگر تجھ میں مزار حضرت غفراں مآب　　یا قبور دیگر اصحاب کمالات انتساب

زندوں کو مردہ پرستی سے ہے لازم اجتناب　　تیری ان باتوں میں پڑ کر کیوں کریں مٹی خراب

عہ اس سال اخباروں میں یہ بحث چھڑی تھی کہ آیا شیعہ کالج امروہے میں بنے یا لکھنؤ میں یا کہیں اور۔ لکھنؤ میں شیعہ کالج بنانے کی تجویز کے مخالفین نے جو باتیں اپنے رسالے میں شائع کی تھیں جس کو مینوفسٹو کہا جاتا ہے ان بندوں میں مخالفین کی باتوں کی اس طرح تردید کر دی گئی ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ محض اظہار امر واقعی کیا گیا ہے۔ یہ موافق و مخالف رسالے اور جسٹس مٹن صاحب گورنر کا فیصلہ اگر کہیں ملے تو ان بندوں کے ساتھ قابل دید ہے۔

قدر ان باتوں کی جب تھی وہ زمانہ لد گیا
کار فرما لد گئے ، وہ کارخانہ لد گیا

پاک روضوں کی شبیہیں بھی بکثرت ہیں مگر
مذہبی جلسوں کی شرکت سے ہے دنیاوی ضرر
ہیں یہ مانا خوشنما شاہی عمارات اسقدر
دیکھنے سے جنکے دل پر خاص ہوتا ہے اثر

لیکن ان چیزوں سے کیا تعلیم گہ کو واسطہ
پچھلے افسانوں سے اس قوم تبہ کو واسطہ؟

منہ سے نکلے چھوٹتے گالی نہ جبتک بات کیا
علم مجلس سیکھ کر ضائع کریں اوقات کیا
ہر جگہ اردو ہے یکساں شہر کیا دیہات کیا
لغو ہے فیضانِ صحبت اسکے تاثیرات کیا

اسکے معنی کیا نہیں "دل اب جاتا ہے کہاں"
جسکے بھی منہ میں زباں ہو ہے وہی اہلِ زباں

مستند تیری زباں ہو لیکن اس سے بحث کیا
فرق کیا ہے نرم ہو یا سخت ہو لہجہ ذرا
چیزیں سب ملتی ہیں ارزاں تو اس سے فائدہ
عالم اسباب ہے دنیا مسبب ہے خدا

حفظ صحت میں ترقیات روز افزوں فضول
ضلع چھوٹا ہے بڑا ہے شہر کا گو عرض طول

مومنانِ ذی وجاہت جنکے گردوپیش ہیں
کیا مدد کالج کو دیں گے آپ ہی دل ریش ہیں
شہر کے اندر جو دولتمند یا درویش ہیں
لاابالی ہیں بظاہر گو عقیدت کیش ہیں

مجلس شوریٰ جو قائم کی انھوں نے تفاق
شیعہ کالج کا تخیل شاعرانہ اک مذاق

گو تری آب و ہوا بیرونیوں کو راس ہے
آبگینہ تربیت سے پارۂ الماس ہے

مدعی کو اس پہ بھی گھیرے ہوئے وسواس ہے
بے حسی ہر بات سے اتنا فقط احساس ہے

کوچۂ گیسو ہے تیری پارچے[۱۰۷] والی گلی
چوک[۱۰۸] کے کمروں پہ ہے تعلیم درس داخلی

اس سے کیا ہوتا ہے تو یو پی کا مرکز ہی سہی
گارڈن[۱۰۹] آف انڈیا مشہور ہے یہ بھی سہی

عام صحت ضلع کی آب و ہوا اچھی سہی
خاک دامنگیر دلکش تیری آبادی سہی

شیخ کو مسجد برہمن کو ہے بتخانہ پسند
یہ خواص طبع بندے کو ہے ویرانہ پسند

کہتے رہتے ہیں یہاں حکام بالادست پھر
اس سے کالج کو تعلق؟ کیوں ہو تم اتنے مصر

ہیں اگر تعلیم گاہیں اور بھی ہوں گی مضر
کیا ضرورت ہے اگر بستی ہوئے ہیں مقتدر

کام کرنے والے مل سکتے ہیں کثرت سے یہ خوب
کیا نہ ملنا اُن کا ہوگا داخل ذیل عیوب؟

ریل کا تو ہے عظیم الشان اسٹیشن تو ہو
پاک ہے کانٹوں سے تیرا گوشۂ دامن تو ہو

جعفری بھولونکا گر ہے خوشنما گلشن تو ہو
تعزیہ داری کا بھی ہے مرکز و مامن تو ہو

مرکزیت کو ضرر پہونچے گا پہونچے ہمکو کیا
گھر بنائیں ہم نہ ڈھا کر قلعۂ محکم کو کیا

ع۱۰۷ لکھنؤ کی ایک گلی کا نام ہے۔

ع۱۰۸ لکھنؤ کے چوک کی دوکانوں کے اوپر جو کمرے ہیں اُن پر زیادہ تر طوائف مقیم ہیں۔

ع۱۰۹ گارڈن آف انڈیا لکھنؤ کو بوجہ پارک کی کثرت کے کہتے ہیں۔

تیری موجودہ ترقی دل کو ہے تکلیف دہ — مثل اپنے چاہتے ہیں تجھکو دیکھیں کوردہ
اپنی ہی ٹوٹی کماں پر ہم چڑھائیں کیوں نہ زہ — ہمکو مطلب کیا تجھے بتلائیں آخر کیوں زدہ
دین کی تونے حفاظت کی تو ہم کو فائدہ
دنیوی حاصل وجاہت کی تو ہمکو فائدہ

ہند کے شہروں میں تو ہر چند چوتھا[۱۱۰] شہر ہے — تیرا دریا تو مگر ندی ہے بلکہ نہر ہے
تیری سرسبزی بظاہر تیرے حق میں زہر ہے — کہتے ہیں اہل نظر تو انتخاب دہر ہے
اعتدال ایسا سقا موسمیں بہت کم ہے کہیں
گرم[۱۱۱] جنت ہے کہیں ٹھنڈا[۱۱۲] جہنم ہے کہیں

خلق میں تہذیب میں تو شہرہ آفاق ہے — یہ تری شائستگی اکثر دلوں پر شاق ہے
ناتواں بینی ہے یا کمزوری اخلاق ہے — ورنہ دل منصف مزاجوں کا ترا مشتاق ہے
اہل دل جائیں کہاں ایسے چمن کو چھوڑ کر
لوگ آتے ہیں جہاں اپنے وطن کو چھوڑ کر

خم کریں سر تیرے آگے یہ زمانہ وہ نہیں — اپنی ڈفلی اور اپنا راگ ہے اب ہر کہیں
جو بلاد ہند تھے خرمن سے تیرے خوشہ چیں — اب انھیں پروا نہیں تیری برب العالمیں
اس سے بہتر کون ہے احسان کی تیرے جزا
یاد کرتے ہیں بالفاظ رکیک و ناسزا

عـ۱۱۰ بلحاظ آبادی لکھنؤ کا نمبر چوتھا ہے۔

عـ۱۱۱ مراد، آگرہ جہاں شیعہ کالج بنانے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

عـ۱۱۲ مراد، دہرہ دون جہاں شیعہ کالج بنانے کے لئے کچھ حضرات نے تجویز پیش کی تھی۔

ہمعدد کوفے[۱۱۳] کا تو ٹھہرا خدا کا شکر کر
جس جگہ تختِ خلافت پر علی تھے جلوہ گر

اور یہ مضموں بھی ہے درج حدیثِ معتبر
معدلت آرا وہیں ہوں گے امام منتظر

کی گئی ہے بحث جتنی بھی بعنوانِ جدید
ابتدا سے انتہا تک ہے ترے حق میں مفید

ہنس کے فرماتے ہیں یوں جنکی طبیعت برق ہے
لکھنؤ جس میں ہے نکہت کے کنوئیں میں غرق ہے

شہر بھر میں فاقہ مستی غرب سے تا شرق ہے
کر صفی عرض اُنسے حضرت پھر سمجھ کا فرق ہے

ہوں جہاں جیسے وہیں پر شیعہ کالج چاہیے
پاس ہی بیمار کے اس کا معالج چاہیے

فاقہ کش ایسے کہ جو ہیں زندگی سے اپنی سیر
کیا اڑائیں گے کبوتر کیا لڑائیں گے بٹیر

کھا کے بالائی کیا کرتا تھا رستم کو جو زیر
غول وہ فیونیونکا ہو گیا قبروں میں ڈھیر

اب کہاں وہ دہستاں گو جسے حاصل ہو فرح
ملتے ہیں ڈھونڈھے سے آثارِ قدیمہ کی طرح

چھوڑ کر کج بحثیاں مطلب پر اپنے آئیے
جس طرح ممکن ہو کالج جلد تر کھلوائیے

ہے اگر چھوٹی سی چادر پاؤں کیوں پھیلائیے
ابتدا ایف اے سے کیجیے تو نہیں گھٹتی جائیے

پہلے قیصر باغ میں کیننگ کالج جسمیں تھا
وہ مکانِ آخر بطورِ عادت ہے کیا برا

---

۱۱۳ لفظ کوفہ کے عدد (۱۱۱) اور لکھنؤ کے عدد بھی ۱۱۱ ہیں لکھنؤ میں کالج نہ بنائے جانے کے وجوہ میں کسی ستم ظریف نے یہ وجہ بھی تحریر کی تھی۔

سنہ ۱۹۱۸ء

اس سال کوئی اجلاس شیعہ کانفرنس کا منعقد نہیں ہوا۔

سنہ ۱۹۱۹ء

اجلاس دوازدہم شیعہ کانفرنس بمقام آگرہ

اس سال کا جلسہ زیر صدارت خان بہادر سید محمد ہادی صاحب کلکٹر فتحپور منعقد ہوا، یہ جلسہ شہید ثالث کے مزار کے متصل ۱۹ لغایۃ ۲۱ اپریل سنہ ۱۹۱۹ء منعقد ہوا،

شیعہ کانفرنس کے سکریٹری نواب فتح علی خاں صاحب اس سال تھے، اِس سال کے خصوصیات میں ایک بات یہ ہے کہ شاید سب سے پہلی نمائش شیعوں کے مصنوعات کی زیر انتظام شیخ ممتاز حسین جونپوری سکریٹری شیعہ صنعتی نمائش منعقد ہوئی اور تمام ہندوستان کے دور دور شہروں کی مثل کشمیر وغیرہ کے شیعوں کی دستکاری کی چیزیں یکجا کی گئیں۔

اس سال کے رزولیوشنوں میں خاص رزولیوشن یہ تھا کہ ڈاکخانے میں تعطیل محرم کا اضافہ کیا جائے، حسین آباد لکھنؤ کے شاہی اوقاف کے قانون میں ترمیم کی جائے، شہید ثالث کے مزار کی تعمیر وغیرہ میں ترقی اور سرمایہ بہم پہونچا کر وظائف دیے جائیں، شیعہ کانفرنس میں ایک تنخواہ دار اسسٹنٹ سکریٹری رکھا جائے۔

اس سال لکھنؤ کی مشہور کربلائیں وغیرہ آثار قدیمہ کے تحت میں آئیں۔ عدالت دیوانی کا مقدمہ اپنے خرچے سے خان بہادر سید مہدی حسن صاحب لڑے اور تال کٹورے کی کربلا کو عدالت سے وقف قرار دلایا۔ مسجد تحسین علی خاں واقع لکھنؤ

کے متعلق دعوے دائر ہوا، اس سال شیعہ کانفرنس میں جن شیعہ مقتدر ہستیوں کی وفات کے رزولیوشن پیش ہوئے ان میں جناب مولانا سید محمد حسین صاحب قبلہ مجتہد پریسیڈنٹ اجلاس شیعہ کانفرنس منعقدہ بنارس جناب مولانا سید غلام حسنین صاحب علامہ کنتوری، مولانا سید محمد صاحب خلف جناب نجم الملۃ، نواب سید محمد صاحب رئیس مدراس پریسیڈنٹ اجلاس ہفتم شیعہ کانفرنس، جناب حامد علی خاں صاحب بیرسٹر اور سید مصطفےٰ میرزا عرف پیارے صاحب رشید کی وفات حسرت آیات ہے، شیعہ کالج کے چندے اور اس کے ڈیپوٹیشن کا اس سال بھی زیادہ زور شور رہا، عام رواج یا قومی فیشن کے طور پر کچھ حضرات قومی کارکنان کو بدل کرنے میں دلچسپی لیتے رہے مگر علما اور جدید تعلیم یافتہ دونوں نواب فتح علی خاں صاحب کے حسن سلوک کی وجہ سے ایک شیرازے میں منظم نظر آتے تھے۔

تاج محل آگرہ

سبزہ زار آگرہ، اے خطۂ مینو سواد — ہر عمارت ہی تری اک جنت ذات العماد
خاصکر وہ تاج فی الواقع جو ہی تاج البلاد — جنت شداد بھی جسکی کنیز خانہ زاد

دیکھکر سیر اس کی دنیا سے گذرنا سہل ہو
مقبرہ ایسا جو ملجائے تو مرنا سہل ہو

وہ صفائے بام و در جس پر پھسلتی ہو نظر — وہ لطافت گرد جسکے سامنے آب گہر
وہ صباحت زرد جس ہو عارض شمس و قمر — شیشۂ دل میں سما جائے نزاکت اس قدر

موم پتھر بن گیا اللہ رے گل کاریاں
پھول ہیں نازک رگیں پتی میں نازک دھاریاں

اے زہے صنّاعیِ صنّاعِ صنعت آفریں — تاج یا ترشا ہوا مہرِ سلیماں کا نگیں
منفعل رو کار سے تحریرِ چشمِ سُرمگیں — سنگِ موسیٰ کے حروف اور سنگ مرمر کی زمیں

نور و ظلمت میں بہم جب خوب گاڑھی چھن گئی
آنکھ کی پُتلی سفیدی میں سیاہی بن گئی

مرتفع در خوشنما محراب کتبہ دل پسند — اے خوشا طالع جو اسکی دید سے ہو بہرہ مند
شانِ خط صیدِ نظر کیواسطے گویا کمند — تحت سے تا فوق کُل حرفوں کے یکساں جوڑ بند

اک عبادت ہے نظارہ اس نشیمن گاہ کا
جوشنِ بازدے در، سورہ کلام اللہ کا

اولاً نقار خانے کی عمارت دیکھیے — آئیے پھر باغ میں رقبے کی وسعت دیکھیے
کیاریوں پر باغبانوں کی ریاضت دیکھیے — پھول چنیے اور پھولوں کی نضارت دیکھیے

یوں نہ روضے کی طرف قصدِ زیارت کیجیے
نہر میں پہلے نگاہوں کی طہارت کیجیے

سُرخ پتھر کی زمیں دوزا یک نہرِ مستطیل — صدر دروازے سے کرسی تک بعنوانِ جمیل
بیچ میں اک حوض یا کوثر برو ئے سلسبیل — صاف جسکی پٹریاں ترشا ہوا دندانِ فیل

دیکھیے زینوں پہ چڑھ کے خود پسندی حوض کی
نہر کی پستی پہ ہنستی ہے بلندی حوض کی

نہر کے دونوں طرف سرو گلستاں کی بہار — کہکشاں کے پہلو ونمیں سبز پوشوں کی قطار

حوض میں فوّارے اور اُن سے یہ معنی آشکار　　صورتِ آبِ رواں ہی ہستی ناپائدار

ہے ترقی سے تنزل پر زمانہ دیکھ لو

اہلِ ہمت یوں لٹاتے تھے خزانہ دیکھ لو

روئے گیتی کے لئے یہ تاج ہے تاجِ شرف　　ماہِ کامل میں کلف ہر برج اسکا بے کلف

جوش زن موجِ بہارِ لالہ و گُل ہر طرف　　گُل بھی غنچے بھی صراحی در بغل ساغر بکف

مستیوں کے زور میں ہشیاریاں بھولی ہوئی

نرگسِ شہلا کی آنکھوں میں شفق پھولی ہوئی

گلفشانی دو مزاروں پر جو ہے مدِ نظر　　غرقِ گُل ہیں گلفروشانِ گلستاں تا کمر

شہجہان و بادشہ بیگم یہیں باکر و فر　　سو رہے ہیں آہ گہری نیند فرشِ خاک پر

سینے خاموشی کے پردے میں عجب تقریر ہے

شہجہانی ذوق کی اک بولتی تصویر ہے

گردِ سبزہ بیچ میں اک روضۂ سنگِ رخام　　عرش خود کرسی کو جسکی جھک کے کرتا ہے سلام

چار جانب چار گلدستے سر افرازِ قیام　　ارتفاعِ چرخِ ہفتم ہر ستوں کے پائے نام

واہ کیا سرشار نہریں واہ کیا گلزار ہے

رو کشِ "جنّاتِ عدن تحتہا الانہار" ہے

صاف جس گنبد کی شہرت قاف سے تا بہ قاف　　بیضۂ سیمرغ کیوں کہئے غلط گیری معاف

نور کا قبہ سمجھئے آپ اسے بے اختلاف　　اطلسِ افلاک کے جس پر چڑھے ہیں نو غلاف

گوش زد ہے یہ صدا ہر گوشۂ آفاق سے

خُمِ افلاطون لبالب ہے مئے اشراق سے

یہ سرِ گنبد کلس اور اس کلس پر اک ہلال — یا ترنج و تیغ بہر جلوہ مستانِ جمال
مصر دنیا میں وہ یوسف ہو یہ قصرِ بے مثال — ہے طلوعِ صبحِ محشر حسن کا جسکے زوال
ان سنہری گمزیوں میں دیکھکر زریں کلس
کہہ رہا ہے دورِ چرخ اللہ بس باقی ہوس

جو بھی ہوں معمار اسکے کسقدر تھے تازہ کار — کر دیا پتھر کو موتی سے زیادہ آبدار
دونوں جانب جالیوں میں مختلف نقش و نگار — پھر وہ بل کھائی ہوئی بیلوں میں اک جوشِ بہار
منہ بندھی کوئی کلی کوئی کلی کھلتی ہوئی
پھول کی ہر پنکھڑی سے پنکھڑی ملتی ہوئی

تاج بی بی کا یہی روضہ ہے جا کر دیکھئے — کم سے کم گر دیکھنی ہے سیر دن بھر دیکھئے
برج پر چڑھ جائیے جمنا کا منظر دیکھئے — کسطرح کاٹا ہے اس دریا نے چکر دیکھئے
حسن کی نیرنگیوں کا بسکہ دورا دور ہے
صبح کو کچھ اور ہے یہ شام کو کچھ اور ہے

لطفِ نظارہ یہ کہتا ہے شبِ مہتاب میں — کیا حباب اٹھا ہوا ہے چشمۂ سیماب میں
ماہِ نخشب سے کہیں بہتر ہے آب و تاب میں — عقل پھنس جاتی ہو جسکو دیکھکر گرداب میں
چھوٹ پڑتی ہے نگینوں کی تو آتا ہے نظر
بے جھجک چوٹیں ستارے کر رہے ہیں ماہ پر

روز بالمرہ یہاں وقتِ غروبِ آفتاب — چومنے قبروں کو ہوتی ہے شعاعِ باریاب
کیا خبر اسکی مگر ان کو جو ہیں سرمستِ خواب — گلفشانی کس نے کی کس نے صفی چہر کا گلاب
کی نسیمِ صبح نے دم بھر جو دلجوئی تو کیا

رات بھر شبنم سرِ گنبد اگر روئی تو کیا

تاج ہو یا اعتماد الدولہ[۱۱۴] ہو یا قلعہ ہو
سب ہیں عبرت کے مرقعے جسکو چاہو دیکھ لو

سیکری[۱۱۵] پھر دیکھنا اسکندرے[۱۱۶] پہلے چلو
دیکھنے قبرِ جلال الدین اکبر شاہ کو

مقبرہ اللہ اکبر کیا عظیم الشان ہے
آستانے پر جلالت آجتک دربان ہے

آگرے کا شہر ہے اک شاہدِ نوخاستہ
زیوروں سے حسنِ تعمیرات کے آراستہ

کھینچتا ہے راہ گیروں کے دلوں کو آہستہ
آنیوالے کیوں نہ جائیں بادلِ ناخواستہ

عہد اکبر میں یہ تھا اے ہند تیرا پایۂ تخت
اُڑ گئے مرغانِ گلشن رہ گئے خالی درخت

میر و غالب شاعری کے آفتاب و ماہتاب
فیضی و بوالفضل نظم و نثر جنکی انتخاب

وہ نظیر اسوقت تک ہر طرح جنکا لاجواب
ان سبھوں کو ہے اسی معنی کدے سے انتساب

شہر بھر میں سلسلہ ہے حسنِ تعمیرات کا
آگرہ گویا کہ اک "البم" ہے تصویرات کا

عـ۱۱۴ اعتماد الدولہ وزیر تھے جنکے متعلق عمارات شاہی کی تعمیر تھی، مخصوص ہنے ایک اور عمارت تیار کرائی تھی جسمیں بعد کو خود دفن ہوئے اور آگرے میں وہ عمارت انھیں کے نام سے مشہور ہے۔

عـ۱۱۵ آگرے کی ایک تحصیل فتحپور سیکری ہے جہاں جہانگیر بادشاہ کے پیر حضرت سلیم چشتی کا مزار ہے اور وہ مکانات ہیں جنمیں ابوالفضل و فیضی رہتے تھے۔

عـ۱۱۶ اسکندرہ یا سکندرہ آگرہ شہر سے چھ میل پر ایک مقام ہے جہاں اکبر بادشاہ کی قبر ہے۔

تر زباں موجوں سے جمنا کا لب تقریر ہے　　منتخب ہے آگرہ بے مثل ہر تعمیر ہے
ہند کے عہد جوانی کی یہی تصویر ہے　　اب بھی دیکھو جب زوالِ حسن عالمگیر ہے
رُخ بھی آئینہ ہے قلبِ بے کدورت کیطرح
معنویت بھی یہاں ہے حسنِ صورت کیطرح

اہل دانش پردۂ آفاق کہتے ہیں جسے　　دنیوی و اُخروی دو رُخ ہیں اس تصویر کے
ظاہری رُخ تھا جو اسکا وہ تو ہم دکھلا چکے　　ہوں اگر مشتاق آنکھیں باطنی رُخ کیلئے
آیئے چلئے اک آوارہ وطن کی قبر پر
فاتحہ پڑھ دیں شہیدِ بیکفن کی قبر پر

کھا رہا ہے جوش جسکا خونِ ناحق آجتک　　سلسلہ پہونچا ہوا ہے صاحبِ معراج تک
فیض جاری ہر غنی تک بندۂ محتاج تک　　چومتے ہیں اسکی چوکھٹ صاحبانِ تاج تک
دینِ حق روشن کیا یہ وہ خدا کا نور ہے
نام نور اللہ[ع۱۱] نقشِ پا چراغِ طور ہے

جبکہ بھی باغِ تشیع پہ خزاں آئی ہوئی　　جو کلی بھی اس گلستاں میں وہ مرجھائی ہوئی
قوم کے افسردہ دل پر مردنی چھائی ہوئی　　ایک دم سے جلوہ گر شانِ مسیحائی ہوئی
سُست جو رگ تھی اُسے برقِ جہندہ کر دیا
خون دوڑا کر تنِ مردہ کو زندہ کر دیا

ع۱۱ قاضی نور اللہ صاحب شوستری اعلی اللہ مقامہ عہد جہانگیر میں قاضی القضاۃ تھے، مذہبی تعصب کیوجہ سے اس شیعہ جید عالم دین اور کثیر تصانیف کے مصنف کا قتل بحکم جہانگیر وقوع میں آیا۔ آگرے میں ان کا مزار مرجع خلایق ہے اور مزارِ شہید ثالث کے نام سے مشہور ہے۔

ہند میں جرم تشیع پر بہا تھا جو لہو ۔ شاہد ایماں ہے اس غازیسے ابتک سرخرو
شمع کشتہ کی ضیا پھیلی ہوئی ہے چار سو ۔ ہے زبان خلق پر افسانۂ تیغ و گلو

سنگریزوں میں جو اک الماس پیدا ہو گیا
قومیت کا قوم میں احساس پیدا ہو گیا

اللہ اللہ قصر دیں اور اسکی یہ تیاریاں ۔ ہر طرف خون شہید ظلم سے گلکاریاں
خوف پر غالب نہ آجائیں اگر خودداریاں ۔ صورت حرف غلط مٹتیں نہ سہل انگاریاں

خامۂ معنی رقم بے مثل پر جیں ساز تھا
نقش حق ہر دل میں راسخ ہو یہی اعجاز تھا

ساقیا دور شراب اک نور کی محفل میں ہے ۔ دیر سے کاسہ گدائی کا کف سائل میں ہے
نشۂ اخلاص قاضی اپنی آب و گل میں ہے ۔ یہ وہ مے ہے جسکی عظمت قدسیوں کے دل میں ہے

کمسنی رخصت کہ اب آیا ہے پیغام شباب
بارہویں منزل میں ہے نام خدا اک آفتاب

یاد ہے کیوں قوم وہ اپنا تجھے لخت جگر ۔ پھر رہا ہے آہ بارہ سال سے جو در بدر
دل ہی کچھ واقف ہے اُس سے کیا بتائیں چارہ گر ۔ پرورش میں آجتک زحمت اٹھائی کسقدر

بندوبست اس کے لئے ہر قسم کی تعلیم کا
انتظام سلطنت گویا ہے ہفت اقلیم کا

بارہ کالج کھولتا تھا کوئی شیعہ دس کوئی ۔ سب نے مل کر آجتک لیکن نہ کھولا ایک بھی
وعدہ بارہ لاکھ کا تھا نصف میں بھی ہے کمی ۔ صرف باتیں ہیں زباں خالی ہے بارہ ہاتھ کی

اس قدر بحثیں جو ہوا اس قوم سے ہونا ہے کیا

ہے یہی رونا ہمیں اس کے سوا رونا ہے کیا

بارھویں سال آپ چونکے خیر چونکے تو سہی
یعنی اک شیعہ نمائش گاہ کھولی صنعتی[۱۱۸]
مجلسِ شوریٰ میں تھی جزوِ ضروری کی کمی
قوم کے صنّاع طبقے سے وہ پوری ہو گئی

لیکن اے ہمتورو! لفظی نمائش ہی نہ ہو
جوش میں ہو اصلیت خالی نمائش ہی نہ ہو

کہہ رہا ہے ایک مدت سے یہ عبدِ خیر خواہ
شدّتِ افلاس سے ہے قوم کی حالت تباہ
صنعت و حرفت میں تم پیدا کرو کچھ دستگاہ
جب کہیں شاید پڑے شائستہ قوموں کی نگاہ

دامنِ ملّت سے غفلت کا نہ دھبّا دھل سکا
کارخانہ کھل سکا ابتک نہ کالج کھل سکا

باہمی آویزشوں سے تم کو فرصت ہی نہیں
غیر آخر کیا کہیں گے اسکی غیرت ہی نہیں
کام کوئی کر سکو گے یہ عادت ہی نہیں
جو بزرگوں میں تمھارے تھی وہ سیرت ہی نہیں

کارنامے پچھلی تاریخیں اٹھا کر دیکھ لو
یادگاریں آجتک قائم ہیں جا کر دیکھ لو

کچھ خبر ہے تجھ کو اے قومِ گرامی منزلت
کون تھا وہ شاہِ ایراں[۱۱۹] آفتابِ معدلت

---

۱۱۸ اس سال پہلی بار شیعہ صنعتی نمائش کا انعقاد مسافرخانہ مزار شہید ثالث کی عمارات میں ہوا اور اسکے بانی شیخ ممتاز حسین صاحب جونپوری سکریٹری تھے۔

۱۱۹ شیر شاہ سوری نے جب ہمایوں بادشاہِ ہندوستان سے سلطنت چھین لی تو ہمایوں کچھ شیعہ ایرانیوں کی مدد کو شاہ طہماسپ صفوی بادشاہ ایران کی خدمت میں گئے اور ان کی خدمت میں جو عرضداشت پیش کی تھی اس کا آخری شعر یہ ہے سے التماس از شاہ ایں دارم کہ با من آں کند ۔ آں چہ با سلماں علی در دشت ارژن کردہ است
شاہ ایران نے مدد کی اور ہمایوں کو دوبارہ سلطنت نصیب ہوئی، اسی احسان کی طرف اشارہ ہے۔

دی مدد جس نے ہمایوں کو بوقتِ مسکنت　　پا گیا کھوئی ہوئی ہندوستاں کی سلطنت

کون بیرم خاں تھا وہ اکبر کا جو حامی بنا
باغبانِ نزہتِ گلزارِ اسلامی بنا

شاہ نور الدین کا دستورِ اعظم کون تھا　　مقبرہ جسکا ہمیں قایم ہے سنگِ سرخ کا
خود عمارت دے رہی ہے حسنِ طینت کا پتا　　کسقدر نازک مبتّت کاریاں ہیں خوشنما

کون تھا آخر شہاب الدیں محمد کا وزیر
بو الحسن نوّاب آصف خاں امیر ابن امیر

سیکڑوں ایسی مثالیں ہیں اگر گنوائی جائیں　　دیکھکر قومی تنزّل کیوں نہ پھر آنسو بہائیں
غم سے ہے جو دل کی حالت وہ تمھیں کیونکر دکھائیں　　جب اثر ہوتا نہیں آخر کہاں تک گڑگڑائیں

شاہراہِ دہر میں بیٹھے اگر سستاؤگے
رفتہ رفتہ صورتِ نقشِ قدم مٹ جاؤگے

ہر کس و ناکس بزعمِ شخصیت بدمست ہے　　جرگہ بندی کا شباب و ضعیفیں بندوبست ہے
ہے بلندی پر نظر ہر چند فطرت پست ہے　　حملۂ شیرانہ کب اک آہوانہ جست ہے

محسنوں[۱۲۰] سے قوم کے بیکار منہ پھیرے ہوئے
سعیٔ میدانِ عمل میں چوکڑی بھولے ہوئے

---

۱۲۰ اس سال کچھ ایسے اختلافات پیش آئے کہ بعض قومی کارکنوں کے خلاف کئی ایک پمفلٹ سوال و جواب کی صورت میں نکلے اور نواب فتح علی خاں صاحب مرحوم کسی وجہ سے شریک اجلاس نہ ہوسکے، انھیں باتوں کی طرف اشارہ ہے۔

بے غرض بے لوث اگر ہو نکتہ چینی خوب ہے　　دیدۂ انصاف میں یہ خال و خط محبوب ہے
حرف گیری کا یہاں کچھ اور ہی اسلوب ہے　　معترض بنکر دل آزاری فقط مطلوب ہے
پھبتیاں بکری جو چر جائے تو بے الزام ہے
اونٹ[۱۲۱] ہی بیچارہ سارے شہر میں بدنام ہے

بندہ پرور کام از راہِ عنایت جانچیے　　کارکن جو شخص ہو اُس کی لیاقت جانچیے
آپ محنت جانچیے چاہے دیانت جانچیے　　اس سے کیا حاصل کہ عرض و طولِ قامت جانچیے
کام جو ہوتا ہے وہ کیسا ہے اچھا یا بُرا
بوٹ[۱۲۲] پہنے سوٹ پہنے کوئی ہم کو اس سے کیا

ہو نظامِ قوم کی بد نظمیوں کا کیا بیاں　　اک جماعت کو شُتر آساموں کی مستی[۱۲۳] و سرگراں
جا رہی ہے سر اُٹھائے پر خدا جانے کہاں　　جو بھی ہے اس کارواں میں وہ ہی میرِ کارواں
اپنی خاطر میں کسی کو کوئی لاتا ہی نہیں
لاکھ سمجھاؤ سمجھ میں انکی آتا ہی نہیں

---

۱۲۱ مقدمے میں اس کا کچھ ذکر ہے.

۱۲۲ اشارہ اس معرکۃ الآرا اور مشہور نظم کے مضامین کی طرف ہے جس میں کہا گیا ہے سر پہ ستارِ فضیلت پاؤں میں ٹُرن کا بوٹ + نیچے جنٹلمین اوپر صورتِ زہادِ قوم" اور جس کا ایک شعر یہ ہے۔ "کعبۂ کالج کی جانب تو ڑ کر اپنی نکیل. بلبلاتا آرہا ہے اشترِ بغدادِ قوم" سنتے ہیں کہ اس شعر کے متعلق دو طویل القامت بزرگ میں ایکبار جھگڑا ہوا اور ہر ایک اسکو اپنے حریف کا محل قرار دیتا تھا، خدا جانے کیا طے ہوا، بہر حال یہ بند ایک ہدایت نامہ ہے کہ کچھ کام کی باتیں کرنا چاہیئے۔

۱۲۳ بہت سی انجمنیں جو الگ الگ قائم ہوئیں اور ہر ایک کارکن اپنے کو لیڈر سمجھتا ہے اسکی طرف اشارہ ہے۔

پختہ مغزانِ جنوں یہ ہیں وہی سودائے خام　　کھیلتے ہیں جس طرح لڑکے کبھی ہنگام شام
پہلے ملکر ایک کو افسر بناتے ہیں تمام　　چومتے ہیں ہاتھ کرتے ہیں نہایت احترام
اک ذرا ان بن ہوئی اور انکی شامت آگئی
دیکھتے ہی دیکھتے گویا قیامت آگئی

حسن خدمت کا بہت اچھا صلا دیتے ہیں آپ　　واعظوں کو خوب صلواتیں سنا دیتے ہیں آپ
زخمیوں کو اپنے دامن کی ہوا دیتے ہیں آپ　　قومیت کی شمع مدفن تک بجھا دیتے ہیں آپ
واہ کیا تیرِ سہ پہلو ہیں جرائد[۱۲۴] آپ کے
ان خدنگوں کا نشانہ ہیں عمائد آپ کے

چھوڑیئے للہ اس طرزِ عمل کو چھوڑیئے　　رات دن مضبوط چٹانوں سے کیوں سر پھوڑیئے
صلح کی جانب سمندِ ناز کو اب موڑیئے　　ربط کی زنجیر میں کڑیوں کو باہم جوڑیئے
دوستانہ بیٹھ کر شکوہ گلہ کر لیجئے
ہے درِ قاضی[۱۲۵] یہیں کچھ فیصلہ کر لیجئے

۱۲۴؎ اخبار اتحاد امروہہ شیعہ کالج نیوز لکھنؤ، اخبار ذوالفقار لاہور ان سب میں خوب چوٹیں چلتی تھیں، اور اپنے قومی محسن اور کارکنوں پر حملہ کیا جاتا تھا۔

۱۲۵؎ درِ قاضی سے مراد قاضی نور اللہ صاحب شوستری کا مزار ہے۔

مظلمہ جو اپنے سر لیتے ہیں ساری قوم کا | قتل کا اک فرد کے سوچیں نتیجہ کیا ہوا
خون کی، مظلوم کے ظالم کو ملتی ہی سزا | گو کہ وہ اک بینوا ہو اور یہ فرماں روا

قبرِ نورالدیں[۱۲۶] جہاں ہی کون جاتا ہی وہاں
قبرِ نوراللہ پہ ہے اک زمانہ گل فشاں

ہی مزارِ پاک پر اس وقت بھی کیا بزمِ نور | حضرتِ قاضی اور انکے ہمرفیقانِ قبور
عالمِ ارواح میں سرمستِ صہبائے سرور | اپنے قومی میہمانوں سے بقلبِ ناصبور

کر رہے ہیں عذر خواہی یہ کہ ہم مجبور ہیں
آپکی رندانہ محفل سے بظاہر دور ہیں

دل سے لیکن یہ دعا ہی سب خوش و خرم رہیں | مخلصانہ جو ارادے ہیں وہ مستحکم رہیں
اہلِ ہمت کے وہی تیور رہی دم خم رہیں | خود غرض برہم اگر کچھ ہیں تو وہ برہم رہیں

عامیانہ اعتراضوں کی نہ پروا کیجیے
قومیت کے جسم میں اک روح پیدا کیجیے

صدرِ محفل آج ہی اک حاکمِ ذی اختیار | سید والا مناقب ہادیِ[۱۲۷] عالی وقار
شاعری کا مردِ میداں نکتہ سنجِ پختہ کار | شیعۂ غالی غدیری خمکدے کا میگسار

عاشقِ شیدا و محوِ ذاتِ یکتائے علیؑ
سر میں سودائے علیؑ دل میں تولّائے علی

---

۱۲۶ نورالدین سے مراد جہانگیر بادشاہ ہے۔

۱۲۷ مراد خان بہادر سید محمد ہادی صاحب سابق کلکٹر فتحپور سے ہے۔

یہ مقدس مقبرہ اک سیدِ مظلوم کا، اور جلسہ اس نشیمن گاہ میں اس دھوم کا،
ساقیا ساغر پلانا بادۂ مختوم کا، پی کے جامِ تندرستی بارھویں معصوم کا

تربتِ قاضی پہ شمع و گل چڑھانا ہے مجھے
اس دلِ کمزور کی ہمت بڑھانا ہے مجھے

اب ہے زورِ ناتوانی اور پیری کا شباب، عمر پہونچی ساٹھ تک آیا لبِ بام آفتاب
مضمحل ہو کر قویٰ نے دیدیا بالکل جواب، تا کجا یہ کوچہ گردی اے دلِ خانہ خراب

مشغلہ شعر و سخن کا ترک کرنا چاہیئے
عمر کچھ یادِ خدا میں بھی گزرنا چاہیئے

سنہ ۱۹۲۰ء

اس سال میں بھی شیعہ کانفرنس کے دو اجلاس ہوے ایک نگینے میں اور دوسرا لکھنؤ میں۔

اجلاس سیزدہم بمقام نگینہ

یہ جلسہ ۲ لغایتہ ۴ اپریل سنہ ۱۹۲۰ء ریلوے اسٹیشن نگینے کے متصل احاطہ ڈاک بنگلے میں زیر صدارت راجہ یٰسین علیخاں صاحب تعلقدار دیوگاؤں ضلع فیض آباد منعقد ہوا، اس سال تک نواب شیخ علیخاں صاحب شیعہ کانفرنس کے سکریٹری اور مولوی مہدی حسن صاحب جوائنٹ سکریٹری رہے۔ ان حضرات کی مدت عہدہ ختم ہو چکی تھی، اسلیئے انھوں نے اپنے اپنے عہدے سے استعفا پیش کیا، اور سکریٹری کے عہدے پر سید محسن مرزا صاحب اور جوائنٹ سکریٹری کے عہدے پر شیخ ممتاز حسین جونپوری کا تقرر کیا گیا۔ نگینے کی شیعہ آبادی ۲۰۰ سے زیادہ نہیں لیکن قرب جوار کے مومنین ایک اچھی خاصی تعداد میں آکر شریک اجلاس ہوے، حضرات علمائے کرام بھی اس سال تک برابر شرکت فرماتے رہے، اسی سال کے بعد رفتہ رفتہ ان حضرات کی شرکت میں کمی ہوتی گئی۔ لیکن علما و مجتہدین اور تعلیم یافتہ حضرات کی شرکت سے کانفرنس کبھی خالی نہیں رہی۔ تعزیتی رزولیوشنوں میں جناب سید کاظم صاحب طباطبائی یزدی نجفی، اور آقا سید محمد اسمعیل صاحب صدر کی وفات پر اظہار افسوس کیا گیا، اور

کوئی خاص اہم بات اس سال قابل ذکر نہیں۔ شیعہ کانفرنس اور شیعہ کالج میں کشیدگی کی ابتدا اسی سال سے کچھ کچھ شروع ہو چلی۔

دُرِّ نجف

ضمیمہ لختِ جگر متعلق بہ اجلاس سیزدہم شیعہ کانفرنس منعقدہ بمقام نگینہ

بتاریخ ۲ لغایتہ ۴ اپریل ۱۹۲۰ء

اے نگینے تیرے لائق ہے وہی انگشتری ۔۔۔ دی تھی سائل کو جو مولا[۱۲۵] نے دمِ طاعتگری
کون دے سکتا ہے تجکو داد والا گوہری ۔۔۔ "قدرِ گوہر شاہ داند یا بداند جوہری"

جگمگاہٹ ہر پہل سے تیرے پیدا اس طرح
ہو کنول ترشا ہوا دُرِّ نجف کا جس طرح

صاف ہے شفاف ہے ہر جرم سے تو پاک ہے ۔۔۔ ذات ہے تیری مرصّع یہ بساطِ خاک ہے
تیرا منّت کش جواہر خانۂ افلاک ہے ۔۔۔ ہضم آویزے کیے پرویں بھی کیا چالاک ہے

بانوئے ناہید پر ہے نوگّے کی ایک فرد
اے نگینے ہر نگیں جس کا ترے آگے ہے گرد

مل گیا نیلم کا ٹکڑا چرخ نیلی فام کو، ۔۔۔ مشتری کو اک زمرد لعل اک بہرام کو
دیکھکر خورشید نے قدرت کے بذل عام کو ۔۔۔ خود عقیق زرد پر کندہ کرایا نام کو

جب ذرا جانچا دو پلکا ہر نگینہ ان میں تھا
اے نگینے تجھسے ہلکا ہر نگینہ ان میں تھا

---

۱۲۵ آیت قرآنی اور اس واقعے کیطرف اشارہ ہے جس میں حالت نماز میں ایک سائل کی صدا پر حضرت علی علیہ السلام نے اُس انگلی کو سائل کی طرف بڑھا دیا تھا جس میں انگوٹھی تھی۔

سامنے تیرے وہی نسبت ہے کوہِ نور کو — روبرو الماس کے جو مرتبہ بلّور کو
تیرے ذرّے سے تپ چڑھی جب ارضِ نیشاپور کو — زہر کھانا ہی پڑا فیروزۂ مغرور کو

دعوے اعجازِ داؤدی کرے تو کیا بعید
وہ تری ہیبت کہ جس سے موم ہو قلبِ حدید

تیرے ذرّوں سے جھلکتی ہے بہارِ نشاتین — سبزیِ رنگِ حسنؑ اور سُرخیِ خونِ حسینؑ
موجزن جوشِ تولائے شہِ بدر و حُنین — پھر کہاں دردِ محبت کی تڑپ سے دل کو چین

جب تجلّی کا تری محوِ نظارہ ہو گیا
ہر ستارہ چرخ پر سنگِ ستارہ ہو گیا

اے نگینے ہے شرف انقطاعِ عالم پر تجھے — سج کے دیکھیں ماہِ نو کے قامتِ خم پر تجھے
دستِ قدرت نے جڑا تھا خاتمِ جم پر تجھے — قبضہ حاصل تھا نقوشِ اسمِ اعظم پر تجھے

تیری خاصیت سے نقشِ مدعا کرسی نشیں
دولتِ دُنیا و دیں دونوں ترے زیرِ نگیں

اے نگینے تو ہے اک مشہور اسلامی مقام — تیری دینداری پہ جھریں کر رہا ہی تیرا نام
تو ہی وہ بےمثل، بنتا ہی جہاں لکڑی کا کام — زر خریدوں میں ہی تیرے آبنوسِ تیرہ فام

دستکاری میں ید طولیٰ تجھے بے اختلاف
گڑھ کے کر دیتا ہے چوبِ ناتراشیدہ کو صاف

شیشہ سازی کے ہنر سے بھی ہی تجکو اک لگاؤ — جانتا ہی اس لیے نازک دلوں کا رکھ رکھاؤ
آج بیفکروں کا تیرے سنگِ در پر ہے جماؤ — ساقیا پڑنے نہ پائے آبگینوں پر دباؤ

اہلِ دل ظرفِ محبت کی سند لے جائینگے
شیشے میخانے میں سنتا ہوں کہ بٹنے جائینگے

اے نگینے تیرے گھر ہے دعوتِ بختِ جگر
آج کاشانہ ترا ہے غیرتِ برجِ قمر

ایک دورِ جن خم چڑھا کر آئے ہیں شوریدہ سر
انگو شیشے میں اُتار[١٢٩] ایسا کہ ہوں شیر و شکر

تیرھویں تاریخ مانا تیرھواں اجلاس ہے
عیدِ میلادِ علی جب ہے تو کیا وسواس ہے

شکر پورا ہو گیا بارہ برس کا ایک دور
دورِ ثانی کا یہ پہلا سال ہے کیجیے جو غور

ہو گیا اتنے دنوں میں رنگ ہی دنیا کا اور
آجکل بے طور ہیں کچھ ہر کس و ناکس کے طور

عالمِ صورت کے یہ انداز معنی خیز ہیں،
گُل کھلے گا کوئی گلشن کی ہوائیں تیز ہیں

سال ہی دو سال کے اندر یہ کبکِ خوش خرام
ہوگا سرگرمِ طوافِ جلوۂ ماہِ تمام

مژدہ باد اے سرخوشانِ انتظارِ دورِ جام
بارھواں ساقی کریگا میکدے کا انتظام

کردو مل جُل کر درست ایسا نظامِ قومیت
نقش ہر دل کے نگینے پر ہو نامِ قومیت

کیا صفِ اقوام میں اُس قوم کا ہو اعتبار
نقشۂ مردم شماری میں نہیں جس کا شمار

بے خبر تعداد سے اٹکل پہ کل دار و مدار
اپنی نظروں میں حقیر اغیار کی نظروں میں خوار

چاہیے ہر نوع کی تحدید جنس و فصل سے
فرع کو وابستگی لازم ہے اپنی اصل سے

---

١٢٩ اِس سال مولوی مہدی حسن صاحب جوائنٹ سکریٹری کے خلاف کچھ ہنگامہ آرائی تھی اور سکریٹری کے عہدے کی میعاد ختم ہو رہی تھی اور حسبِ معمول یہ حضرات سبکدوشی چاہتے تھے اور کچھ اور مسائل تھے جنکی وجہ سے ایک خاص جوش تھا انھیں باتوں کی طرف اشارہ ہے۔

جبکہ ہمدردی نہیں آپس میں انسانوں کیطرح | جان رکھتے ہیں مگر بے حس ہیں بیجانوں کیطرح
خاک کے دامن پہ یہ چھٹکے ہوئے دانوں کیطرح | دردِ دل ہمجنس کا سنتے ہیں افسانوں کیطرح

اپنی ہستی کا ہمیں احساس ہونا چاہیئے
کچھ نہو، دردِ محبت پاس ہونا چاہیئے

کم سے کم معلوم رہنا چاہیئے ہمکو یہ بات | ہر جگہ کیسے میں ہیں کتنے عدد یکجات
ورنہ جب انبوہ میں گم ہی ہماری کائنات | کیوں ادھر مبذول ہو دولت کی چشمِ التفات

سہل ہی یہ امر بھی اے فرقہ آفت نصیب
بھیجئے درخواست اک مردم شماری ہی قریب

ضلع وار اس قسم کی فہرست بنجائے اگر | کر سکیں ہم اپنے اوراقِ پریشاں پر نظر
دے سکے کچھ کام پھر شیرازہ بندی کا ہنر | خوشنما ترتیب پاجائے بیاضِ مختصر

ترک جن افراد سے اطوارِ جدّی ہوگئے
ہوگئی حالت ردی ایسی کہ ردّی ہوگئے

حضرت نوّاب لاہور اہلِ دل جوہر شناس | بستیاں کی بستیاں[120] دیکھ آئے ہیں کابل کے پاس
ہیں جہاں آباد لاکھوں شیعیانِ بے ہراس | دور جنسے چشمۂ علم اور انھیں شدّت کی پیاس

قوم کے ہمتوروں کا فرض ہی انکی مدد
یہ جواہر اور یوں برباد اللہ الصمد

---

۱۲۰ اس سال نواب فتح علی خاں صاحب نے سرحد کابل کا سفر کیا تھا جہاں انکو قبائل کے قبائل ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں ملے جو سب کے سب شیعہ ہیں سر فتح علی خاں صاحب نے اس کے متعلق ایک تقریر بھی اجلاس شیعہ کانفرنس میں کی تھی۔

لیکن اتنا دم کہاں اس قوم بداقبال میں
نیکیاں لکھو لے اپنے نامۂ اعمال میں

رہ گئے افراد پھنسکر لغویت کے جال میں
ایک کالج کھل سکا ہمسے نہ بارہ سال میں

ہمپہ بیداری میں بھی طاری خمارِ نوم ہے
قومیت کی حس نہیں جسمیں وہ مردہ قوم ہے

اے گروہِ خفتہ بخت اے فرقۂ غفلت شعار
تیرے وقتی جوش کا ہمکو نہیں کچھ اعتبار

یا للک وہ بھی کہ بے دیکھے[۱۳۱] نہ آتا تھا قرار
یا تو یہ حالت کہ ہر لختِ جگر آنکھوں میں خوار

عہد طفلی تک رہا کیسا توانا تندرست
نوجوانی میں طبیعت آگئے دن رہتی ہے سُست

دیکھئے بیمار کی صورت ذرا جاکر قریب
گھُلتے گھُلتے آہ کس نوبت کو پہونچا ہے غریب

چارہ سازوں میں تلوّن سخت جاں یہ بدنصیب
پوچھتے ملتا نگینے میں اگر کوئی طبیب

کیوں یہ نقشِ مدعا کچھ کچھ اُبھر کر رہ گیا
قوم کے آغوش کا پالا ٹھٹھر کر رہ گیا

ہمنشینو ابتو اس قابل تھا یہ لختِ جگر
باندھتا کل ہند کی سیر و سیاحت پہ کمر

چاہنے والے دکن میں بھی بہت سے ہیں مگر
فتنہ انگیزی ہے بیباک میں وہاں کی اسقدر

---

۱۳۱ ابتدائی چند جلسہاے کانفرنس میں دور دور سے مومنین آتے تھے پھر باوجود اس کے کہ علماء روساء سب شریک تھے مگر رفتہ رفتہ مجمع میں کمی ہوتی گئی۔

سیدِ مظلوم[۱۳۲] ابھی اک نذرِ زنداں ہو گیا
قید میں جرمِ تشیع آفتِ جاں ہو گیا

یہ خبر جسنے سُنی اُسکو ہوا بے حد ملال   ہائے کس غربت کے عالم میں ہوا ہی انتقال
مونس و غمخوار جز لطفِ خدائے لایزال   کون تھا اُس قید خانے میں جو ہو پرسانِ حال

وقت آخر اپنے مولا کی زیارت ہو گئی
مومنوں کے ہاتھ سے مٹی سوارت ہو گئی

صاحبانِ غیرت اے ملت کے ارکانِ قیام   سوچئے آخر حفاظت کا کوئی تو انتظام
کیا یونہیں ہوتا رہیگا کام شیعوں کا تمام   افترا پردازیوں کی کیا نہو گی روک تھام

جاں گسل امراض کا کبتک نہ کیجیے گا علاج
کیوں نہیں کرتے بلند آخر صدائے احتجاج

---

۱۳۲ سید ذاکر حسین صاحب مرحوم مولانا مصطفیٰ کے بھتیجے پربھنی (حیدرآباد دکن) میں سررشتہ دار تھے انھوں نے سنی مذہب کی ایک لاوارث لڑکی عائشہ کی پرورش کی جو انکے یہاں رہتی تھی کہا جاتا ہے کہ ان کے پڑوسی اہل سنت انکی شیعیت اور تیز مزاجی سے خوش نہ تھے یہ لڑکی علیل ہوئی اور رفتہ رفتہ علالت کی وجہ سے انتقال کر گئی سنا جاتا ہے کہ ان پر یہ الزام لگایا گیا کہ ان کے ناروا برتاؤ سے اس کی ہلاکت ہوئی مقدمہ چلا اور ان پر قتل کا الزام لگا مگر قتل کا جرم ثابت نہیں ہوا انتقاما یا کیوجہ سے ان کو پانچ سال کی قید سخت سزا عدالت سشن جج سے ملی کوئی وکیل نہ ہوتا تھا چنانچہ ایک نہایت پر درد اور پر اثر نظم میں ایک عرضداشت سید ذاکر حسین صاحب کی اہلیہ نے اعلیٰ حضرت فرمانروائے دکن کے حضور میں بھیجی اور بیٹے سے ڈاکٹر محمود صاحب کا ونسل ملزم کیطرف سے پیروی کیلئے سرکاری مصارف سے مقرر ہوئے اور اس طرح سرکار نظام نے بہترین مثال عدالت گستری کی ظاہر فرمائی، ملزم قید خانے میں تھے اور انکے ورثا ہائی کورٹ حیدرآباد میں اپیل کی تیاری کر رہے تھے اور انکو قطعی یقین تھا کہ مقدمہ جھوٹا چلایا گیا ہے اور اپیل سے یہ قید کا حکم منسوخ ہو کر ملزم کے بری ہونے کا حکم ہو جائے گا لیکن حالت قید میں ملزم قید حیات سے بری ہو گیا سید مظلوم کی اسی دردناک وفات کی طرف ان بندوں میں اشارہ ہے۔

اک شہیدِ امتحانی ہوگیا پیوندِ خاک ڈر یہ ہے اب اور بھی شیعہ نہوں یونہیں ہلاک
پیش آئیں پھر نہ ایسے واقعاتِ دردناک ذی اثر اشخاص کو لازم ہے اسمیں انہماک
ورنہ ان باتوں پہ خاموشی اگر کی اختیار
ہوگا ہر مومن دکن میں کینہ جوئی کا شکار

کیوں نہ ہو شیعوں کو انگریزی عملداری کی قدر اس حکومت کی رعایا میں نہ شورش ہے نہ غدر
یہ گروہِ پیروانِ فاتحِ صفین و بدر ہر جگہ پر امن میں ہے وہ مفصل ہو کہ صدر
اجتماعی شکل سے کمزور ہو یا زورمند
کوئی فرقہ بھی اسے پہونچا نہیں سکتا گزند

ہیں یہ جلوے دولتِ برطانیہ ہی کے طفیل ضوفگن ظلمتکدہ دکنیں ہم جو ہیں مثلِ سہیل
سر بکف رہتے نہ آنے دیجے اتیور پہ میل توڑ دیتے ہیں خس وخاشاک [illegible] زورِ سیل
دل وہی قومی حرارت جسمیں ہو اک جوش ہو
شعلۂ جوالہ ہو یا آتشِ خاموش ہو

شکوہ سنجی گو نہیں عادت دلِ ناشاد کی جوشِ غم نے مہر توڑی ہے لبِ فریاد کی
جب سُنی ہم نے سُنائی کشتۂ بیداد کی دیر تک سادات کی پچھلی مصیبت یاد کی
ہے صفیؔ "سختِ جگر" میں آج بسمل کی تڑپ
کیوں نہ ظاہر ہو نگینے سے مرے دلکی تڑپ

اے نگینے تیرے کونے میں ہے دریا موجزن تیری عالی ظرفیوں میں ہر کسے جائے سخن
مختصر بستی عظیم الشان قومی انجمن جیسے اک نگ میں نظر آتی ہو تصویرِ چمن
وہ اولوالعزمی کہ اڑتے ہیں اولوالعزموں کے ہوش
اس قد و قامت پہ یہ دل اور اس دل میں یہ جوش

بوتر ابی ہے نہ ہو طینت میں کیوں افتادگی　　　وضع کی رنگینیوں میں انتہا کی سادگی

انتقاو بزم میں بے عذریوں آمادگی　　　بادہ نوشوں کیلئے ہے باعث دل دادگی

یہ نہ کہنا قوم کے "سخت جگر" نے کیا دیا

اے نگینے آکے تیرے نام کو چمکا دیا

ہے نگینے تیری آبادی کا منظر پُر بہار　　　جا بجا میدان اور انمیں درخت سایہ دار

صاف راہیں پختہ تعمیریں قطار اندر قطار　　　خوشنما وہ مسجد جامع وہ مستحکم حصار

نہر اک پورب میں جاری جسکی سب کو چاہ ہے

حق شناسوں کی نظر میں مدِّ بسم اللہ ہے

قرب اسٹیشن ہے[133] ساقی کیا بہار آئی ہوئی　　　جعفری پھولوں کی ہر سو چھاؤنی چھائی ہوئی

کیا ہمیں کو ہے یہ مستانہ ادا بھائی ہوئی　　　زاہدوں کی آنکھ بھی پڑتی ہے للچائی ہوئی

ہم وہ میکش ہیں کہ پی تھوڑی وہاں تھوڑی یہاں

توبہ کر لی تھی[134] درِ قاضی پہ پھر توڑی یہاں

ساقیا جاتے ہیں رند آباد میخانہ رہے　　　میکدے کا دور دورہ دورِ پیمانہ رہے

جوش ہمت کا تری تا دور افسانہ رہے　　　یونہیں شمع رُخ پہ ہر دل سوز پروانہ رہے

مُہرِ جم رندانِ مے آشام کندہ کر چلے

اے نگینے لوحِ دل پہ نام کندہ کر چلے

---

[133] نگینہ اسٹیشن سے صرف گنتی کے چند قدم پر ڈاک بنگلہ ہے اسکے سامنے شیعہ کانفرنس کا پنڈال بنایا گیا تھا

[134] مولانا صفی نے ضعف اور پیرانہ سالی کیوجہ سے آگرے کے اجلاس شیعہ کانفرنس کے موقع پر جو قاضی نوراللہ شوستری علیہ الرحمہ کے مزار کے قریب منعقد ہوا تھا یہ عہد کر لیا تھا کہ اب شرکت و سلسلۂ نظم کو یہیں تک ختم کر دینگے مگر احباب کے اصرار سے پھر یہ سلسلہ جاری رکھا

سنہ ۱۹۲۰ء

اجلاس چہاردہم بمقام وکٹوریہ پارک لکھنؤ

اس سال کا اجلاس زیر صدارت نواب نصیر الممالک مرزا شجاعت علی بیگ صاحب کانسل جنرل ایران ۲۸ لغایتہ ۳۰ دسمبر سنہ ۱۹۲۰ء منعقد ہوا، اس سال کے خاص اور اہم واقعات میں عراق عرب و ایران میں حضرات علمائے اسلام کی گرفتاری کا درد انگیز واقعہ ہے جن کی رہائی کے متعلق شیعہ کانفرنس نے بہت شد و مد سے رزلیوشن پاس کیا اس سال پنڈال کا انتظام اور حسن ترتیب زیر نگرانی سید مقبول حسین صاحب بخوبی انجام پائی، اور سید مقبول حسین صاحب کے متعلق شیعہ یتیم خانے کے سکریٹری کی خدمت اجلاس کانفرنس میں قوم نے تفویض کی سید محسن مرزا صاحب اپنی سرکاری ملازمت پر مجبوراً پنجاب واپس بلا لیئے گئے۔ اسلیئے شیعہ کانفرنس کے سکریٹری کا عہدہ راجہ یٰسین علیخاں صاحب تعلقدار کو تفویض کیا گیا، اور جناب خان بہادر بابو محبوب حسین صاحب جوائنٹ سکریٹری منتخب کیئے گئے، کام زیادہ تر شیخ ممتاز حسین جونپوری انجام دیتے رہے، اس سال کے تعزیتی رزولیوشنوں میں مرزا محمد تقی صاحب شیرازی اعلی اللہ مقامہ و سید علی جواد صاحب قبلہ مجتہد بنارسی اور سید باقر مرزا صاحب حمید برادر پیارے صاحب رشید مرحوم کی وفات پر اظہار افسوس کیا گیا، بعض حضرات مثل حکیم امیر حسن صاحب، نواب آغن صاحب مرحوم، حکیم نے آغا صاحب اور دیگر روسا نے اس سال جان توڑ

کوششیں کیں، چندہ اکٹھا کیا اور باوجود سخت مخالفتوں اور رخنہ اندازیوں کے یہ اجلاس بہت کامیاب رہا، شیخ ممتاز حسین جوائنٹ سکریٹری شیعہ کانفرنس نے غیر معمولی محنت سے شیعہ کانفرنس کے مختلف شعبوں کے خدمات انجام دیئے، اور سید محسن مرزا صاحب سکریٹری کی عدم موجودگی کو جو اپنی ملازمت پر پنجاب بلائے گئے تھے کسی طرح محسوس نہیں ہونے دیا اور قوم نے کھلے اجلاس میں انکا شکریہ اور اُن کے خدمات کے صلے میں عطائے تمغہ جات اور اُن کے نام سے وظائف دیکر بیحد قدر افزائی فرمائی اور ہمدردان کانفرنس اور کارکنوں کی متحدہ سعی عمل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اگر کام کیا جائے تو مخالفت سے علی قدم اور تیز تر ہو جاتا ہے

؎ "حدی را تیز تر می خواں، چو محمل را گراں بینی"

چودھویں کا چاند

ضمیمہ لخت جگر متعلق بہ اجلاس چہار دہم شیعہ کانفرنس منعقدہ بمقام لکھنؤ بتاریخ ۲۸ لغایت ۳۰ دسمبر ۱۹۲۰ء

لکھنؤ وہ چاند کا ٹکڑا جو ہو تجھکو خیال | جس نے تیرا نام روشن کر دیا پہلے ہی سال
جب وہ دن آئے کہ پہونچے تا بمعراج کمال | ناصیے سے بدر کے پیدا ہیں انداز ہلال

چہرہ کچھ اترا ہوا، اور رنگ سنولایا ہوا
چودھویں کا چاند نکلا بھی تو گہنایا ہوا

ہم تو سمجھے تھے کہ بنکر ماہ کامل اسکا نور | کہربائی اک اثر پیدا کرے گا دور دور
جزر و مد آئے گا ہمت کے سمندر میں ضرور | رگ حمیت کی تڑپ اٹھیگی مثل برق طور

کی نظر جس دل پہ وہ شعلہ نہیں بھڑکا رکھا تھا

چار دن کی چاندنی تھی پھر اندھیرا پاکھ تھا

ہر طرف جب اس طرح چھائی ہوئی ہو بےحسی — سال میں دو بار[135] جلسے کی ضرورت ہی نہ تھی

ہند کے کس غیر صوبے سے اسے عزت ملی — گھومتا پھرتا رہا یہ دائرے میں اپنے ہی

یہ مرض تو ہے بہت مزمن کوئی تازہ نہیں

اپنی قوت کا ہمیں افسوس اندازہ نہیں

قوم کی شیرازہ بند افراد کی قائم مقام — مجلس شوریٰ ہے وہی اب جسکو سب رکھتے ہیں نام

اسنے چودہ ۱۴ سال کے اندر کئے ہیں چار کام — کام بھی وہ کام نا محدود جنکا نفع عام

اولاً قائم کیا دارالیتامیٰ دیکھئے!

دونوں کالج کھولے ایک اسکول کھولا دیکھئے

طرفہ تر ہے اس درختِ سایہ گستر کی بہار — جڑ تو بالکل خشک شاخیں تازہ و تر میوہ دار

اب اسے سینچے نہ سینچے قوم کو ہے اختیار — یہ گرا تو خاک میں ملجائے گا قومی وقار

دنیوی دینی ترقی کا ذریعہ ہے یہی

زینہ بام ارتقا کا قوم شیعہ ہے یہی

دیکھ کر مضمون تحریر مدیر محترم[136] — کھل گیا سب مرکزی شیعہ کمیٹی کا بھرم

سات سو چونتیس ہو تحویل میں جسکی رقم — ایسے قومی فنڈ کی ہستی کو سمجھو کالعدم

---

۱۳۵ سنہ ۱۹۲۰ء میں ایک جلاس ماہ اپریل میں بمقام نگینہ اور دوسرا دسمبر میں بمقام لکھنؤ منعقد ہوا۔

۱۳۶ سکریٹری شیعہ کانفرنس کی رپورٹ اور شیعہ کالج نیوز اخبار کے ایڈیٹری تحریر سے معلوم ہوا کہ شیعہ کانفرنس کے سرمائے میں ۷۳۴ باقی ہیں اور مرکزی کمیٹی کے ممبروں میں اکثر حضرات نے فیس ادا نہیں کی اسیطرف اشارہ ہے

فرض ہے جن کا وہی اسکی خبر لیتے نہیں
حد ہے ممبر ممبری کی فیس تک دیتے نہیں

اے بہی خواہانِ ملت سوچنے کی ہے یہ بات | اسکی جانب کیوں نہیں اب قوم کو وہ التفات
بدظنی پھیلانے والے کونسے ہیں واقعات | کس مرض کیوجہ سے خطرہ میں ہے اسکی حیات

چارہ سازو جلد تر قائم کرو کوئی نظام
ورنہ قومی زندگی کا خاتمہ ہے والسلام

دل جو ہو دار الیتامیٰ کیطرف کیجیے نگاہ | جسکے قبضے میں ہے اک معقول مالی دستگاہ
خوش سلیقہ منتظم کچھ ممبرانِ خیر خواہ | آج اسے دیکھتے ہیں ماہی سے لیکر تا بماہ

اولاً ترمیم ہو موجودہ دستور العمل
بعد ازاں اجزائے ترکیبی میں ہو رد و بدل

آئیے پھر منتظر ہے شیعہ اسکول آپ کا | خشتِ اول جس ادارے کی ہے تاریخ بنا ۱۳۴۷
سال بھر تک اس سفینے کے رہے ہیں ناخدا | محسن قوم افتخار قوم محسن میرزا

وہ تڑپتا چھوڑ کر اس ماہیٔ بے آب کو
با دلِ ناخواستہ راہی ہوئے پنجاب[۱۳۷] کو

---

۱۳۷ سید محسن میرزا صاحب ایم اے، بی ٹی رئیس دہلی جو صوبہ پنجاب میں ہیڈ ماسٹری و پروفیسری کے اعلیٰ عہدے پر مامور تھے ہمدردی قومی سے اپنے یہاں کے تعلیمی محکمے سے چھٹی لے کر شیعہ اسکول کا نظام اور ابتدائی کام درست کرنے کے لئے تشریف لائے اور ترتیب و تعلیم میں نمایاں دلچسپی لی مگر سرکاری افسران نے اپنے یہاں ان کی شدید ضرورت محسوس کی اور مدت رخصت کے خاتمے پر ان کو بادلِ ناخواستہ واپس جانا پڑا، ان کے جانے کے وقت متعدد وداعی جلسے اور دعوتیں اور گارڈن پارٹی ہوئیں، شیخ ممتاز حسین جونپوری نے جو اسکول کی انتظامیہ کمیٹی کے ممبر اور شیعہ کالج کے ٹرسٹی تھے، سید صاحب کے حسن خدمات کی قدر افزائی کے طور پر ایک طلائی تمغہ سید محسن میرزا صاحب کو دیا، اور سید صاحب ایکبار کثیر التعداد مجمع سے رخصت ہو کر پنجاب تشریف لے گئے۔

کہدیا سب نے خدا حافظ باوازِ حزیں — رکنے کی کچھ بھی تدبیریں کسی سے ہو سکیں
ذی اثر اعیانِ ملت ذی فراست دوربیں — کوششیں کیا کر سکے اس کی خبر ہمکو نہیں

دیکھیں اب انکی جگہ ہیڈ ماسٹر آتا ہے کون
جوہرِ ہمدردی و ایثار دکھلاتا ہے کون

شیعہ کالج زندگی کا قوم کی دورِ جدید — قومیت کی روح فتح الباب ہمّت کی کلید
دست پروردہ قزلباش آپکا نخلِ امید — آئیے جلد آئیے ہے دیر[۱۳۰] سے مشتاقِ دید

مسئلہ سرسبزیوں کا انکی زیرِ غور تھا
باغباں جبتک رئیسِ خطۂ لاہور تھا

اتفاقاً ہو گیا قائم جو تعلیمی نظام — اے ہی دستانِ قسمت شکر کا ہے یہ مقام
کیا ہمارے آپکے کمزور ہاتھوں کا ہے کام — کر سکیں گرتی ہوئی دیوار کی جو روک تھام

ایک بازو جو قوی تھا اس کو خستہ کر دیا
قوم نے فتح علی کو دل شکستہ کر دیا

تھا یہ سب نواب کی شخصی وجاہت کا اثر — کالج اسکیم اسقدر جلدی ہوئی جو بارور
دیکھئے سبکو بھی جا کر اک ذرا اہلِ نظر — دوحۂ[عہ] تعلیم میں اک ودا آیا ہے ثمر

عہ ۱۲۸ نواب سر فتح علی خاں صاحب شیعہ کالج کے کاموں کی وجہ سے اپنی ریاست اور خانگی کاروبار کو عرصے تک نہ دیکھ سکے اس لئے راجہ سر ابو جعفر صاحب تعلقدار پیرپور کو اپنی جگہ عارضی سکریٹری شیعہ کالج منتخب کرا کے خود کچھ عرصے تک شیعہ کالج کے کاموں سے الگ ہو گئے تھے اور بہت کچھ افراد قوم سے بددل ہو کر علیحدہ ہو گئے تھے۔

عہ شیعہ عربی کالج سے مراد ہے جو اسی زمانے میں کھولا گیا۔

شکر ہے پُر زور ہر بازو ہمارا ہو گیا
دین و دنیا ہمکو دونوں کا سہارا ہو گیا

مغربی باقاعدہ تعلیم گاہوں کے لئے
ایک اک دار الاقامہ بھی کھلا ہی دیکھئے
انتظام انکا بہت معقول ہر عنوان سے
پڑھنے والا تا کہ اطمینان و راحت سے پڑھے

بچے ان قومی اداروں میں جو پلتے جائینگے
قومیت کے خوشنما سانچے میں ڈھلتے جائینگے

کونپلیں یہ زرد پتوں کی جگہ لے کر تمام
آمد صبح بہار عیش کا دیں گی پیام
صحن گلزار تشیّع میں مسرّت ہوگی عام
مثل گلدستہ نظر آئے گا ہر قومی نظام

مل کے یہ سرو سہی مانند اصحاب علیک
دیکھئے گا ایک دن قائم کرینگے شیعہ لیگ

قوم کا پروردۂ آغوش طفل شیر خوار
ہر ادارہ اُن اداروں میں ہے وجہ افتخار
مجلس شوریٰ کے لیکن سب ہیں زیر اقتدار
ہیں ابھی کی ماں کے یہ بچے زینت دوش کنار

دودھ بنکر خون سارا ہو گیا صرف خورش
جب ہوئی اُن گود کے پالے ہوؤں کی پرورش

کارآمد چند تجویزات قومی انجمن
اور بھی ہیں جیسے دار الترجمہ شیعہ مشن
قلّت زر سے مگر تعمیل اُن کی تھی کٹھن
ہیں وہ مردہ آرزو میں جنکو نہیں بیگور و کفن

"گل تو کچھ اپنی بہار جانفزا دکھلا گئے"
"حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے"

صیغۂ اوقاف دل خوش کن ہے یہ تجویز بھی | بھڑکے چھتوں کو مگر ہاں چھو نہیں سکتا کوئی
دوستوں سے مول لینا ہو اگر کچھ دشمنی | چھیڑیئے اس مسئلہ کو دیکھئے پھر دل لگی

جس طرف دیکھئے نظر تختے کے تختے صاف ہیں
ہیں چراگاہیں گئو ماتا کی یا اوقاف ہیں

ساری قوموں سے جدا اس قوم کی رفتار ہے | شیعہ کالج نیوز[139] قومی ایک ہی اخبار ہے
قیمتاً و مفت یہ پرچہ کیا بڑی تعداد ہے | پھر بھی اسکا مول لینا مومنوں کو بار ہے

بے مدد اخبار کی حالت سنبھل سکتی نہیں
ناؤ کاغذ کی زیادہ دیر چل سکتی نہیں

یوسف یعقوب[140] جس کا نام پیسہ فنڈ ہے | ہے خراج مصر کا ہم پلّہ ایسا فنڈ ہے
کام آئے جو وظائف میں وہ کیسا فنڈ ہے | انتظام اس کا اگر دیکھا ہو جیسا فنڈ ہے

شک نہیں اس میں کہ موزوں ہے جہاں تک سوچئے
قوم کے ہمدرد راجہ دیو گا دُن اسکے لئے

۱۳۹۔ سر فتح علی خاں نے ایک ہفتہ وار اخبار قومی "شیعہ کالج نیوز" لکھنؤ سے نکالا تھا جس میں زیادہ تر شیعہ کالج کے حالات شائع ہوتے تھے۔

۱۴۰۔ سید یعقوب الحسن صاحب عظیم پوری ڈس جبل پور جو ۱۹۳۵ء میں انتقال فرما گئے، شیعہ کانفرنس کے ادارے پیسہ فنڈ کے سکریٹری تھے۔

قدر کے قابل ہے کوشش حضرت ممتاز کی ۔۔۔ جنکے برتے پر ہوئی قائم نمائش صنعتی
عام دلچسپی کے قابل یہ ضروری چیز تھی ۔۔۔ اس فنا فی القوم کی تعریف مشکل ہے صنعتی

شیعوں کے فرقے میں گویا دوسرا گاندھی ہے
اور بجز ترک عمل ہر کام میں آندھی ہے وہ

کیا کرے بدلی ہوئی ہو جب زمانے کی ہوا ۔۔۔ ہیں کنارہ کش سبھی احباب کیا اغیار کیا
چار سو گھیرے ہوئے ہے ایک طوفانِ بلا ۔۔۔ ہو رہا ہے غرق بیڑا یا علےٰ یا ایلیا

دستگیر اب آشنا نا آشنا کوئی نہیں
ہم ہیں اس کشتی پہ جس کا ناخدا کوئی نہیں

خلط غالب ہے ہماری قوم میں بغض و نفاق ۔۔۔ باہمی نا اتفاقی پر ہے سب کو اتفاق
انجمن سازی کا پیدا ہو گیا جب سے مذاق ۔۔۔ جسے ہے وہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے میں ہے طاق

؎ ۱۴۱ شیخ ممتاز حسین صاحب جون پوری نے شیعوں میں صنعت و حرفت کا شوق پیدا کرنے اور قوم کی صنعتی ترقی کا جائزہ لینے کے لئے باقاعدہ رزولیوشن کے ذریعے سے ایک شیعہ صنعتی نمائش کا انعقاد ہر سال اجلاس شیعہ کانفرنس کے ساتھ منظور کرایا اور اس اہم اور ذمہ داری کے کام کو چلانے کے لئے قوم نے شیخ صاحب کو شیعہ صنعتی نمائش کا سکریٹری منتخب کیا، پہلی نمائش بڑے اہتمام سے آگرے کے اجلاس میں ہوئی جس کی معرکۃ الآرا رپوٹ مرتبہ شیخ صاحب قابل یادگار ہے یہ نمائش چھ سات سال تک رہی اور بمبئی کے اجلاس کے بعد شیخ صاحب اپنے سرکاری عہدے کی مصروفیت کی وجہ سے عہدہ سکریٹری سے مستعفی ہو گئے، اور رزولیوشن پاس ہوا کہ جس سال نمائش کا انعقاد مرکزی کمیٹی تجویز کرے اس سال نمائش ہوا کرے۔

غیر قوموں میں فقط ہر فرد ہے ہمدرد قوم
اور ہم شیعوں میں گویا قوم ہے ہر فرد[۱۴۲] قوم

ہر طرف بازیچۂ اطفال بازیگوش ہے | کوئی سرتاپا جنوں کوئی سراپا جوش ہے
جسکو دیکھو الغرض بدمست ہے مدہوش ہے | اس خرابات جہاں میں دور نوشانوش ہے

جتنے میکش ہیں سبھی ساقی سبھی پیر مغاں
اپنی کہتے ہیں نہیں سنتے کسی کی داستاں

ذرہ ذرہ رقص میں ہے اس فضائے دہر کا | قومیت کا راگ شور انگیز ہے کس قہر کا
رُخ ترقی کی طرف ہر قوم کا ہر شہر کا | ایک ہم ہیں دونوں ہاتھوں میں پیالہ زہر کا

زندگی سے سیر ہو کر خودکشی آمادہ ہیں
شخصیت ہی شخصیت کے والہ و دلدادہ ہیں

ہمنے اپنی شخصیت کا قومیت رکھا ہے نام | جوش قومی کیا ہے ذاتی رنجشوں[۱۴۳] کا انتقام
محسنوں کا قوم کے ہوگا یونہیں گر قتل عام | پھر تو کوئی حامیت کر نہیں سکتا ہے کام

---

۱۴۲ یہ ایک واقعہ ہے کہ اس زمانے میں جب یہ نظم لکھی گئی یہی حالت تھی کہ ہر فرد اپنی رائے کو اتنی اہمیت دیتا اور اس مغالطے میں بسر کرتا تھا کہ اپنی رائے پر قوم کی بقا و فنا کا انحصار سمجھتا تھا اور ایک اخبار کے مدیر کی ہر رگ میں یہ لہر اس طرح دوڑ گئی تھی کہ جب وہ اپنی ذاتی رائے کو پیش کرتے تھے تو یہ کبھی نہیں کہتے تھے کہ یہ انکی ذاتی رائے ہے بلکہ وہ ہمیشہ یہی کہا اور یہی لکھا کرتے تھے کہ قوم کی یہ رائے ہے۔

۱۴۳ یہ سال شیعہ قومی ادارات کے لئے بہت سخت تھا، شیعہ کانفرنس کے جس قدر عہدہ دار اس دائرے سے الگ ہوتے گئے سب کی بددلی ایک ایک ٹولی بناتی گئی اور ان کے طرفداروں اور مخالفین کی کشمکش اور اندرونی ریشہ دوانیوں سے قومی ادارات پر غلیظ ابر کدورت ہر طرف چھا گیا، یہاں تک کہ مولانا صفی جنہوں نے اجلاس یازدہم سنہ ۱۹۱۷ء کی نظم کے تینتیسویں بند میں شیعہ کالج کو لکھنؤ میں تعمیر ہونے کی تائید فرمائی تھی زمانے کے حالات اور ناگفتہ بہ واقعات سے متاثر ہو کر اس بند کے چھٹے مصرع میں مجبور ہو کر فرماتے ہیں:

لکھنؤ قومی اداروں کے لئے موزوں نہیں

پہلے ہی کہتے تھے یعنی جنکی نگاہیں دور ہیں
ہمکو قومی اداروں کیلئے موزوں نہیں

اٹھیے اب للہ ترک خود پسندی کیجیے　　منتشر اوراق کی شیرازہ بندی کیجیے
قعرِ پستی کے رُخ سے بلندی کیجیے　　دین میں دنیا میں حاصل ارجمندی کیجیے

شاہراہِ قومیت سے جب جدا ہو جائینگے
ہو گئیں قومیں فنا ہم بھی فنا ہو جائینگے

اک طرف خود کامیاں ہیں اک طرف خود رائیاں　　بے محابا ہو رہی ہیں معرکہ آرائیاں
عامیانہ رہ گئی ہیں صرف ہاتھا پائیاں　　دوستوں پر دوستوں کی یہ کرم فرمائیاں

ہمکو یہ ڈر ہے کہ بدبینوں کا مطلب ہو نہ جائے
قومیت کا ماہِ کامل ماہ منخسف ہو نہ جائے

ہاتھ سے گر زندگی کا یہ سہارا جائے گا　　قوم کیونکر قبر میں تجھ سے اُتارا جائے گا
کچھ کفن خلعت سے کس دل سے سنوارا جائیگا　　نوجواں نو عمر کیا کہہ کر پکارا جائے گا

یادگارِ حسرت مُردہ بھی زندہ رہے
تا طلوعِ مہرِ دیں یہ ماہ تابندہ رہے

چودھواں جلسہ ہے ساقی مجمع احباب ہے　　دور دورِ ماہ کامل ہے شب مہتاب ہے
نیند بھر کر سو چکے پھر بھی خمارِ خواب ہے　　جوش زن یہ کیا ہے شیشہ میں کہ دل بیتاب ہے

ساقیا جائے گر کہ ذکر حدیث طیر ہو
نشہ میں یوں اڑ چلیں چودہ طبق کی سیر ہو

جلد اٹھیں غفلت کے پردے کچھ نظر آنیکو ہے　　دیکھ اب رنگ سرور اے چشم تر آنے کو ہے

عیسیٰ گردوں نشیں لے کر خبر آنے کو ہے　　مژدہ باد اے قوم امام منتظر آنے کو ہے

جب کسی رشک مسیحا کی سواری آئے گی

پیکر بے روح تجھ میں روح پھونکی جائیگی

سنہ ۱۹۲۱ء

اجلاس پانزدہم[15] شیعہ کانفرنس بمقام ملتان

یہ اجلاس ۲۷- لغایت ۲۹ ردسمبر ۱۹۲۱ء زیر صدارت نواب مظفر علیخاں صاحب رئیس مظفر نگر منعقد ہوا، اسوقت کانفرنس کے سکریٹری راجہ سید نین علیخاں صاحب تھے جو بعض اتفاقات سے شریک اجلاس نہ ہوسکے، اسوقت کانفرنس کے نظام کی یہ صورت تھی کہ سید کریم حیدر صاحب ان حضرات کی پسند سے کانفرنس کے اسسٹنٹ سکریٹری منتخب ہوئے تھے جو دفتر کا کام چند کلرکوں کی مدد سے انجام دے رہے تھے، اور کبھی کبھی یہ حضرات بھی دیکھ بھال فرمالیتے تھے، کانفرنس کی جو حالت اسوقت کی ہے وہ ملتان کی نظم کے سولھویں بند سے ظاہر ہوگی، اس سال اہل ملتان نے بہت کافی سعی فرمائی مگر حضرات علمائے کرام میں سوا جناب مولانا سید سبط حسن صاحب قبلہ مرحوم کے بڑے بڑے مجتہدین نے جلسہ شیعہ کانفرنس میں شرکت نہیں فرمائی کوئی وجہ ظاہر نہیں ہوئی، اہل ملتان کو بیحد ملال ہوا، پنجاب کے حضرات مجتہدین اور علمائے پنجاب اچھی تعداد میں شریک ہوئے، اس سال کی تجویزوں میں ایک مفید تجویز یہ بھی منظور ہوئی کہ ملتان میں شیعوں کی ایک دینی درسگاہ قائم کی جائے چنانچہ یہ مدرسہ قائم ہوا اور چل رہا ہے۔

تحفۂ ملتان

ضمیمۂ لخت جگر متعلق بہ اجلاس پانزدہم شیعہ کانفرنس منعقدۂ ملتان صوبہ پنجاب
بتاریخ ۲۷ لغایت ۲۹ دسمبر ۱۹۲۱ء

خطۂ ملتان اے طغرا نویس چار گاف — گرد و گورستان و گرما و گدا بے خلاف
گردشِ گردوں کیا کی تجھ پہ یوں ہاتھ صاف — تھا کبھی تو اک درِ دولت کبھی دشتِ مصاف

تجھ کو صدیوں تک ہوا حاصل نہ عیش بخلل
سرزمیں تیری تھی جولانگاہِ اقوام و ملل

نام مالی تھا سکندر کے زمانے میں ضرور — بعد ازاں مشہور یہ اسما ہوئے نزدیک و دور
کشت پور و ہنس پور و باگ پور و سلب پور — ملتہان اور پھر ہوا ملتان کا اسمِ ظہور

نام میں تیرے غرض ہوتی رہیں تبدیلیاں
جیسے صیاد کے بدلا کیں قفس کی تیلیاں

اوج میں تو کم نہیں ملتان کوہِ طور سے — راہ گیروں کو نظر آتا ہے جلوہ دور سے
دین کو قوت ہے تیرے خانۂ معمور سے — کفر کی ظلمت یہاں پر دب گئی ہے نور سے

بابر و تیمور و محمود و سکندر آ چکے
چھاؤنی برسوں محمد ابن قاسم چھا چکے

تیرا قبضہ گوئے بازی تھا مگر اقوام کا — بعد اعیانِ عرب مغلوں کے ہاتھوں میں پڑا
اُن سے افغانوں نے پایا پھر سکھوں نے سر کیا — غدر کے کچھ قبل انگریزوں نے قبضہ کر لیا

قلعہ میں اب کیا ہے کوئی ذکر اسکا کیا کرے
ایک مندر وہ شکستہ ڈھیر انے مقبرے

تیری دیواریں دلیلیں تیرے استحکام کی
تیری صدیوں تک جہاں تھی چھاؤنی اسلام کی

باہمی آویزشوں نے جب تباہی عام کی
مدتوں صورت نہ دیکھی راحت و آرام کی

عہد میں شاہانِ دہلی کے ملا تجھکو قرار
اس زمانے میں کہ تھا گردیزیوں کا اقتدار

شہر و قلعہ ان کی ارضِ مرتفع کے درمیاں
عہدِ سابق میں یہی دریا کی وادی تھا رواں

موجزن پانی وہیں تھا خاک اڑتی ہے جہاں
دونوں ٹیلے دو جزیرے تھے یہ دلکش بستیاں

ریگ سے سطحِ نشیبی نے جو دامن بھر لیا
رفتہ رفتہ سب سے دریا نے کنارہ کر لیا

ہند میں از بسکہ تو ہے اک مقامِ سرحدی
ترک تازی کے لئے مخصوص یہی اک راہ تھی

آمد و شدِ جنگجو اقوام کی جاری رہی
کب لگد کوبِ حوادث سے تجھے فرصت ملی

آئنہ صورت سے تیری تیرے دل کا درد ہے
چہرہ مٹی ہو رہا ہے غم سے رنگت زرد ہے

شک نہیں مرکز تجارت کا ہے تو پنجاب میں
برتری اضلاع پر حاصل تجھے اس باب میں

کشتیاں ناویں رواں ہر چشمۂ پر آب میں
جنگ سے فیض جاری عالمِ اسباب میں

قافلوں کی یہ زمیں پہلے بھی منزل گاہ تھی
ہند سے ایران جانے کی یہی اک راہ تھی

تیری پیداوار کیا ہے نیل روئی نیشکر
تیرے مصنوعات اونی ریشمی کپڑے مگر

روغنی مٹی کے برتن خوشنما ہیں اسقدر
جن سے چینی بھی نہ ٹکر کھا سکے المختصر

گھوڑے بکتے رہتے ہیں سالانہ میلے میں ترے
تازی و ترکی بندھے ہیں سب طویلے میں ترے

دید کے قابل ہے آبادی کا منظر واقعی / چوک بیچوں بیچ ہیں سرمایۂ دل بستگی
ہر دکاں اشیائے موزوں سے دلہن ایسی سجی / اسکے آگے کیا حقیقت مصر کے بازار کی
زیب نافِ شہر اک سیدھی سڑک ہے اسطرح
خوشنما سیلی حسینوں کے شکم پر جس طرح
ذرہ ذرہ کر رہا ہے یوں گہر افشانیاں / یہ زمیں ہے آسماں یہ راہ خطِ کہکشاں
شرق میں منظر دل آگیں غرب میں دلکش سماں / خاص و عام ایواں ادھر اس سمت رنگیں بوستاں
جاکے آرمین و کن میں اسکی سج دھج دیکھئے
اسطرف راوی ادھر دریائے ستلج دیکھئے
پچھم اتر کا جو گوشہ ہے وہاں جاری جناب / کوہ ہے بہر حوادث شرق میں ہے سدباب
صبحدم اٹھتا ہے جب کرکے اپنا فرش خواب / اسکی صورت دیکھتا ہے مل کے آنکھیں آفتاب
جس میں ہیں پروانہ دل وہ شمع روشن ہے یہی
مانگری کا چراغ زیر دامن ہے یہی
پر فضا منظر ہے کیجئے سیر بالائے حصار / دیکھئے نرسنگھ کا مندر وہ پچھلی یادگار
رکن عالم اور بہاء الدین دونوں کے مزار / دیکھ کر یاد آئے گا اسلامیوں کا اقتدار
دیکھئے پھر جاکے تعزیجا مقام شیر شاہ
یہ ہے بندرگاہ اس سے ہر طرف جاتی ہے راہ
ہے بلند اضلاع سے پنجاب کے قسمت تری / باعث عز و شرف ہے صنعت و حرفت تری
سنتے ہیں وقف امور خیر ہے دولت تری / دیکھنا ہے آج ہم کو بھی ذرا ہمت تری

لکھنو والے تو بیٹھے تھک کے ہمت ہار کے
شربت دینار ہے نسخے میں اس بیمار کے

حالت اس بیمار کی یوماً فیوماً ہے خراب — رفتہ رفتہ دیچکی ہیں قوتیں بالکل جواب
یہ نقاہت یہ نحافت اور یہ اسکا شباب — کوششوں میں ہم ہوئے اپنی زا بتک کامیاب

نکلا کوئی بھی نہ پہلو قلب کی تسکین کا
وقت ہے بیمار کی بالیں پہ اب آئیگا یٰسین کا

دوستو! ہے مرگ کی تمہید یا غفلت ہے یہ — غمگسار اسکے تغافل کیش نا طاقت ہے یہ
دم لبوں پر آگیا ہے ضعف کی شدت ہے یہ — ابتری سے مرکزی دفتر کی اب حالت ہے یہ

غش میں جیسے کوئی لاوارث مریض ناتواں
پاس اک مزدور[۱۴۵] بیٹھا جھل رہا ہے مکھیاں

صوبہ پنجاب میں ملتان! ہے کوئی طبیب — جسکی تدبیر و دوا سے اسکو صحت ہو نصیب
چارہ سازوں کے تغافل سے ہے مرنیکے قریب — ایڑیاں رگڑا کرے کبتک بتا دیں یہ غریب

---

۱۴۴ راجہ یٰسین علیخاں صاحب تعلقدار دیوگاؤں ضلع فیض آباد اس سال شیعہ کانفرنس کے سکریٹری تھے، اور یہ موصوف کی قومی ہمدردی اور ایثار نفس کا بہترین ثبوت ہے کہ جب کانفرنس کی یہ حالت تھی تو اپنی شان اور عزت کو بھول کر قومی ادارے کی سرپرستی کے لئے آمادہ ہوئے۔

۱۴۵ یہ بھی کانفرنس کے لئے عجب کس مپرسی کا زمانہ تھا جیسے کسی مایوس العلاج مریض کو عزیز اور تیماردار خدا پر چھوڑ دیتے ہیں اسی طرح سب نے اسکے فنا ہونے کی ہیبتناک صورت دیکھکر اسے چھوڑ دیا تھا۔ سید کریم حیدر صاحب تنخواہ دار سکریٹری اس کی دیکھ بھال اور قومی خدمت میں کمال فی ہمدردی سے مصروف تھے کانفرنس پر اس کریم النفس سید کا بھی احسان ہے کہ ایسے وقت میں انھوں نے اسکی خدمت کی اس حالت کی تصویر اس سے بہتر لفظوں میں ادا ہونا مشکل ہے۔

خود پرستوں کو تو ہے نام و نشاں کی احتیاج
اور اس بیمار کو نقلِ مکاں[۱۴۶] کی احتیاج

ایک طبقے کو یہ غرّہ سب پہ فائق ہیں ہمیں
دوسرا ہے ان ہو وانہیں کہ لائق ہیں ہمیں
دونوں کی حد بندیاں ہوں اُنکے شائق ہیں ہمیں
یہ نہیں تو حامیٔ ترکِ علائق ہیں ہمیں
ایک نصب العین ملکر کیوں نہ قائم ہم کریں
زندگانی کیوں بسر مثلِ بہائم ہم کریں

مسئلہ درپیش ہے تعمیم اور تخصیص کا
حق صدارت کا کسے حاصل ہے اسکی بحث کیا
بالغ و عاقل ہے اب "لختِ جگر" نامِ خدا
منتخب کرلے گا کوئی فرد حسبِ مدعا
سب کو اسکی رائے کا پابند رہنا چاہیے
کام کرنا مل کے اور خرسند رہنا چاہیے

ساقیا "لختِ جگر" کی ہے یہ پندرہویں گرہ
قوم کے نورِ نظر کی ہے یہ پندرہویں گرہ
نخلِ ملت کے ثمر کی ہے یہ پندرہویں گرہ
رشتۂ سلکِ گہر کی ہے یہ پندرہویں گرہ
اس گرہ کے پڑتے ہی کھل جائے ہر دلکی گرہ
کون جز مشکلکشا کھولے گا مشکل کی گرہ

جامِ آبِ آتشیں ساقی! کہ سردی تیز ہے
ذوقِ مے نوشی طلبگارِ خُمِ لبریز ہے
مصر ہے ملتاں ہوائے مصر شور انگیز ہے
سامنے وہ خانقاہِ یوسفؔ[۱۴۷] گردیز ہے

---

۱۴۶ اس زمانے میں آپس کی خانہ جنگیوں اور لکھنؤ کی فضا سے متاثر ہو کر یہ مسئلہ زیرِ غور تھا کہ شیعہ کانفرنس کا صدر دفتر پنجاب میں منتقل کر دیا جائے۔ چنانچہ شیخ ممتاز حسین جونپوری نے ملتان کی سبجکٹ کمیٹی میں ایک ایسا رزولیوشن بھی پیش کر دیا تھا جو مسترد ہو گیا۔

۱۴۷۔ ملتان میں یوسف گردیزی بہت مشہور صوفی اور درویش کی خانقاہ ہے جو اس جگہ سے قریب تھی جہاں شیعہ کانفرنس کا جلسہ ہوا تھا

یہ صدا گونجی ہوئی ہے گنبدِ افلاک میں
تذکرہ اس کا ہے جنت کی حدیثِ پاک میں

حضرت مخدوم را جو سرِ گروہِ مومنیں — خانقاہِ یوسفی کے اب ہیں سجادہ نشیں
رکھتے ہیں سینے میں اپنے اک دلِ دردآفریں — کیا ہماری تلخیِ اوقات سے واقف نہیں

شہر میں کوئی نظامِ قومیت قائم کریں
مکتبِ تعلیم و معہدِ تربیت قائم کریں

خطۂ ملتان اک سرسبز نخلستان ہے — ہر رطب شیریں ہے شیرینی رطب کی جان ہے
اسکے ریگستان میں خاکِ عرب کی شان ہے — جو عراق اسکو نہ سمجھے ناسمجھ نادان ہے

کہنہ عشرت خانۂ سرجوشِ عرفانی ہے یہ
مرکزِ سادات گردیزی و گیلانی ہے یہ

ہیں سراسر خوبیاں اس خطۂ ذیشان میں — سب سے پیچھے ہے مگر تعلیم کے میدان میں
اور سب کچھ خیر کیا یہ بھی نہیں امکان میں — ہائی اسکول ایک شیعہ کھولدیں ملتان میں

ہر جگہ تعلیم میں شیعوں کی حالت ایک ہے
ہوں کسی طبقے کے اندازِ جہالت ایک ہے

یہ تماشا لکھنؤ میں بندہ پرور دیکھئے — درسگاہیں مجلس شوریٰ کا دفتر دیکھئے
بعد ازاں دارالیتامیٰ کو بھی جاکر دیکھئے — دیکھئے ہر جزو و کل کو اور مکرر دیکھئے

جذبۂ ایثار و ہمدردی عیاں ہو جائیگا
کام کے جوہر کھلیں گے امتحاں ہو جائیگا

حال ہر قومی ادارے کا یہ بالا جمال ہے — جیسے جسکے کارکن ویسا ہی اُس کا حال ہے
دورِ سوم میں یتیموں کا یہ پہلا سال ہے — گھر ملا[۱۴۶] خانہ بدوشوں کو مبارک فال ہے

جا بجا منزل بمنزل مدتوں کمسن پھرے
شکر ہے بارہ برس کے بعد انکے دن پھرے

اپنے گھر کا اب یتیموں کو ہے کامل اختیار — آپ ہی مخدوم ہیں اور آپ ہی خدمتگزار
ایک انداز اخوتِ ایک اسلامی شعار — لکھنے پڑھنے میں کوئی مشاق کوئی دستکار

الغرض جو فرد ہے وہ فرد کا سب ان میں ہے
ناظران میں منصرم انمیں محاسب ان میں ہے

---

۱۴۶ شیعہ یتیم خانہ اس سے پہلے کرائے کے مکانوں میں رہا اور آئے دن مالک مکان کے نوٹس دینے پر مکان چھوڑنے اور نئے مکان تلاش کرنے کا کھٹکا لگا رہتا تھا، وکٹوریا گنج کے جس مکان میں اس وقت یتیم خانہ تھا اُس سے نکلنے کا نوٹس مل چکا تھا، اس وقت شیعہ یتیم خانے کے سکریٹری جناب سید مقبول حسین صاحب ظریف برادر خرد مولانا صفی صاحب تھے، سکریٹری صاحب موصوف اور شیخ ممتاز حسین جونپوری نے شہر بھر کی خاک چھانی اور ہفتوں پھرے مگر کوئی بڑا مکان نہ ملا بالآخر یہ طے پایا کہ اب جس طرح ہو یہ کوشش کی جائے کہ یتیم خانے کا اپنا مکان ہو جائے اور اس سعی کی زحمتوں کی تفصیل کیونکر کی جاسکے مختصر یہ کہ یہ زمین اور اُسپر ایک شاہی وقت کا شکستہ مکان ملا، جہاں اب عالیشان عمارت یتیم خانہ ہے، یہ نقشہ جناب ظریف کی خوش دماغی کا نتیجہ ہے جسکے مشورے میں بڑے بڑے خوش فکر انجینیر شریک ہیں۔ یہ عمارت جناب ظریف کے عہد میں تیار ہوئی اور اُسکے اور حصے برابر بنتے رہے اور بنتے جائیں گے۔

یہ ادارہ مستحق ہے التفاتِ عام کا
چاہیئے کوئی طریقہ اسکے استحکام کا
سب یہ حُسنِ تربیت ہے خادمِ ایّام کا
آگیا جلدی جو بچوں کو سلیقہ کام کا

اک ذرا اُٹھیے نہ لیجے بیٹھکر انگڑائیاں
دیکھیے خادم کی اپنے حوصلہ افزائیاں

مشربِ رنداں ہے ساقی احترامِ قومیت
بادۂ صافی سے ہو لبریز جامِ قومیت
قوم کی خدمت میں پہونچادے پیامِ قومیت
پھر نئے سر سے مرتب ہو نظامِ قومیت

چُن لے اُن افراد کو رندانِ مے آشام کے
کام کے جو درحقیقت ہوں نہ خالی نام کے

ساقیا درپیش ہے ترمیمِ دستور العمل
ہو رہی ہیں سیکشوں میں گرمی جنگ و جدل
رنگِ رُخ میں دیکھیے کیفیتِ ردّ و بدل
جام برکف ہم بھی حاضر ہیں صراحی در بغل

جز خلوصِ دل غرض کوئی نہ مطلب اور ہے
بادۂ بنعش کا شاید آخری یہ دور ہے

زندگی جنسے تھی وہ احباب پہلے مرچکے
صبر کی سل ہم دلِ نازک پہ اپنے دھر چکے
تابکے آخر صفی خدمتگزاری کرچکے
تازہ رس پھولوں سے گلچینوں کے دامن بھرچکے

پندرہ سال اسکو لے کر پھر چکے ہم دربدر
قوم! اب تیرے حوالے ہے ترا لختِ جگر"

سنہ ۱۹۲۲ء

اس سال کوئی اجلاس شیعہ کانفرنس کا نہیں ہوا

سنہ ۱۹۲۳ء

اجلاس شانزدہم بمقام جھنگ (مگھیانہ)

یہ جلسہ ۳۱ مارچ لغایت ۲ اپریل ۱۹۲۳ء زیر صدارت مولانا سید حشمت علی صاحب مجتہد پنجاب منعقد ہوا اسوقت راجہ یسین علی خاں صاحب شیعہ کانفرنس کے سکرٹری تھے اور بابو محبوب حسین خانصاحب جوائنٹ سکرٹری لیکن یہ حضرات سوء اتفاق سے شریک جلسہ نہ ہو سکے اس سال کے اہم واقعات میں اضلاع میرٹھ وگوڑگانوں اور آگرہ وغیرہ میں فتنۂ ارتداد کا زور وشور تھا اور بعض جگہوں پر امور عزاداری میں سختی سے رخنہ اندازی کیگئی، پنجاب کے بعض حضرات کی تحریک پر نواب فتح علی خانصاحب نے کانفرنس کے بعض وفد میں خود بنفس نفیس شرکت فرمائی اور میر صاحب خیرپور سندھ کی ہمدردی کانفرنس کے متعلق حاصل کی، اضلاع پنجاب کے بعض سربرآوردہ حضرات مثل مخدوم پیر سید محمد غوث صاحب وپیر مبارک علی شاہ وغیرہ نے شیعہ کانفرنس سے بہت دلچسپی لی تعزیتی رزولیوشنوں میں علامہ شیخ عبد العلی صاحب ہروی اور مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ کے فرزند جناب مولانا سید محمد کاظم صاحب۔ اور مولوی سید اعجاز حسین صاحب رئیس امروہہ کی وفات کے متعلق کانفرنس سے رزولیوشن پاس ہوئے۔

ضمیمہ لخت جگر متعلق بہ اجلاس شانزدہم شیعہ کانفرنس منعقدہ جھنگ

بتاریخ ۳۱ مارچ لغایتہ ۲ اپریل ۱۹۲۳ء

جھنگ اے نقشِ مراد اے حرز بازوے جناب — تیرا کاشانہ ہے اک آئینہ دار انقلاب
قبلِ عیسیٰ تین سو پچیس ازروے حساب — سن وہ تھے اسکندر اعظم ہوا جب فتحیاب

منہدم آثار سے نالاں ہے ابتک شورکوٹ
دل پہ سیاحوں کے جسکو دیکھکر لگتی ہو چوٹ

غالباً عہد علاء الدین خلجی میں ادھر — پہلے آئے رائے شنکر والیِ دارا نگر
تھے جو نسلاً راجپوت اور صاحبِ تیغ و سپر — نام ہے فرزند کا ان کے سیال نامور

تھا یہ فیضِ صحبتِ گنج شکر بابا فرید
کرلیا شیریں کلامی سے انھیں اپنا مرید

ہو گئے تھے بہرہ ور وہ دولتِ اسلام سے — ہے سیالی خانداں مشہور انھیں کے نام سے
کی بسر اس سرزمیں پر راحت و آرام سے — تھی خوش و خرم رعیت ان کے فیضِ عام سے

تھے انھیں کی نسل سے سردار مل خاں بیگیاں
وہ جنھوں نے جھنگ کی بنیاد ڈالی ہو یہاں

جھنگ کو سردار مل خاں نے کیا جب انتخاب — چودہ سو باسٹھ مسیحی سن تھے ازروے حساب
لیکن اسکے تھوڑے ہی دن بعد آیا انقلاب — ہو گئی دریا کی طغیانی سے آبادی خراب

مدتوں تک یہ رہا اس حالتِ تغیر میں
پھر ہوا آباد جاکر عہدِ عالمگیر میں

تھی صدی انیسویں سن لیجئے المختصر — جب ہوا رنجیت سنگھ آکر یہاں پر حملہ ور

جنگ کی سردار احمد خاں نے اُس سے بیخطر　　　اور بہ امدادِ مظفر خاں ہوئی حاصل ظفر

وہ مظفر خاں جو خود نواب تھے ملتان کے
اور سچے دوست ان سردار احمد خان کے

غدر میں سرکار انگریزی یہاں تھی حکمراں　　　باغیوں سے برسرِ پیکر با فواجِ گراں
ساتھ انگریزوں کے تھے سردار اسمٰعیل خاں　　　ہر جگہ ثابت قدم نکلے یہ وقتِ امتحاں

دوست رکھتے تھے جو سب حکام خوش تدبیر انھیں
خیر خواہی کے صلے میں دیگئی جاگیر انھیں

ساقیا مستوں کا رمنہ جھنگا ہے گھیا نہ ہو　　　وہ اگر میخانہ ہے تو یہ درِ میخانہ ہے
آج رندانِ نجف کا جلسۂ سالانہ ہے　　　پھر وہی ساقی وہی شیشہ وہی پیمانہ ہے

کون دل ہے کس قدر مسرور کچھ کھلتا نہیں
قوم کے بخت جاگی یہ گرہ ہے سوتھویں

ابتدا سے پندرہ سال اسکی خدمت ہمنے کی　　　ساتھ پہونچے ہر جگہ قطعِ مسافت ہمنے کی
صرف مدت تک دماغ و دل کی قوت ہمنے کی　　　نفس پر اپنے گوارا ہر اذیت سہنے کی

بدسے بدتر قوم کی حالت مگر ہوتی گئی
جسقدر ہم نے جگایا اور یہ سوتی گئی

خوب ایک اک دل کو ہمنے آزمایا قوم میں　　　جوش وقتی کے سوا کچھ بھی نہ پایا قوم میں
رہبر دل نے رہنما جنکو بنایا قوم میں　　　راستہ ہر فرد نے انکو بتایا قوم میں

کس مپرسی ہو جہاں ایسی وہاں کیا کیجیے
گھر میں بیٹھے حال پر شیعوں کے رویا کیجیے

کام ہمت سے ذرا بھی اہلِ زر لیتے نہیں — وعدہ کر لیتے ہیں بعد اس کے خبر لیتے نہیں

بے حسی سے جب دلوں پر تم اثر لیتے نہیں — مول ہم بھی موعظت کا دردِ سر لیتے نہیں

کیوں گلا جا جا کے پھاڑیں جھنگ میں ملتان میں

اس سے بہتر ہے پڑھیں تلقین گورستان میں

اِسمع[۱۴۹] افھم اسمع افھم اے مری مرحوم قوم — قوم اے زہرِ ہوائے نفس کی مسموم قوم

قوم اے ذی انتساب ہمت معدوم قوم — قوم اے محوِ طلوعِ ساعتِ معلوم قوم

کیوں تجھے کچھ یاد ہے اپنا وہ عہدِ اولیں

تو وہی ہے دین و دنیا کی خبر جسکو نہیں

شام سے یوں صبح کر اور صبح سے یوں شام کر — کام کر کوئی زمانے میں نہ پیدا نام کر

کیا غرض کیوں اتباعِ ملتِ اسلام کر — تا ظہورِ قائمِ آلِ عبا آرام کر

حشر جو ہونا ہے ہو گا اسکا اندیشہ ہی کیا

جسمیں حسِ قومیت ہو وہ رگ و ریشہ ہی کیا

کیا تجھے شیعہ یتیموں کی خبر گیری سے کام — کیوں کرے اطفال کی تعلیم کا تو انتظام

طائرِ اقبال ہے جبتک کہ تیرے زیرِ دام — سائیں[۱۵۰] شکرہ پال ہمدردی ہے کس جنجال کا نام

خیر اسی میں ہے تنزل کی ترقی رک نہ جائے

جانب اثیار شاہین تراز و جھک نہ جائے

---

۱۴۹ مُردوں کی تلقین جو پڑھی جاتی ہے اسمیں یہ الفاظ ہیں۔

۱۵۰ جھنگ میں شکرہ پالنے کا عام رواج ہے اور جناب کی جگہ وہاں مخاطبت میں ایک دوسرے کو سائیں کی لفظ سے یاد کرتے ہیں۔

دل وہی دل ہے کہ جسمیں مہر آگینی نہ ہو　　لب وہی لب حرف جسپر جز سخن چینی نہ ہو
آدمی کیا جسمیں استبداد و خود بینی نہو　　ہیچ ہے دنیا اگر سامان بیدینی نہ ہو

کام کم کیجے زیادہ نام پیدا کیجیے
صورتِ جمعیّت[۱۵۱] الاقوام پیدا کیجیے

مجلس شوریٰ سے کیا حاصل ہے دفتر توڑیے　　قومیت کے مزرعِ ہستی کو بالکل گوڑیے
دیکھیے اغیار کو احباب سے منہ موڑیے　　بیٹھکر تنہا صفیؔ دل کے پھپھولے پھوڑیے

اپنے اپنے رنگ میں ہیں مست جتنے خاص و عام
دور ہی سے ایسی مجلس قوم کو اپنا سلام[۲]

---

[۱۵۱] اسی زمانے میں لیگ آف نیشن یعنی جمعیۃ الاقوام کا انعقاد یورپ میں ہوا۔

[۲] جھنگ میں باوجود اصرار جناب مولانا صفیؔ خود نہیں تشریف لیگئے صرف بسلسلہ "تخت جگر" نظم لکھکر اپنے چھوٹے بھائی سید مقبول حسین صاحب ظریفؔ سکریٹری شیعہ یتیم خانے کو دیدی کہ وہ پڑھ دیں

سنہ ۱۹۲۴ء

اجلاس ہفتدہم بمقام فیض آباد

۲۱ لغایت ۲۳ مارچ سنہ ۲۴ء

اس سال شیعہ کانفرنس کے صدر جناب شمس العلماء مولانا سید ابن حسن صاحب مجتہد منتخب ہوئے، کانفرنس کے سکریٹری سید کلب عباس صاحب تھے۔ یہ سال کانفرنس کی تاریخ میں خصوصیت سے قابل ذکر ہے، کیونکہ مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ شیعہ بیت المال کھل جانے پر مصروفیتوں اور دیگر نامعلوم وجوہ سے کانفرنس سے الگ ہو گئے اور دو تین اور اکابر مجتہدین کو بھی شرکت کانفرنس کا موقع نہ تھا وہ بھی کنارہ کش ہو گئے، ادھر قوم حضرات مجتہدین کی اس علحدگی سے دوسرا مطلب نکالتی تھی اور مخالفین کانفرنس نے کانفرنس کی طرف سے خیالات خراب کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، جدید تعلیم یافتہ حضرات کو اپنے اشغال سے فرصت کم نتیجہ یہ کہ کانفرنس کی زندگی میں یہ ایک نیا باب شروع ہوا اور اس سال کانفرنس کے دستور العمل کی ترمیم کا مسئلہ بھی اجلاس کانفرنس میں پیش ہوا، فیض آباد میں جہاں کانفرنس کا اجلاس منعقد ہونے کو تھا وہاں کچھ جدید تعلیم یافتہ حضرات نے خواہ مخواہ کانفرنس کی مخالفت شروع کر دی تاکہ اجلاس کانفرنس کامیاب نہ ہو، فیض آباد کی سالانہ مجالس کی بنا بھی اسی تاریخی زمانے میں ہوئی، یہ وہ سال تھا کہ نواب سر فتح علیخاں، مرزا حبیب حسین

صاحب پرنسپل۔ راجہ اصغر علی خان رئیس اصغر آباد، نواب ابرار علی خانصاحب رئیس حسین آباد مونگیر کا انتقال ہو چکا تھا اور سال گذشتہ سے کشمیر میں جلوس ذوالجناح بروز عاشورا نکالنے میں حکام مانع ہو رہے تھے، قصبہ کراری، ضلع الہ آباد میں تبرے کے متعلق بہت بڑا بلوہ ہوا تھا جس میں وہاں کے بعض مومنین کو سزا ہو گئی تھی اس کے پہلے سال علمائے عراق جلا وطن ہوئے اور اینر سخت سے سخت مظالم کیے گئے۔ اس سال بعض علمار کی خدمت میں شرکت کانفرنس کے لئے ایک وفد بھی گیا جس میں میر واجد علی صاحب وکیل رائے بریلی بھی تھے جو قوم و ملک کے دیرینہ اور مخلص کارکن ہیں اور جنھوں نے اپنے عزم و خیال کے بموجب قوم و ملک کی فلاح کے لئے، جیل میں سزائے قید تک برداشت کی، ایک عالم دین نے اس درجہ ترش کلامی اور ناگفتہ بہ الفاظ سے انکو ڈانٹا کہ پھر اس معاملے میں مزید قدم اٹھانے کی ہمت نہ رہی۔ ان سب باتوں کے پھیلنے اور زمانے کی عام حالت سے اسوقت ملک میں زیادہ تر شیعوں کی ذہنیت میں ایک عظیم تغیر پیدا ہو گیا تھا۔ تعلیم یافتہ طبقہ شیعہ کانفرنس کے ابتدائی دور میں اگر ۹۵ فیصدی علما پرست تھا اور بلا لحاظ اس کے کہ کس عالم کا کیا پایہ ہے، دنیاوی معاملات میں بھی ان کے احکام اور ارشاد کو واجب التعمیل جانتا تھا تو اس زمانے تک آتے آتے یہ ہو گیا کہ مقدس علما کا احترام تو باقی رہ گیا لیکن معمولی درجے کے علمائے تعلیم یافتہ گروہ کو ۸۰ فیصدی سے زیادہ عقیدت مندی جاتی رہی، مولانا صفی نے اس سال جو نظم لکھی ہے اسمیں اس زمانے کے اکثر اور غالب تعداد شیعہ کے خیالات کی صحیح ترجمانی کی ہے اور

اس سال کی نظم میں حقیقتاً بڑی متانت اور تہذیب سے اُن امور اور اُن کردار کا ذکر کیا گیا ہے جو اس وقت کی ظاہری اور باطنی حالت کا آئینہ ہیں اس سال کی معرکۃ الآرا نظم کا یہ اثر ہوا کہ کئی نظمیں اسکے جواب میں لکھی گئیں جنمیں سے ایک جوابی نظم "خونِ لختِ جگر" ہے، مولانا صفی کی نظم واقعات اور حالات صحیح اور قلبی واردات قوم پر مبنی ہے اس لئے حقیقتاً اس کے جواب کی ضرورت ہی نہیں، اس سال بعض اکابر علماء و مجتہدین لکھنؤ کی عدم شرکت سے متاثر ہوکر اپنی قوم کی ہمدردی کیلئے بعض اور علماء اور مجتہدین لکھنؤ آگے بڑھے اور شیعہ کانفرنس کے اجلاس فیض آباد میں یہ طے پایا کہ حضرات علماء کی ایک مجلس نظارت قائم کیجائے اور اراکین مجلس علما دیکھکر ارشاد فرمادیا کریں کہ کوئی پاس کیا ہوا رزولیوشن خلاف شریعت تو نہیں ہے، اس سال سرِ فتح علیخاں صاحب کے انتقال کیوجہ سے شیعہ کالج کے ٹرسٹیوں کی جماعت میں منصب سکریٹری کے بارے میں سخت اختلاف آراہوا۔ ایک جماعت ان کے فرزند نثار علی خاں صاحب کو انکی جگہ پر شیعہ کالج کا سکریٹری منتخب کرادینے پر مصر تھی۔ دوسرا گروہ بغیر سوچے سمجھے ایسے فوری تقرر کو شیعہ کالج کے لئے مُضر خیال کرتا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ نواب نثار علی خاں صاحب شیعہ کالج کے سکریٹری منتخب ہوگئے اور کچھ ٹرسٹی ہمیشہ کے لئے شیعہ کالج کی مجلس امناء سے مستعفی ہوگئے، قبل ان سب کارروائیوں کے ۱۰ر جنوری سنہ ۱۹۲۱ء کو پبلک کی جانب سے ایک وفد نے چاہا کہ سکریٹری شیعہ کالج کے عہدے کے لئے عوام کے خیالات کا اظہار مجلس امناسے کرے لیکن اسکو باریابی کا موقع نہیں دیا گیا، اسپر رفاہ عام لکھنؤ کی عمارت میں ایک بڑا جلسہ منعقد ہوا اور اسمیں نواب نثار علی خاں کے سکریٹری مقرر ہوجانے پر احتجاج

کیا گیا۔ یہ سال شیعوں کے لئے عجب حزن و ملال اور بے چینی کا سال گزرا اور اس سال کی نظم ایک تاریخی نظم ہے اور واقعات و کردار قوم اور افراد ملت کی ذہنیت کی مصوری کے اعتبار سے یادگار نظم ہے اور شاعرانہ انداز میں ایک کلاسکل (علمی) ذخیرہ ہے جسکے لئے میں اتنا بھی نوٹ نہ لکھ سکا جسکی ضرورت ہے۔

لختِ جگر

متعلق باجلاس ہفتدہم شیعہ کانفرنس منعقدہ بمقام فیض آباد بتاریخ ۲۱ لغایت ۲۳ مارچ ۱۹۲۴ء

—٥—

شہر فیض آباد اے شیعوں کی سرکارِ قدیم[۱۵۲] — آج تیرا آستاں ہے مرکزِ امید و بیم[۱۵۳]
اک مریضِ ناتواں آیا ہے باحالِ سقیم — کیوں نہ ہو تشویش ہے دل چارہ سازو نکادو نیم

اسطرف یا اسطرف حالت یہ کبتک بین بین
کاش آئے موت ہی الیاس احدی الحسنین

ہم رہے ملتان تک اس نیچاں کے ہم سفر — بس اسکے رنگ کچھ بیرنگ جب آیا نظر
دور ہی سے جھنگ میں تلقین پڑھوا دی مگر[۱۵۴] — پھر سنا گل ہوتے ہوتے رہ گئی شمع سحر

دیر کیسی قصد یکسوئی اگر بالختم ہو
یا سنبھالا لیکے سنبھلے یا تو قصہ ختم ہو

---

۱۵۲ نواب شجاع الدولہ نواب وزیر اودھ حامی دین شیعہ اس شہر میں حکمراں گزرے۔

۱۵۳ یہ وہ زمانہ ہے کہ شیعہ کانفرنس میں بعض علماء و اکثر تعلیم یافتہ حضرات شریک نہیں ہوتے اور اندیشہ کیا جاتا تھا کہ کانفرنس ٹوٹ جائیگی، دوسری جانب یہ امید ہوتی تھی کہ بعض قیود کے اٹھا دینے سے یہ اور زیادہ ترقی کر جائیگی۔

۱۵۴ مولانا صفی صاحب جھنگ کے اجلاس میں تشریف نہیں لیگئے تھے اور ایک نظم بھجوا دی تھی، اس جھنگ کی نظم میں شاعرانہ عنوان سے اسمِ اعظم کا فقرہ مناسب محل پر صرف ہوا ہے جو داخل تلقین ہے۔

اہلِ دنیا اہلِ دیں[155] اک دوسرے سے بدگماں مفت میں قومی اداروں کو پہونچتا ہے زیاں
کون گلچیں، کون ہے اللہ جانے باغباں مدتوں سے ہے دو عملے میں ہمارا آشیاں

کوششیں کیں ہمصفیروں نے عبث جی توڑ کر
ہم تو اک گوشے میں بیٹھے تھے چمن کو چھوڑ کر

قوم کی ہر فرد دنیا دار ہو یا دیندار قومیت کی آڑ میں چاہے جو اپنا اقتدار
خود غرض ہے خود غرض کی بات کا کیا اعتبار مردِ میدانِ عمل اس کو نہ سمجھو زینہار

ہیں وہ شیعہ کار آمد جو فنا فی القوم ہوں
رائے میں آزاد پابندِ صلوٰۃ و صوم ہوں

جملہ قومی کام ہوں بے خواہشِ نام و نمود ہوں معین طبقے طبقے کے جداگانہ حدود
ہو رکاوٹ کام میں عائد نہوں ایسے قیود دینوی دینی مسائل ہوں نہ ملکر غت ربود

احترامِ اہلِ دیں کیوں اہلِ دنیا کم کریں
خالص احکامِ شریعت سُن کے گردن خم کریں

دینوی ایسے مسائل جو کہ تقلیدی نہیں ہیں مساوی انمیں دونوں اہلِ دنیا اہلِ دیں
کثرتِ آراء سے انکو طے کریں جب مومنیں پھر کسیکو حق نہیں اسکا کہ ہو چیں بر جبیں

گر مخالف اصل سے پایا نجائے فرع کا
کیوں مصالح سے بڑھایا جائے حلقہ شرع کا

---

[155] یہ وہ زمانہ تھا کہ بعض حضرات علمائے کرام لکھنؤ اور انگریزی تعلیم یافتہ حضرات میں بعض قومی مسائل کے بارے میں سخت اختلاف تھا۔

رائے سے عالم کی امرِ دنیوی میں اختلاف　　واقعاً حکمِ شریعت سے نہیں ہے انحراف
قولِ شارع قولِ عالم فرق ہے دونوں میں صاف　　آبِ خالص اور شئے ہے اور شئے آبِ مضاف

ہاں مگر وہ بحث اک حسنِ ادب کیساتھ ہو
یہ نہیں طرزِ بیاں شور و شغب کے ساتھ ہو

ٹھنڈے دل سے چاہیئے ترمیم دستور العمل[۱۵۶]　　قوم کے اجزائے ترکیبی میں ہو ردّ و بدل
جو دوائیں سخت انمل ہوں نہ ہو سکتی ہوں حل　　ڈھونڈھیے انکا بدل پھر کیجیئے باہم گھول

پہلے غور و فکر سے نسخہ مرتب کیجیے
بعد ازاں تیار معجونِ مرکب کیجیے

ڈپلومیٹک[۱۵۷] ہم میں ہیں کچھ ایسے اربابِ ہنر　　باندھ کر جو شخصیت کا ٹھاٹھ[۱۵۸] باصد کر و فر
چھوٹ پبلک سے لڑا کرتے ہیں بےخوف خطر　　صاف ہیں جوتیں تماچا بارہا پائیں اگر

قومیت کے بخئین یہ خود غرض صد حیف ہیں
عالمانِ دیں سپر حکام ان کی سیف ہیں

ان پٹے بازوں کو ہے خالی پٹے بازی سے کام　　دست بوسی عالموں کی حاکموں کا احترام
معترض مرعوب ہوں جس سے وہ اندازِ خرام　　اور سلام شوق بھی انکا حریفانہ سلام

یہ بدل کر پینترے میداں میں جب کسرت دکھائیں
الٹی یں اہل حکومت انکے قبضے میں نہ آئیں

---

۱۵۶ اس اجلاس میں شیعہ کانفرنس کا ترمیمی دستور العمل پیش تھا۔

۱۵۷ چالیے جو ظاہر میں کچھ چال چلیں اور باطن میں کچھ اور۔

۱۵۸ یہ تلمیح لطیف عمومیت کے عنوان سے استعمال کیگئی ہے تشریح نہ کیجیے کیوجہ سے کوئی صاحب اپنے سر اسے نہ تھوپ لیں۔

عالمانِ دین موافق شرع کے جو حکم دیں
فرض ہے سب پر کہ آمنا و صدقنا کہیں
مصلحت بینی میں جب حدِ شریعت سے بڑھیں
وہ جو خیر اندیش ہیں تائید اسکی کیوں کریں
آیئے سوئے بلندی میل پستی چھوڑ کر
حق پرستی کیجیے انساں پرستی چھوڑ کر

ایک جانب لیڈری کے جتنے دعویدار ہیں
دائرے میں گر شریعت کے نہیں بیکار ہیں
فائدہ کیا جوش قومی سے اگر سرشار ہیں
جب عمل میں ہیچ ہیں صفر اک دم ایثار ہیں
کچھ بلند آہنگ انمیں صورتِ طبل تہی[۱۵۹]
کچھ اکڑ کر جھومنے میں ہمسر سروِ سہی[۱۶۰]

کچھ وہ ہیں سر میں ہوائے کبر جنکے محتبس
انتظامی قابلیت سے نہیں گو مس و مس
جا و بیجا منہ سے جو نکلے وہی ہو جائے بس
حکم تاکیدی ہیں نادر شاہ تو ٹھہرے یہ دس
ان کے تیور دید کے قابل کریں جب گفتگو
شیرِ پنجاب[۱۶۱] انکی ہیبت کا مرقع ہو بہو

---

۱۵۹ اسطرح کابلی آغا ہوتے ہیں کہ عقل کی بات سمجھنے میں انکو تکلف ہوتا ہے اسطرح کے حضرات کیطرف اشارہ ہے۔

۱۶۰ مغربی تعلیم کے خلل مارے ہوئے ان نوجوانوں کی طرف اشارہ ہے جو کوٹ اور پتلون پہن لیتے ہیں اور سرو سہی قد معلوم ہونے لگتے ہیں۔

۱۶۱ شیر پنجاب رنجیت سنگھ کا لقب تھا جو ایک آنکھ کا تھا اس بند کو سنکر نواب مرتضیٰ حسین خانصاحب مرحوم رئیس لکھنؤ نے جنکا ادبی ذوق نہایت لطیف تھا مولانا صفی کو بہت داد سخن دی تھی۔

بعض وہ گرگِ آشتی[١٦٢] میں جنکی روبہ بازیاں | راستبازوں پر کمینگاہوں سے تیر اندازیاں
خاصیت سیماب کی سی ہتھکنڈے غمازیاں | مفسدہ انگیزیاں یا افترا پردازیاں

زہر بنکر دوڑتے ہیں کالبد میں قوم کے
گو بڑے پابند ظاہر میں صلوٰۃ و صوم کے

اس چمن میں چند گل بھی ہیں جہاں ہر خار و خس | جنمیں حسنِ خلق ہے جنکی طبیعت نکتہ رس
قوم کی کیونکر ترقی ہو یہی دھن ہر نفس | کام سے اپنے غرض اللہ بس باقی ہوس

کچھ نہیں ذاتی مصالح انکے قومی کام میں
خوش سلیقہ معتمد ممدوح خاص و عام میں

قوم کے پیسے سے جلبِ منفعت کے خواستگار | ان مبارک ہستیوں پر بھی کیا کرتے ہیں وار
سامنے تو آ نہیں سکتے بخوفِ گیر و دار | رو بہانہ[١٦٣] کھیلتے ہیں چھپ کے ٹٹی سے شکار

سازشیں کرتے ہیں قائم کرکے اپنا اک جتھا
سننے والوں کو سنائیں تاکہ جا جا کر کتھا

---

١٦٢ گرگ آشتی کا مفہوم یہ ہے کہ سردی کی شدت سے بھیڑیے جب باہر تلاش غذا کے لئے نہیں نکل سکتے تو سب غول کے غول میں ایک جگہ سمٹ کر بیٹھ جاتے ہیں اور ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہتے ہیں اُن میں سے جسکی آنکھ جھپک گئی یا جسکا رخ پھر اسپر چھاپہ مار کر اسے کھا جاتے ہیں یہاں اس صفت سے ان بزرگان قوم کے افعال سے کنایہ ہے جو قوم میں ملکر اپنے ہی افراد کی ہلاکت کا سبب ہیں بعض حضرات چھپ چھپ کر اخباروں میں مخلص قومی کارکنوں کے خلاف مضامین لکھکر مقاصد ذاتی حاصل کرنے کیلئے قوم کے شیرازے کو منتشر کرتے رہے کچھ حضرات ادھر کی باتیں اُدھر پہونچا کے اور اپنی طرف سے کچھ ملا کے افتراپردازیاں کرتے رہے جس سے قومی نقصان ہوا۔ یہ اس زمانے کے ایسے ہی حضرات کی طرف اشارہ ہے۔

١٦٣ بعض حضرات اخبار دنیں گمنام مضامین لکھا کرتے ہیں اور داڑھی بھی رکھتے تھے انکی طرف یہ ٹٹی کے آڑ کا شکار منسوب ہے۔

رخنہ گر ہر کام میں جب خود غرض افراد ہوں ۔۔۔ کیوں نہ مخلص کارکن چاہیں کہ جلد آزاد ہوں
شیعوں کے قومی ادارے کیوں نہ پھر برباد ہوں ۔۔۔ دوست کیوں غمگیں نہوں اور کیوں نہ دشمن شاد ہوں

اک جماعت کارکن اب آپ انھیں میں سے چنیں
وہ جنھیں لالچ نہیں کیوں دلشکن باتیں سنیں

ہے مشیرِ بے نظیر انساں کا وجدانی ضمیر ۔۔۔ یہ رہے بے لوث جبتک عقل کا ہے دستگیر
ورنہ غالب آگیا جب عقل پر نفسِ شریر ۔۔۔ دیدہ و دانستہ بنجاتا ہے اعمیٰ ہر بصیر

بند کر کے دونوں آنکھیں دیکھتا ہے کان سو
بھاگتا ہے دور تحقیقات کے میدان سو

محفلِ اقوام میں جب تک ہے شیعوں کا یہ حال ۔۔۔ کچھ ترقی کر سکے یہ قوم ہے قطعاً محال
کون قومی کام کر کے مول لے سر پر وبال ۔۔۔ جانور کثرت سے جسمیں اور انساں خال خال

جو انھیں ایسا ہو اُنکے کام کا وہ اہل ہے
دور اندیشی ہے مشکل خُردہ گیری سہل ہے

قوم شیعہ کے لئے یکساں ہے ہر آب و ہوا ۔۔۔ جوشِ ہمت اسمیں قیتی زود رنجی دیر پا
ہے بہم آغوشِ تلون طبع اربابِ ولا ۔۔۔ بات کہتے یوں پلٹ جاتے ہیں جیسے گھاگرا

سبھے تھے حالت وہیں کی قابلِ فریاد ہے
بمبئی میں لکھنؤ سے بڑھ کے فیض آباد ہے

تھا یہی پہلے ہمارے بھی بزرگوں کا وطن ۔۔۔ لکھنؤ بسنے پہ جو اجڑا وہی ہے یہ چمن
دیتے ہیں ابتک پتہ بستی کے آثارِ کہن ۔۔۔ ہمت و جرأت کا پتلا تھے یہانکے مرد و زن

تھی شجاع الدولہ سے بڑھکر بہو بیگم میں خیر
ہم تو ہم ہیں معترف اس بات کے اقوامِ غیر

خوگرِ مہماں نوازی تھے یہاں کے خاص و عام — میہماں کافر بھی آجاتا تو کرتے احترام
وضع کی پابندیوں میں تھا نہایت اہتمام — قول ہی تھا فعل پتھر کی لکیر ان کا کلام
داغ دل میں رہ گئے آہیں پریشاں ہو گئیں
یہ نشاں اُن بستیوں کے ہیں جو ویراں ہو گئیں

دل نہ مانے گر سوادِ شہر کے دیکھے بغیر — مقبرے پر سے بہو بیگم کے کیجے اس کی سیر
مسجدیں صدہا نظر آئیں گی صدہا اسمیں دیر — چلتے پھرتے مرد و زن اور چرتے چگتے وحش و طیر
ہر ورق اس باغ کے گلہائے رنگا رنگ کا
تذکرہ سمجھو ابوالمنصور صفدر جنگ کا

عیسوی سنہ تھا وہ ساڑھے سترہ سو جب یہاں — گھاگھرا کی طرح سے دولت کا دریا تھا رواں
مائلِ تعمیر تھا ایک ایک اسکا حکمراں — خاصکر عہدِ شجاع الدولہ کا ہو کیا بیاں
وہ شجاع الدولہ جو تھا شیر دل بے اشتباہ
شاہدِ عظمت سرِ مدفن ہے شمشیر و کلاہ

انفرادی حیثیت سے ہیں نمونے جا بجا — کام شیعوں نے مگر ملکر نہیں اب تک کیا
اپنی اپنی شخصیت پر صنفیت پر ہیں فدا — قوتِ جمہوریت کو جانتے ہیں اک بلا
مل کے قومی خدمتیں ہرگز یہ کر سکتے نہیں
ایسے ڈوبے ہیں کہ پستی سے اُبھر سکتے نہیں

مشرقی تعلیم والوں میں رواداری کا قحط — مغربی تعلیم والوں میں ملنساری کا قحط
قوم کے افراد غافل اُن میں بیداری کا قحط — حلقۂ ملت میں ہر سو جنسِ ہشیاری کا قحط
منعمانِ قوم میں ایثار و ہمدردی کہاں
خستہ حالوں میں ثباتِ قلب و پامردی کہاں

قوم میں پھیلی ہوئی ہے فرقہ بندی کی وبا   چلتی رہتی ہے کبھی پچھوا کبھی پروا ہوا
ریت کے ذرے اُڑا کرتے ہیں مابین فضا   ابتری کا حال جب یہ ہو تو جمعیت کجا
رُخ سُو مدفن ہے انکے توسن چالاک کا
دیکھئے کیا حشر ہوتا ہے ہماری خاک کا

تاقیامت ساقیا آباد تیری انجمن   آفتاب شرع رندوں پر ترے پرتو فگن
ہیں صدارت پر بفضل کردگار ذوالمنن   مسند آرائے شریعت مولوی ابن حسن
شمسِ ملت جانشین حضرت غفرانمآب
شکر ایزد آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

خود شریعت نے انھیں[٦٤] کے گھر سے پایا ہے اوج   راست رو انکی طبیعت صلح کل ان کا مزاج
التفاتِ خاص کی بیمار کو بھی احتیاج   سنتے ہی حالت چلے آئے بتقریب علاج
مومنیں کو خواب غفلت سے جگانے کے لئے
بعد ازاں خاکِ شفا اسکو چٹانے کے لئے

ساقیا اکتا گئے ہیں رند وعظ و پند سے   بزم ہے آراستہ حضار دانش مند سے
دے وہ مے جسمیں حلاوت ہو زیادہ قند سے   قوم کو لختِ جگر کچھ کم نہیں فرزند سے
اسکی ستر مو میں گرہ سنتا ہوں ڈالی جائیگی
آج بھی کیا میکشوں کی بات خالی جائیگی

---

٦٤ حضرت غفرانمآب نے تشیع کے پھیلانے میں بہت یادگار حصہ لیا۔ جناب مولانا ابن حسن صاحب مجتہد صدر اجلاس اسی خاندان سے ہیں اور موصوف نے اسوقت شیعوں کا ساتھ دیا جب بعض مجتہدین لکھنؤ کنارہ کش تھے۔

بزم تیری ساقیا وہ بزم جاں افروز ہے   شب جہاں پر شب برات اور دن جہاں نوروز ہے
کون ہم رندوں کا ہولی کے سوا دلسوز ہے   تین[۱۶۵] تہواروں کا مل جانا سبق آموز ہے

ہے اشارہ اتفاقِ باہمی پیدا کرو
کثرت و وحدت کا نظارہ لبِ دریا کرو

صلح میں جو فائدہ ہے وہ نہیں ہے جنگ میں   ہولی اور نوروز دونوں آج ہیں اک رنگ میں
کہدو اُن سے غرق ہوں جو فکر نام و ننگ میں   جڑ لئے تارِ نفرقی اس ساز سیر آہنگ میں

جتنے پردے ہیں رہیں سب ہمنوائے قومیت
ہے فنائے شخصیت خشتِ بنائے قومیت

کیوں کریں صف بندیاں یکتاش ہوں یا خیلتاش   کیوں ادھر ہے دشمن باتیں ادھر ہیں دلخراش
ملکے حق جوئی کریں جن جن کو حق کی ہو تلاش   قوتیں ٹکرا گئیں باہم تو ہونگی پاش پاش

سنتے ہیں یہ پارٹی اُس پارٹی سے بھڑ گئی
ساقیا شیعوں میں بھی بحثِ خلافت[۱۶۶] چھڑ گئی

دستِ رنداں تنگ ہو بخشا ہی نہیں جامِ شراب   یہ بھی کیا ہے ساقیا تعلیم نسواں کا نصاب
ہو گیا سولہ برس تک کھاتے کھاتے پیچ و تاب   قوم کے لختِ جگر کا شیب سے بدتر شباب

سوچ کچھ اصلاح کی تدبیر جھٹ پٹ ساقیا
کاغذی کوزے ہیں کبتک ائیں کھٹ پٹ ساقیا

---

[۱۶۵] اس سال نوروز اور شب برات اور ہولی ایک دن پڑے جب جلسہ سالانہ ہو رہا تھا۔

[۱۶۶] جناب سید علی صاحب قبلہ مجتہد لکھنؤ کی جانشینی کا جھگڑا طول کھینچ گیا اور دو مجتہدوں میں جد وجہد اسکیلئے تھی اور اسوقت تک اسکا سلسلہ جاری تھا۔

عید ہے بختِ جگر ؔگو یا تو عیدی دیجئے ‏ ‏ یا تو پڑھ کر فاتحہ مردوں میں شامل کیجئے
مستقل اسکے لئے چندہ سبھوں سے لیجئے ‏ ‏ ورنہ بیکار آئے دن خونِ جگر کیوں پیجئے

یا اُبھریئے یا زمیں میں آج سے گڑ جایئے
کر گذریئے الغرض جس بات پر اڑ جایئے

ایک نصب العین اگر ہے پھر باہم تکرار کیوں ‏ ‏ اس سے وہ ناراض ساقی اس سے یہ بیزار کیوں
میکدے میں جنگ پر آمادہ ہر میخوار کیوں ‏ ‏ مجلسِ کنگاش قومی عرصۂ پیکار کیوں

ایک دل ناوک فگن کیوں قوتِ تقریر سے
ایک صف شمشیر زن کیوں فتوئ تکفیر سے

مل کے رہیے ملکے چلئے ملنے کی کوشش کیجئے ‏ ‏ قومیت مقصود اگر ہے شخصیت تج دیجئے
جو قدم بڑھتا ہو ہاتھوں ہاتھ اسکو لیجئے ‏ ‏ بادۂ گلگوں حریفوں کو پلا کر پیجئے

کیوں اکھاڑوں میں اُتر کر ہاتھا پائی روز ہو
کیوں لڑائی روز ہو زور آزمائی روز ہو

خانہ جنگی سے تباہی کے سوا حاصل نہیں ‏ ‏ خودکشی پر جو بھی آمادہ ہو وہ عاقل نہیں
درد دیں جسمیں نہو پتھر ہے پتھر دل نہیں ‏ ‏ بے عمل جاہل سے بدتر ہے اگر جاہل نہیں

مل کے جینا چاہئے اور مل کے مرنا چاہئے
متحد ہو کر غرض ہر کام کرنا چاہئے

قوم شیعہ کیا ہے اک آئینۂ بشکستہ ہے ‏ ‏ خودنمائی جس کے ایک ایک جزو میں پیوستہ ہے
کانٹے اسمیں سیکڑوں اس رنگ کا گلدستہ ہے ‏ ‏ پھول مرجھائے ہوئے حالت خراب و خستہ ہے

جسکے دم سے تھے تنِ مردہ میں آثارِ حیات
تھی فقط خلد آشیاں فتح علی خاں کی وہ ذات

قدر کے قابل تھا وہ مغفور اپنی ذات سے　　اُٹھ گیا واحسرتا اس منزلِ آفات سے

دردِ قومی موجزن تھا اسکی اک اک بات سے　　عمر بھر فرصت نہ پائی فکرِ اصلاحات سے

قوم نے اس اشرف الاعیان کی کیا قدر کی
بذل کی کیا قدر کی احسان کی کیا قدر کی

منعموں کو اسکا شیوہ قابلِ تقلید تھا　　مفلسوں کو جلوہ ابرو ہلالِ عید تھا

اتحاد انگیز دل آئینۂ توحید تھا　　دل میں جو کچھ تھا زباں پر صاف بے تمہید تھا

اُٹھئے جلد اپنی جگہ سے دیر اب کیوں کیجئے
نام پر مرحوم کے اک فاتحہ پڑھ دیجئے

رند و زاہد دونوں ہیں ساقی ترے در کے فقیر　　مومن و کافر ہیں تیری ہی محبت میں اسیر

خوب روشن تجھ پہ ہے ہر شخص کا مافی الضمیر　　دے وہ مے جو ڈال دے پتھر کے سینے میں لکیر

ہو ظہورِ مہدیِ دیں رہنمائی کے لئے
دل کی کشتی مضطرب ہے ناخدائی کے لئے

مجلس کنگاش میں شورِ تکلم آج ہے　　وسعتِ ایوانِ شوریٰ بحرِ قلزم آج ہے

جوش حق کوشی میں ہر جانب تلاطم آج ہے　　مثبت و منفی نتائج میں تصادم آج ہے

قوم کی کشتی تھپیڑوں سے جو چھوٹے سیر ہو
سخت طوفانی ہوائیں ہیں الٰہی خیر ہو

بھیجدے اب غیب کے پردے سے کوئی دستگیر　　مصلحت کی چار دیواری میں ہیں کب سے اسیر

دین میں رہ کر ہے دنیا کی ترقی ناگزیر　　ورنہ سب مسجد میں جا بیٹھیں بچھا کر اک حصیر

کالج و اسکول کی حالت پہ مولا اک نگہ
مُردے[۱۶۷] پا جاتے ہیں یہ پاتے نہیں اب تک جگہ

ع‍ ۱۶۷ شیعہ کالج کیلئے کہیں زمین اسوقت تک نہیں ملی تھی۔

منتخب ہوں رائے جمہوری سے قومی کارکن / اور وہ ایسے ہوں جنکو کام کرنیکی ہو دھن
دل میں جو کچھ ہو زباں پر بھی وہی آئے سخن / مانگو پھر چندہ ابھی دیکھو برس پڑتا ہے مَن

ناپسندیدہ ہے یہ رندانِ مے آشام میں
قوم ہی سے رازداری قوم ہی کے کام میں

جز امامِ عصر کوئی فرد اس قابل نہیں / دین و دنیا کی حکومت جسکے ہو زیرِ نگیں
رہنما غیبت میں انکی شرع و عقل و دیں / اختلافِ آرا کا جب ہو درمیانِ مومنیں

جسکی قانونِ الٰہی میں اجازت ہے کریں
ہر طرح کے دقتوں کو مشورت سے طے کریں

جو ائمہ کا تمھارے تھا وہی سیکھو چلن / جادۂ لا تفسدوا فی الارض پر ہو گامزن
ستمِ قاتل ہی اسے سمجھو تم اربابِ وطن / ہو اگر اس نونہالِ قومیت کے بچپن

خون سے سینچا ہے جسکو سترہ سولہ برس
نوجوانی پر بھی کیا اسکی نہیں آتا ترس

دیکھکر اٹھارہویں سال اُسے دم توڑتا / پھر گئی آنکھوں میں تصویرِ شبیہِ مصطفےٰ
نوجواں لختِ جگر وہ حضرتِ شبیر کا / کربلا میں قوم کے ہاتھوں لہو جسکا بہا

دونوں ہاتھوں سے سنبھالو ابلِ صدپاش کو
سب اٹھاؤ ملکے اس کڑیل جواں کی لاش کو

خون ہے اس بے گنہ کا قوم شیعہ تیرے سر / اب تباہی کے تری آثار ہیں پیشِ نظر
الحذر اے مصلحانِ ملک و ملت الحذر / کچھ نہ سمجھے تم کو سمجھایا صفی نے کس قدر

وائے قسمت یہ وہی لختِ جگر ناشاد ہے
لکھنؤ مولد ہے مدفن جسکا فیض آباد ہے

۱۹۲۵ء

اجلاس ہیجدہم شیعہ کانفرنس بمقام بمبئی

اس سال شیعہ کانفرنس کے سکرٹیری میر واجد علی صاحب وکیل اور جوائنٹ سکرٹیری مرزا عابد حسین صاحب وکیل تھے۔ فیض آباد کے اجلاس شیعہ کانفرنس سے کچھ پیشتر دو تین بڑے بڑے حضرات مجتہدین لکھنؤ جو پہلے کانفرنس کے جلسوں میں شرکت فرماتے تھے اس سال کچھ تو دوری راہ اور کچھ اسوجہ سے کہ اُنکے کانفرنس کے اجلاس تک لانے کے مصارف وغیرہ زیادہ تھے کانفرنس کا اجلاس اُن کی شرکت سے محروم رہا اسلئے وہ حضرات جو کانفرنس کے مخالف تھے اُنھوں نے اِن حضرات کے پردے میں کانفرنس کی تخریب کے لئے خاص انہماک سے اِس سال سعی کی اور بہت زیادہ کوشش یہ ہوئی کہ بمبئی میں اجلاس شیعہ کانفرنس یا تو قطعاً نہو یا ہو تو کامیاب نہو یہانتک کہ بعض اہل سنت حضرات کو کانفرنس کے خلاف آمادہ کیا گیا اور اُن کے بعض علمار نے بمبئی جاکر کانفرنس کے خلاف کوششیں شروع کیں اور خود بعض شیعوں نے بھی انھیں اِس کام میں مدد دی لیکن ملک التجار آغا ہاشم صاحب اصفہانی اور ثقۃ الاسلام مولانا عبدالرحیم صاحب بلبلہ اور ناظم صاحب انصاری اور دیگر اراکین بمبئی کی دوادوش اور سرگرمی سے اجلاس کانفرنس بمبئی میں نہایت کامیاب رہا اور لکھنؤ سے سوا دو تین بڑے علمار کے اور قریب قریب

جملہ حضرات مجتہدین نے اجلاس شیعہ کانفرنس میں شرکت فرمائی۔ ایرانی سفیر مقیم بمبئی نے بھی جلسے میں شرکت فرمائی اور تقریر کی اس سال کا اجلاس ۱۹ لغایت ۲۱ مارچ ۱۹۲۵ء نور باغ کی عمارت میں زیر صدارت نواب سرفراز حسین خانصاحب بہادر رئیس پٹنہ ممبر لیجسلیٹو اسمبلی منعقد ہوا سال بھر برابر کانفرنس کے خلاف فضا خراب رہی اور لوگوں نے طرح طرح سے کوششیں کیں کہ کانفرنس کی طرف سے عوام کی ہمدردی زائل ہوجائے لیکن اس میں کامیابی نہوئی، حیدرآباد دکن سے ڈاکٹر مرزا محمد ہادی رسوا سید اصغر حسین صاحب وکیل وحید ریارجنگ جناب مولانا علی حیدر صاحب نظم طباطبائی اور مسٹر ہمایوں مرزا صاحب بیرسٹر اور دیگر اکابر و رؤسا و وکلاء کے علاوہ قرب جوار کے شہر و صوبہ مثلاً بھوپال سے سید قادر حسین صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس اور خود لکھنؤ اور اُسکے اطراف سے بکثرت حضرات تشریف لیگئے اور یہ آخر موقع تھا کہ کانفرنس کے قدیم ہی خواہ نواب سید شہنشاہ حسین صاحب رضوی وکیل نے کانفرنس میں آخری تقریریں فرمائیں اُسکے بعد آیندہ سال انکا انتقال ہوگیا۔ ریاست کشمیر میں آزادی سے ذوالجناح نکلنے کی جو ممانعت ہوگئی تھی اسمیں شیعہ کانفرنس نے بہت احتجاج کیا اور بالآخر اجازت مل گئی۔

اس سال شیعہ یتیم خانہ کے سکرٹیری جناب سید مقبول حسین صاحب ظریف تھے جنکی مساعی جمیلہ سے ایک بڑا کام یہ ہوا کہ محلہ کاظمین واقع لکھنؤ میں ایک وسیع رقبہ آراضی ملگیا اور اسپر یتیم خانے کے لئے ایک عالیشان عمارت تعمیر کی گئی شیعہ یتیم خانے کے طلبار کی زندگی کو ایک علمی زندگی بنانے کے لئے لائق سکرٹیری نے

بہت غیر معمولی دلچسپی لی اور بمبئی شیعہ یتیم خانے کے شعبۂ صنعتی کی چیزیں اور اُن کے عملی کام دکھانے کے لئے مشین پارچہ بافی اور دیگر سامان کو بمبئی لیجایا گیا۔ اور اہل بمبئی نے شیعہ یتیم خانے کے لڑکوں کے خاص لباس اور اُنکی باقاعدہ زندگی سے بہت اثر لیا اور اسٹیشن سے قیام گاہ تک کئی مقامات پر اُن کے فوٹو لیے گئے اور شہر میں اس کی اک دھوم مچ گئی، یہ وہ سال ہے کہ اخباروں میں شیعہ لیگ کی تحریک جسکا ذکر مولانا صفی کی گزشتہ نظموں میں ہے سال بھر جاری رہی۔ اسی سال ابن سعود نے حضرت عبد المطلب اور حضرت ابوطالب کے روضے مسمار کرادیئے۔ مولد النبی اور مولد فاطمہ اور حضرت خدیجہ اور حضرت آمنہ کے مزارات کے قبے جو مسجد کے برجوں کی شکل کے تھے اُن کو نجدیوں نے برباد کر دیا۔ اور نجدیوں کے ہاتھوں سے اس سال بہت کچھ قتل و خونریزی وقوع میں آئی جس سے ہندوستان میں ایک عام ہیجان برپا رہا اور جا بجا اظہار غم کے طور پر علم نکالے گئے، اور اظہار ناراضی کے جلسے ہوئے۔

ایک شیعہ مبلغ جناب مولوی مرزا باقر علی صاحب نجفی اپنے مصارف سے اس سال لندن تبلیغ اسلام کیلئے تشریف لیگئے تھے۔ شاہ پور (پنجاب) میں اس سال شیعوں سے برادران وطن نے بائیکاٹ کیا۔ نجدیوں کے مظالم کا یہ اثر پڑا کہ ہندوستان میں ایک انجمن تحفظ مآثر متبرکہ کے نام سے وجود میں آئی علیگڈھ کالج میں اس سال جوبلی متعلق علیگڈھ کالج کے نام سے بڑے اہتمام سے جلسے منعقد ہوئے جسمیں شیعوں نے بھی کافی دلچسپی لی۔ اسی ۱۹۲۵ء کے محرم سے ایک اخبار خان بہادر سرفراز حسین کی دلچسپیوں کی یادگار میں اُنھیں کے نام سے

قومی اخبار سرفراز شیعہ کانفرنس کی جانب سے نکلنا شروع ہوا۔ مولانا سید ابو الحسن صاحب مجتہد لکھنؤ، نواب جعفر علی خاں صاحب مرحوم رئیس شیش محل، خان بہادر سید محمد مصطفےٰ صاحب جونپوری اسپیشل منیجر نانپارہ۔ سر کریم بھائی بیرونٹ کی وفات کے رزولیوشن پاس ہوے۔ شیعہ کالج کی مجلس اُمنا نے اپنے جلسے میں ایک رزولیوشن پاس کیا کہ شیعہ کالج شیعہ کانفرنس کا ماتحت نہیں ہے جناب مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ مجتہد کی خدمت میں بذریعہ عرضداشت دمتعدد وفد شرکت کانفرنس کی انتہائی سعی کی گئی مگر قبول نہیں فرمایا اس سے عوام کو بہت ملال ہوا۔

تحت جگر

متعلق بہ اجلاس ہجدہم شیعہ کانفرنس منعقدہ بمقام عروس البلاد شہر بمبئی بتاریخ ۹ لغایت ۱۱ مارچ ۱۹۲۵ء

بمبئی! تو کشورِ ہندوستاں کی ناک ہے ۔۔۔ آبروے مصر تیرے سامنے کیا خاک ہے

سر میں تیری مقام سجدۂ افلاک ہے ۔۔۔ دامنِ ساحل تمام آلائشوں سے پاک ہے

پر فضا تیری خلیج، آئینہ بین الیدین

اپنے ساغر میں لیے جوشِ بہارِ نشاءتین

ہر دو جانب کوہساروں کا تسلسل تا بہ دور ۔۔۔ اور اُن کے بیچ میں تو صورتِ بین السطور

اپنے سنگیں بازوؤں پر تجکو زیبا ہے غرور ۔۔۔ روک دیتے ہیں جو طوفانی تموج کا عبور

دل ہے لبریز محبت آ گیا جب جوش میں

لے لیا بحر عرب کو حلقۂ آغوش میں

بمبئی ہندوستاں کا صدر دروازہ ہے تو — بلکہ رخسار عروس ہند کا غازہ ہے تو
اپنی آب و تاب سے ہر دم تر و تازہ ہے تو — ایک نگارنگ مجموعے کا شیرازہ ہے تو

آ کے جو صحبت میں بیٹھا کام کا جی ہو گیا
تیری چوکھٹ جس نے چھو لی نصف حاجی ہو گیا

ہمنشیں جنکو نہیں کچھ خشک و تر میں امتیاز — سیر بندرگاہ کر لیں چڑھ کے بالائے جہاز
ہو گا اک نظارۂ جاہ و جلال بے نیاز — خود بخود ہونے لگیں گے منکشف قدرت کے راز

بحر میں موجوں کا اٹھ اٹھ کے کہیں ڈنڑ پیلنا
سینہ زوری سے جہازوں کا کہیں ان کو ریلنا

دامن ساحل پہ صدہا رنگ کے نقش و نگار — کوٹھیاں کچھ کچھ تلے اوپر منازل خانہ دار
جنکی پستی اور بلندی یوں دکھاتی ہے بہار — جیسے زینوں پر لگا دیں سبج کے گملوں کی قطار

خیر مقدم کو مسرت بڑھتی ہر دل کی طرف
اک نظر ڈالو سمندر سے جو ساحل کی طرف

جا بجا مضبوط چٹانوں کی پتھریلی فصیل — زیب ساحل صف بصف اشجار انجیر و نخیل
باد صرصر تا نہ آبادی میں آکر ہو دخیل — گولہ باری کرتے رہتے ہیں درخت نارجیل

جاذب باد سموم و سایہ افگن بارور
خوان نعمت ہر مسافر کیلئے ایک اک شجر

خاص نمبر پر مکان ہر راہ کے ہر باٹ کے — خضر راہ ساحل مقصود زینے گھاٹ کے
پاٹ دی کس نے یہ کھاڑی وال کیسر کاٹ کے — ہٹ گیا میلوں سمندر خاک آخر چاٹ کے

تاج ہوٹل کے جلو میں خوشنما وہ گھاٹ ہے
جس سے کوسوں تک خلیج بمبئی کا پاٹ ہے

کیا بتاؤں اس سے پہلے حال ساحل تھی کہاں — پاؤں دھونی کا لقب تو دے رہا ہی خود نشاں
اللہ اللہ عقلِ انسانی کی کارستانیاں — نوکِ دُم بھاگا سمندر ہٹ گیا کوہِ گراں
خوشنما گھاٹ آج ہیں کل تھی کوئی گھاٹی جہاں
کوہ کی چوٹی وہیں تھی اب ہے جو پاٹی جہاں

لے کے بالائے جبل سے تا نشیبِ موج خیز — ہے نسیمِ دامنِ ساحل مفرح عطر بیز
پرتگیزی شاہزادی کو ملا تھا جب جہیز — بمبئی شامل تھا لیکن تھا نصیبے کا یہ تیز
کمپنی کے ہاتھ آیا اسکی قسمت یوں پھری
سال میں دس پونڈ دیتی تھی زرِ مستاجری

قبل اٹھارہ سو اٹھارہ کے یہ کچھ بھی نہ تھا — انگریزوں سے مگر پیدا ہوا جب پیشوا
پھر اسے یوماً فیوماً اوج ہی ملتا گیا — قلعہ بھی تعمیر ہائیکورٹ بھی قائم ہوا
اب گورنر کا امیر البحر کا ہے مستقر
ایک یونیورسٹی بھی اسمیں آتی ہے نظر

دوسرا نمبر ہے آبادی میں آج اس شہر کا — چوڑی سڑکوں پر دو رویہ کل دکانیں خوشنما
صاف ستھرا چپہ چپہ معتدل آب و ہوا — رفتہ رفتہ ہر دساور کا یہ مرکز بن گیا
راہ اسکی بھی نہ روکی جس نے پہونچائی گزند
اس وفاداری پہ ہے طاعون تک احسان مند

عام پیداوار کیا ہی پنبہ غلہ میوہ جات — خاص صناعی کی چیزیں ریشمی چمڑا اور دھات
رہنے والوں کو تجارت کیطرف ہی التفات — اور گجراتی ہی میں کرتے ہیں سب کرتے ہیں بات
ہیں بڑی تعداد میں ہندو مسلماں، پارسی
چند قومیں رہتی ہیں انکے علاوہ اور بھی

شہر کی مردم شماری کا ہو لاکھوں میں شمار   شیعہ مسلم انمیں ہیں اللہ جانے کے ہزار
ہیں مگر سب کاروباری چل رہا ہے کاروبار   ایک سے ہے ایک بڑھ کر ذی وجاہت ذی وقار
اہل ایراں خاکیان ہند خوجے بوہرے
اس چمن میں دل نظر آتے ہیں سو میں سو ہرے

رند بیٹھے ہیں ترے در پر دیے ساقی دھنی   ہے نہال قومیت ایک اسمیں شاخیں ہیں کئی
کچھ پرانی صورتیں محفل کی زینت کچھ نئی   کچھ شمالی ہند کے کچھ شیعیان بمبئی
سال ہے اٹھارواں بھر دل جوانی کے ہیں ٹھاٹھ
مل کے سب لخت جگر پر سے اتاریں آٹھ کاٹھ

جام بر کف ہے کوئی کوئی سبو بر دوش ہے   ایک سے پر جوش بڑھ کر ایک ساغر نوش ہے
دیکھیے جسکو وہی بد مست ہے مدہوش ہے   مثل گل ابھرا استقبال ہر آغوش ہے
سرخوش جوش ولائے پنجتن ہر دم رہیں
یہ غدیر خم کے متوالے خوش و خرم رہیں

۱۶۸ عید شعبان کھیلنے آئی ہے خود ہولی سی پھاگ   پھر پسند آئے نہ کیوں ہندوں کو یکرنگی کا راگ
ساقیا محفل میں بوتل کا اڑے جلدی سے کاگ   جلنے والے کو اسی میں جھونک جلتی ہے جو آگ
بے تحاشا غل مچائے غل مچانے کی طرح
جو سیہ دل ہو وہ چٹخے کالے دانے کی طرح

---

۱۶۸ اس سال ۱۵ شعبان یعنی یوم ولادت حضرت امام عصر اور ہولی قریب قریب ایک زمانے میں پڑی تھی۔

ہاں سوادِ بمبئی اکسیر تیری خاک ہے — گرد سے کم ہمتی کی تیرا دامن پاک ہے
مال و زر تیری نگاہوں میں خس و خاشاک ہے — طائرِ اقبال صیدِ بستۂ فتراک ہے

موجزن جوشِ اخوت دل کے اندر سے ترے
گوہرِ مقصود ابلتے ہیں سمندر سے ترے

روح پرور دلکشا ہر قدرتی منظر ترا — ہے علاجِ دق یہ سنتے ہیں سمندر کی ہوا
لیکے اک مدقوق کو ہم بھی بامیدِ شفا — آئے ہیں تیرے یہاں اب دیکھئے ہوتا ہے کیا

سیر چشمی صورتِ دامانِ ساحل چاہیئے
زر کے ہم طالب نہیں ہم کو ترا دل چاہیئے

جو مصائب گذرے ہیں اس نونہالِ قوم پر — نونہالِ قوم کیا قوم کا لختِ جگر
قصہ طولانی سہی سن لیجئے کچھ مختصر — پچھلی سترھویں گرو سے جان ہی کا ہے خطر

بعض خونخواروں نے کی تخریب میں اس درجہ ضد
ہوگئے خونریزیٔ لختِ جگر پر مستعد[169]

مدعی کوئی سرِ میداں بہ عذرِ لنگ تھا — کوئی مخبوط الحواس آمادہ بہرِ جنگ تھا
کوئی بدنامی میں نامی باعثِ صد ننگ تھا — الغرض جو تاش کا پتا تھا وہ بدرنگ تھا

برچھیاں کھا کر یہ ہم عمرِ شبیہِ مصطفےٰ
صبر و استقلال سے اپنی جگہ قائم رہا

۱۶۹؎ اس سے پہلے اجلاس فیض آباد کی نظم لختِ جگر میں بعض افرادِ قوم کے کردار کی صاف صاف مصوری کی گئی جسکا اثر یہ ہوا کہ اسکے جواب میں ایک نظم خونِ لختِ جگر شایع کرائی گئی

۱۷۰؎ اس بند کے شاعرانہ نکات پر مقدمے میں کچھ اجمالی ذکر ہے۔

للہ الحمد آج ہے اسکی گرہ اٹھارویں — آفریں صد آفریں اے بمبئی کی سرزمیں
ہالۂ آغوش میں ہے اک حسینِ مہ جبیں — جزر و مد کیس بحر میں! ہاں جوش اکس ملیں نہیں

بدرِ ماہِ نو بوجہِ ناتوانی ہوگیا
اسقدر صدمے اٹھائے خون پانی ہوگیا

ننگ پیری آج ہے جسکی جوانی بمبئی — قومیت کی ہے یہی تنہا نشانی بمبئی
حیف ناقدروں نے قدر اسکی نہ جانی بمبئی — بدگمانوں کو مبارک بدگمانی بمبئی

کوئی سمجھا اک حیلہ گاہ اور کوئی خانہ باغ
کم ملے ایسے خلل سے پاک ہوں جنکے دماغ

کم نگاہی قوم نے کی جب یہ حالت دیکھ کر — نونہالِ آرزو کو پاکے نخلِ بے ثمر
رفتہ رفتہ ہوگئے بالیں سے رخصت چارہ گر — جو گیا اُسنے پلٹ کر بھی نہ دیکھا پھر ادھر [١٧١]

گھر انھیں کا پوچھتی ہے جو بلا گردوں سے آئے
جن گنہگاروں نے چاہا نقش یہ مٹنے نہ پائے

کچھ اسیرِ کہنہ کچھ تازہ گرفتاروں میں ہیں — کافروں میں ہیں خدا جانے کہ دینداروں میں ہیں
قوم بھر بیمار جب ہے ہم بھی بیماروں میں ہیں — اس مرضِ غم کے دیرینہ پرستاروں میں ہیں

ساتھ اس بیمار کے کرتے رہے سالانہ گشت
من و عن ہر سال کی لکھتے رہے ہیں سرگزشت

---

١٧١ شیعہ کانفرنس کے سکریٹری بددل ہو کر برابر ادارے سے نکلتے گئے اور اُن کے ساتھ اُنکی ہمدردی بھی رخصت ہوئی۔

تھک کے تیرے در پہ قسمت آزمانے آئے ہیں — شور سنکر درد دل اپنا سنانے آئے ہیں
مل کے معجون مرکب اک بنانے آئے ہیں — پیکر مفلوج میں بجلی لگانے آئے ہیں

خضر راہِ قوم اگر ہوتا کوئی روشن خیال
بنگیا ہوتا کبھی کا ماہِ کامل یہ ہلال

خوبیِ جمہوریت کس نے کبھی تسلیم کی — مدتوں بحثیں رہیں تخصیص کی تعمیم کی
ہو یہ بدنظمی تو صورت کونسی تنظیم کی — پھرتی ہیں آنکھوں میں تصویریں امید و بیم کی

ناز تھا اسلام کو جس پر وہ قوت کیا ہوئی
یاالٰہی وہ مساوات و اخوت کیا ہوئی

غیر قومیں گامزن علم و عمل کی راہ میں — سب سے پیچھے ہیں ہمیں دنیا کی جولانگاہ میں
مست آقایانِ ملت فکرِ حبِ جاہ میں — غرق کچھ بے دست و پا جمہوریت کی چاہ میں

اپنی اپنی ڈفلی اب تو اپنا اپنا راگ ہے
شخصیت کے خبط کو جمہوریت سے لاگ ہے

حکمرانِ قوم بننے کی سبھی کو ہے ہوس — آپڑے جب وقت تو کوئی نہیں فریادرس
ہم میں از سر تا قدم ہر فرد ہے بے حس و مس — اُس پہ یہ طرہ ہوائے کبر سر میں محتبس

بات وہ کرتے نہیں جو قوم کے ہو کام کی
فکر ہے یاروں کو اپنے ہی نمود و نام کی

ہے کوئی جو اٹھ کھڑا ہو قوم کی تنظیم کو — ہے کوئی جو عام کردے لازمی تعلیم کو
ہے کوئی! ابھر کر دلوں میں جوش کی اسٹیم کو — ایک کردے شیعیانِ ہند و ہفت اقلیم کو

کم سے کم تعلیم نسواں ہو بقدرِ احتیاج
صنعت و حرفت تجارت کو دیا جائے رواج

قومی اک اخبار یومیہ زبانِ قوم ہو   ترجمانِ قوم ہو روحِ روانِ قوم ہو
دور رس اسکے ذریعے سے فغانِ قوم ہو   گوش زد ہر انجمن میں داستانِ قوم ہو

نام ہو نامے کا روشن قوم ہی کے ساتھ میں
قوم اسکے ہاتھ میں ہو قوم کے وہ ہاتھ میں

مجلس شوریٰ کی بنیادوں کو محکم کیجیے   مستقل سرمایۂ قومی فراہم کیجیے
اپنی شخصیت کو قومیت میں مدغم کیجیے   کچھ بھی ہو شیرازۂ قومی نہ برہم کیجیے

اسکے ساتھ اصلاح آئینِ تمدن شرط ہے
لیکن اس نظم و نسق میں بھی توازن شرط ہے

قوم میں جسکام کا جو ہو اسے ویسا بناؤ   کام چوروں مفت خوروں کو نہ ہرگز منہ لگاؤ
عادتِ گندم نمائی جو فروشی جسمیں پاؤ   جرم اخلاقی ہے اسکو ترنوالے کیوں کھلاؤ

نفسِ انساں کی کسوٹی کیا ہے حبِ اقتدار
یہ نہ ہو جسمیں وہی دل ہے زرِ کامل عیار

جسقدر ہے انفرادی ہے وہ سب نامسعود   اجتماعی حیثیت سے کالعدم اپنا وجود
جب نہیں احساسِ قومیت تو پھر کیا ہست و بود   ہے دلیلِ مرگ اے شیعو! تمھارا یہ جمود

گر ابھر سکتی نہیں پستی سے ہے قومِ بدنصیب
ڈوب مر جا کر سمندر میں سمندر ہے قریب

سنگریزوں میں کہاں مثلِ گہر تابندگی   خود فروشی کیوں نہ ٹھہرے باعثِ شرمندگی
قوم مردہ جب نہیں تجھ میں شعاعِ زندگی   زندہ قوموں کے مقابل کیوں دکھا پائندگی

دل میں ہمدردی نہیں ہے جوشِ اسلامی نہیں
مستقر تیرے لئے جز قعرِ گمنامی نہیں

اور اگر ہمت سے کچھ اوقاف کو اپنے سنبھال　دے وظیفے انکو ہیں تعلیم میں جو نونہال
تیری بیمہری سے ہر اینام کا کیا ترے حال　کس کے در پر جاکے یہ پھیلائیں اب دستِ ال

ہیں ہماری مجلس شوریٰ کے یہ سب شعبہ جات
منحصر اے قوم انھیں اجزا پہ ہی تیری حیات

شیعہ کالج اب طاعت سے جسے انکار ہے　اس ضعیفہ مجلس شورے کا برخوردار ہے
جب حقیقی ماں سے اپنی برسرِ پیکار ہے　ناخلف کی گو شمالی اچھی طرح درکار ہے

ہیچکارہ ہی رہیگا ورنہ یہ خانہ بدوش
مست نخوت کو قیامت تک نہیں آنے کا ہوش

دل تو یہ پہلے ہی سے تھا رتبہ دانِ بمبئی　اب ہاں بھی ہو گئی افسانہ خوانِ بمبئی
مژدہ باد اے مجمعِ ہمت وران بمبئی　قوم کا لختِ جگر ہے میہمانِ بمبئی

زندگی کا یا تو اس بیکس کی بیمہ کیجیے
یا تنِ لاغر کو اسکے قیمہ قیمہ کیجیے

غالباً تعداد میں شیعوں سے کم ہیں بابی　لیکن اس خوبی سے ہی تنظیم انکی قوم کی
ہو کے طے ہر مسئلے میں اختلاف باہمی　چلتے رہتے ہیں برابر کام دینی دنیوی

باغبانِ قوم صد ہا بیخگن کوئی نہیں
راہبر ایک ایک مخلص راہزن کوئی نہیں

ہم میں گنے ہیں ایسے جنہیں ہمت و ایثار ہے　ورنہ ہر شخص اپنی رفعت کا علمبردار ہے
اک زمانہ خود غرض خود رائے خود مختار ہے　ننگ ہستی ہم ہیں خود ہستی کو ہم سے عار ہے

آ گئے تھے چند فریادی ادھر مثلِ جرس
ہو گیا بیدارہ غربت میں اک فریاد رس

کیست آں با دل مردگاں را چشمۂ آبِ حیات — میرزا عبد الرحیم[۱۶۲] اسلام را عین الثقات
سوئے مالب تشنگاں حیف کرد رُوئے التفات — حالیا در بمبئی گرد آمدیم از شش جہات

"صحنِ بستاں ذوق بخش و صحبتِ یاراں خوش است"
"وقتِ گل خوش باد کز وے وقتِ میخواراں خوش است"

ساقیا ساغر کشوں کی بزم سالانہ ہو آج — زہد خشک و لعل تر دونوں میں یارانہ ہو آج
مدرسہ تبلیغ یکرنگی کا میخانہ ہے آج — متصل گردش میں پیمانے پہ پیمانہ ہو آج

خط ساغر رشتۂ تسبیح صد دانہ نہیں
بیعت دستِ سبو تقلید کورانہ نہیں

عالم نیرنگ آنکھوں سے دکھا دیں تو سہی — آگ ساغر نوش پانی میں لگا دیں تو سہی
قوم میں سوتی ہوئی اٹھکر جگا دیں تو سہی — اہل ہمت ہاتھ خود بڑھ کر بڑھا دیں تو سہی

درحقیقت ہے وہی اربابِ حل و عقد سے
خادمانِ قوم کی خدمت کرے جو نقد سے

جو فقیر مست ہیں ساقی انھیں کیا چاہیئے — قوم کا جنبل بھرے جس سے بس اتنا چاہیئے
اہلِ ہمت کا فقط ادنےٰ اشارہ چاہیئے — ڈوبتے کو ایک تنکے کا سہارا چاہیئے

یاد رکھیئے ہے ہمارا آپکا مولیٰ وہی
جسنے اک روٹی کے سائل کو قطار اونٹوں کی دی

---

۱۶۲ میرزا عبد الرحیم طبلبلہ جنکا لقب ثقۃ الاسلام ہے ایک منور الضمیر عالم و مجتہد ہیں جو ضرورت زمانہ سے بہت باخبر اور قومی کاموں میں خاص دلچسپی لیتے ہیں وہ فارسی جانتے ہیں اور اسی میں کلام کرتے ہیں بمبئی میں ان دنوں انکا قیام تھا اور اجلاس شیعہ کانفرنس کو کامیاب بنانے میں انھوں نے کافی حصہ لیا جو بند انکے ذکر سے تعلق رکھتا ہے وہ اسی لئے فارسی میں کہا گیا۔

کیجئے ایثار دیجئے بے دریغ و بے حساب — مدّ کی ایک ایک بوند پر لازم ہے لیکن احتساب
سمجھے مالِ قوم کو مالک اپنی جو خانہ خراب — اُس پہ دنیا میں عقوبت اس پہ عقبیٰ میں عذاب

بد دیانت کیلئے مانع نہیں ہے کوئی شے
کون کیسا ہے رقم یہ کس کی پیشانی پہ ہے

خارِ دامن اور شے ہے اور شے دامانِ گل — چاہیئے تنقید میں زیرِ نظر ہر جزو و کل
باندھتے ہیں لوگ بے سمجھے بھی تعریفوں کے پل — دور سے ہوتی ہے خوش آیند آوازِ دُہل

تجربے کا سرمۂ انساں پہلے آنکھوں میں لگائے
جانچ کر اچھی طرح قائم کرے پھر اپنی رائے

چاہیئے ہر فرد کو تمیزِ نوش و نیشِ قوم — کون ہے بدخواہِ ملت کون خیر اندیشِ قوم
ہے یہی مرہم برائے سینۂ صد ریشِ قوم — غور سے سنیئے صدائے شیونِ دل ریشِ قوم

اب بھی سنبھلو اب بھی سنبھلو ورنہ پھر پچتاؤ گے
بن بنا کر صورتِ حرفِ غلط مٹ جاؤ گے

خواجہ تاش آپس میں ہیں ہم سب غلامانِ علی — دل کو دل سے راہ ہے کیا لکھنؤ کیا بمبئی
منحصر جوشِ اخوت پر ہے اپنی زندگی — کہہ چکے ہیں اور کہتے ہیں مکرّر پھر صفی

یا تو اس قعرِ ذلّت سے ابھرنا چاہیئے
یا سمندر ہی میں چلکر ڈوب مرنا چاہیئے

سنہ ۱۹۲۶ء

اجلاس نوزدہم بمقام شہر عظیم آباد پٹنہ

اس سال شیعہ کانفرنس کے اجلاس جناب ملک التجار آغا ہاشم صاحب اصفہانی کی زیر صدارت منعقد ہوئے اور صوبۂ بہار اور دیگر مقامات سے بکثرت حضرات نے شرکت فرمائی یہ آخری موقع تھا کہ سید علی محمد صاحب شاد رئیس پٹنہ نے جو نابینا ہوگئے تھے بہت جوش کے ساتھ کانفرنس کا خیر مقدم کیا اور جلسے میں شرکت فرما کر مولانا صفی کے خیر مقدم کے طور پر اور ان کی شاعری کی قدر افزائی کے عنوان سے مختصر نظمیں ارشاد فرمائیں۔ اس سال کے اجلاس میں سر علی امام اور صوبۂ بہار کے وزیر تعلیمات اور دیگر حضرات نے بھی شرکت فرمائی اور سر علی امام نے تقریر بھی فرمائی کانفرنس کی طرف سے جو عام بدگمانی بعض مخالفین نے پھیلا رکھی تھی اُسکے دور کرنے کے لئے دوران سال میں چھ سات ممبران کا ایک وفد بنارس الہ آباد جونپور وغیرہ بھیجا گیا اور کانفرنس کی طرف لوگوں کی ہمدردی حاصل کی گئی اس سال جنت البقیع کی بربادی کے متعلق ہندوستان کے شیعوں میں جابجا جلسے ہوتے رہے اور رضاکاروں کی جابجا انجمن اور اُن کی ایک جماعت ہندوستان کے مختلف شہروں میں قائم ہوئی یہ وہ سال ہے کہ ریاست بہاولپور میں عزاداری امام مظلوم کے خلاف مخالفین نے طرح طرح سے اعلان کیا۔ اس سال شیعوں کے خاص سربرآوردہ حضرات میں نواب عماد الملک

میر سید حسین بلگرامی اور شیعہ کانفرنس کے قدیم بہی خواہ جناب نواب سید شہنشاہ حسین صاحب سید وصی الحسن جونپوری مستعد و جوشیلے شیعہ کارکن سید امراؤ مرزا صاحب ٹرسٹی شیعہ کالج رئیس دہلی۔ سید اکبر مہدی صاحب اڈیٹر امامیہ گزٹ و سید عباس حسین صاحب پروفیسر دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کا انتقال افسوس کے ساتھ قابل ذکر ہے۔ دو ایک سال پیشتر سے عام تعلیم یافتہ حضرات کا رجحان شیعہ مجتہدین کی طرف سے کم ہونا شروع ہوا اور باہم تعلقات میں کشیدگی بڑھنے کا دور شروع ہو گیا۔ ملک میں گزشتہ چند سال سے ہندوؤں میں ولایتی مال سے بائیکاٹ اور ہندوستان کی ترقی کا خیال اس طرح پیدا ہو چلا کہ سالہائے ماسبق میں نیز اس سال اس کا اثر عام اخلاقی اور تعلیمی انجمنوں پر بھی اس وجہ سے بہت کچھ پڑا کہ اس کا عام اثر ملک کے اقتصادیات اور باشندگان ملک کی ذہنیت اور خیالات کو متاثر کئے بغیر نہ رہ سکا اس سال شیعہ کانفرنس کے سکریٹری مرزا عابد حسین صاحب ایڈوکیٹ لکھنؤ تھے۔ سنہ ۱۹۲۱ء کے آخری مردم شماری میں پٹنے کی آبادی ۱۱۹۹۷۶ تھی۔ حجاز کے مسائل کے متعلق ایک مخصوص اجلاس شیعہ کانفرنس اس سال امروہے میں منعقد ہوا جس کے صدر نواب محمد اسمٰعیل صاحب رئیس پٹنہ تھے۔

لختِ جگر

متعلق بہ اجلاس نوزدہم شیعہ کانفرنس منعقدہ بمقام پٹنہ عظیم آباد صوبہ بہار ۲۶ لغایت ۲۸ دسمبر سنہ ۱۹۲۶ء

آجتک یہ نام سے ظاہر ہے تیرے اے بہار   خانقاہیں بودھ مذہب کی یہاں تھیں بیشمار
خاصکر پٹنے کے اندر جو ہے نامی اک دیار   جسمیں راجہ چندر گپت ایسا کبھی تھا تاجدار

تین صدیاں قبل میلادِ مسیح نیک نام
پاٹلی پتر اسکو کہتے تھے جہاں میں خاص و عام

کہتے ہیں پٹنہ جسے وہ خطۂ مینو نشاں   داہنے بازو پہ گنگا کے ہے مثلِ حرزِ جاں
غالباً نو میل تک طولاً لبِ آبِ رواں   ملتے ہیں آباد حلقے صورتِ زلفِ بتاں

خود یہ سرمستِ ادا مثلِ حسینِ شوخ و شنگ
شانہ سورج کی شعاعیں آئینہ دریائے گنگ

عہدِ ماضی میں یہ بستی گلشنِ بے خار تھی   ہر عمارت اسکی سنگینی میں اک کہسار تھی
شہر کے چاروں طرف محکم بنا دیوار تھی   جو بہت ہی چوڑی چکلی اور بلند آثار تھی

مدتوں دیتا رہا راجہ اشوک اسکو عروج
در تھے چونسٹھ چار جانب پانچسو ستّر برج

شان میں عظمت میں تھی یہ راجدھانی بے نظیر   حاضر اس دربار میں رہتا تھا یونانی سفیر
دلکش آئینِ تمدن تھا حکومت دلپذیر   ہیبتِ اقوامِ معاصر کے دلوں میں جاگیر

عورتیں عصمت کی مرد انکے شجاعت کے دھنی
تھا کہیں چوری کا اندیشہ نہ خوفِ رہزنی

دیکھئے اس دورِ گردوں کی ورق گردانیاں   اب کہیں بھی اُن مکینوں کا نہیں نام و نشاں
ہے زمیں اپنی جگہ اپنی جگہ پر آسماں   ہو گئے اوجھل ستارے کارواں در کارواں

ریگ دریا نے چڑھائیں سطحِ اصلی پر تہیں
کتنی گہرائی پہ تعمیریں ہیں اگلی کیا کہیں

بعد ازاں صدیوں تلک اسلامی حکومت بھی رہی | انتظاماً صوبہ داری بھی نظامت بھی رہی
حکمرانوں کے شریکِ حال غفلت بھی رہی | اُن ہی اکثر رہا برپا قیامت بھی رہی

کمپنی کے ہاتھ سے کچھ روز گلکاری ہوئی
خسروِ برطانیہ کی پھر عملداری ہوئی

تین ضلعے ہیں یہ شاہ آباد و پٹنہ اور گیا | ایک ہی صاحب کمشنر ہیں جہاں فرمانروا
پہلے شامل اور چار اضلاع تھے اِسکے سوا | ہو گئے ہیں لیکن اب تھوڑے دنوں سے وہ جدا

منزلت اتنک یہ ہے اِس خطۂ معمورہ کی
چھاؤنی ہے غرب میں پٹنے کے دینا پور کی

گھاگھرا اور سون کا گنگا سے سنگم ہے جہاں | معنیٔ تثلیث فی التوحید ہوتے ہیں عیاں
طول آبادی کا بھی سُن لیجئے مجمل بیاں | یہ زمیں ہے اسطرح جیسے فلک پر کہکشاں

نکلی ہیں دریائے نیپن سے جو نہریں جابجا
ہیں زراعت کے لئے سرچشمۂ آبِ بقا

ہند میں یہ صوبہ مردم خیز ہے زرریز ہے | اس لڑی میں جو بھی موتی ہے وہ دل آویز ہے
ذہن میں ہر شخص کے جودتِ طبیعت تیز ہے | قابلیت کی سبھوں کے پاس دستاویز ہے

اک زمانہ ہے مقرّ خالی معرفت ہم نہیں
یہ زباں دانی میں یوپی یا اودھ سے کم نہیں

افتخارِ ملک اب بھی ہیں کچھ اصحابِ کرام | شاعرِ یکتا جنابِ شادؔ[۱۸۳] والا احتشام
مولوی خیرات[۱۸۴] احمد حضرتِ امداد امام | اور اِن دونوں کے صاحبزادگانِ نیکنام

---

۱۸۳ سید علی محمد صاحب شاد (مرحوم)

۱۸۴ مولوی خیرات احمد صاحب مصنف نور ایمان جو سلطان احمد صاحب بیرسٹر اور سید خورشید حسنین صاحب بیرسٹر کے والد ہیں۔

فارسی گو احمدِ[۱۷۵] خوش فکر ادیب ذی کمال
منتخب نثار اُردو کے خیالِ[۱۷۶] خوش مقال

سرفراز[۱۷۷] اس شہر میں کوئی مبارکؔ[۱۷۸] دم کوئی
بزم میں جمشید کوئی رزم میں رستم کوئی

مثلِ اسمٰعیل[۱۷۹] پیشِ حق کیے سر خم کوئی
پائے گا ایسے کہیں بھی ذی مروت کم کوئی

کوئی ہیرا ہے کوئی پنا کوئی دُرِ خوش آب
الغرض جو فرد ہے صوبے میں فردِ انتخاب

مجلس شوریٰ ہی اپنا میکدہ ہے ساقیا
جمع فردیں مختلف کچھ رند ہیں کچھ پارسا

دور میں ہے ساغرِ دعِ ما کدر خذ ما صفا
آرہی ہے مُنھ سے ہر مئےخوار کے بوئے ولا

جرعہ کش محفل میں متوالے غدیرِ خُم کے ہیں
ہیچ نظروں میں عنب فیروزئی طارم کے ہیں

---

۱۷۵ سید احمد علی صاحب پنشنر ڈپٹی کلکٹر جو تمام قومی کاموں میں عملاً دلچسپی لیتے ہیں اور تاریخ گوئی میں کمال رکھتے ہیں۔

۱۷۶ نواب نصیر حسین صاحب خیال جو اب مرحوم ہو گئے مشہور ادیب و نثار تھے اُردو کانفرنس لکھنؤ کے صدر کی حیثیت سے ان کا خطبہ یادگار ہے۔

۱۷۷ نواب سرفراز حسین صاحب ممبر اسمبلی بمبئی میں شیعہ کانفرنس کے صدر تھے اخبار سرفراز انہیں کی قومی ہمدردیوں کی وجہ سے ان کے نام سے منسوب کیا گیا۔

۱۷۸ سید مبارک علی صاحب ممبر لیجیسلیٹو کاونسل ہمدردِ شیعہ کانفرنس۔

۱۷۹ نواب محمد اسمٰعیل صاحب امروہے کے اسپشل اجلاس شیعہ کانفرنس کے صدر تھے یہ اجلاس مخصوص شیعہ کالج کے چند معاملات اور چند باتیں طے کرنے کے لئے امروہے میں منعقد ہوا تھا۔

مسند آرائے صدارت ہے وہی پیرِ مغاں — بمبئی میں ہم ہوئے تھے جا کے جسکے میہماں
ناخدائے کشتیٔ ملت معینِ بیکساں — جس میں ہیں اس منعمِ باذل کی قاصر ہے زباں

پاک گوہر دُرّۃ التاجِ کیانی فخرِ قوم
ناظم التجار آغا اصفہانی فخرِ قوم

پہلے سب کچھ تھا عظیم آباد کا شانہ ترا — اب تو جو کچھ ہے وہ ہے علمی کتب خانہ[1] ترا
یاد اتبک ہے ہیں جلسۂ سالانہ ترا — وہ تری ساقی گری وہ دورِ پیمانہ ترا

کب گیا خالی کوئی تیرے بھرے دربار سے
نور کے تمغے[2] ملا کرتے ہیں اس سرکار سے

بارِ دوم ہے یہاں پھر دعوتِ "لختِ جگر" — ڈالی جائے گی گرہ اُنیسویں المختصر
غرق گلہائے مسرت کیوں نہوں تارِ نظر — لائے تھے پہلے بھی ہم سہرا بہاری گوندھ کر

ننگ سہرے کا تعین پا کے باقی رہ گیا
بڑھ کے دستِ بادہ کش دُھکا کے ساقی رہ گیا

یہ تغافل کیشیاں کیوں ساقیٔ ناز آفریں — فرض تھا ایفائے وعدہ سچ بتا دے یا نہیں
ہمتِ عالی کا تیری گو کہ ہے دل کو یقیں — خرمنِ مہ سے ہوا ہے کون لیکن خوشہ چیں

تجھ پہ کیا موقوف ہر محفل یونہیں مدہوش ہے
جس جگہ شیعوں میں ہے وہ محض وقتی جوش ہے

---

[1] کتب خانہ حاجی خدا بخش مرحوم

[2] پٹنے میں اس سے پہلے جو اجلاس شیعہ کانفرنس ہوا تھا اسمیں مولانا صفی کو ایک طلائی تمغا مرحمت ہونے کا اعلان کیا گیا تھا یہ وعدہ پورا نہیں ہوا قوم کے باذل رئیسوں کو ایک اخلاقی سبق دینے کے لئے اس لطیف عنوان اور تخیل سے کام لیا گیا۔

صبحِ پیری اتفاقاً آگیا اک ذکرِ شب — واقعہ تیرہ[۱۳] برس کا تجھکو ہوگا یاد کب
ایسے تمغوں کی ضرورت مہرباں جب تھی نہ اب — غفلتوں پر تبصرہ ہے یہ نہیں حُسنِ طلب

خونبہائے وقت مانگیں قوم سے وہ ہم نہیں
حبِ حیدر نقش ہے دل پر یہ تمغا کم نہیں

زندہ قومیں کرتی ہیں مُردوں کی قائم یادگار — زندوں کو کرتی ہے شیعہ قوم مُردوں میں شمار
غفلتیں اس قوم جیسی کی ہیں عالم آشکار — کہہ چکے ہیں بارہا دہرائیں کبتک بار بار

پاس کردے تعزیت کا اک رزولیوشن اگر
یہ سمجھئے دیدیا اس قوم نے جنت میں گھر

نفس کی پاکیزگی کو اس سے کر لیجئے قیاس — کیا یہی حکمِ شریعت ہے کہ ہم ہوں ناسپاس
قوم پر دیں جان شاہنشہ حسینِ حق شناس[۱۸۴] — مرنے پر اُن کے کرے کالج رزولیوشن پاس

---

۱۸۴ سید شاہنشاہ حسین صاحب رضوی لکھنؤ کے ایک نامور وکیل تھے جنھوں نے ہمیشہ تمام قومی کاموں میں دامے درمے قلمے قدمے حصہ لیا۔ شیعہ کانفرنس کی مرکزی کمیٹی کے ممبر اور شیعہ کالج کے ٹرسٹی تھے اور مدتوں شیعہ کالج کے قائم مقام سکریٹری رہے۔ اُن کی تقریر نہایت مؤثر ہوتی تھی قومی جلسوں میں اُن کی تقریروں سے ایک سماں بندھ جاتا تھا۔ نواب فتح علی خاں صاحب کی وفات پر بعض اہل الرائے کی آرزو تھی کہ کوئی اعلیٰ تعلیم یافتہ شیعہ کالج کا سکریٹری مقرر ہو مگر ایک جماعت مصر تھی کہ اُن کے فرزند سکریٹری ہوں۔ ٹرسٹیوں کے جلسے میں سید صاحب نے ایک معرکۃ الآرا تقریر اس کے متعلق فرمائی جس میں ثابت کیا کہ اُن کے فرزند کا انتخاب اس وقت موزوں نہیں وہ آخر ناکام رہے اور اُن کے ساتھ ۱۵ ٹرسٹی شیعہ کالج سے احتجاجاً الگ ہوگئے بس اگر قصور ہے تو یہ اُن کا قصور ہے اس وجہ سے اُن کے مرنے پر شیعہ کالج کے جلسۂ ٹرسٹیان میں تعزیت کا رزولیوشن تک پاس نہیں کیا گیا۔

قومیت کہتی ہے آہِ سرد اک بھرنے کے بعد
اختلافِ رائے پر یہ دشمنی مرنے کے بعد

روح کو راحت کہاں دل کو نہ جب چین ہی — ہم نہ سمجھے آجتک شیعوں کا نصب العین ہی
مکتبی مُلا بنیں یہ خواہ جنٹلمین ہی — کچھ نہیں آتا انھیں آتا ہے شور و شین ہی

کوئی قومی کام جب مِل جُل کے کر سکتے نہیں
قعرِ پستی سے قیامت تک اُبھر سکتے نہیں

جار بیجا انکے مُنھ سے آپ سُن لیجئے درود — کام اگر دیکھئے گا کوئی پائیے گا غت ربود
قومیت کی راہ سے معدوم ہے ان کا وجود — شخصیت ہی شخصیت ہے عنکبوتی تار و پود

شیعوں کی تنظیم ہو اس کا وہ چرخہ ناندھے
ریت کے ذرے ہیں یہ انکا نہ لڈو باندھے

ہے مثل لنکا میں جو بھی تھا وہ باون گز کا تھا — پائیے گا شیعوں کو خود بین خود سر خود نما
کارِ تعمیری میں دلچسپی نہ لیں گے یہ ذرا — امرِ تخریبی میں آگے ہوں گے بن کر پیشوا

ایک دل ایسا نہیں جسمیں نہ ہو بغض و نفاق
الغرض نا اتفاقی پر ہے سب کو اتفاق

غیر فرقوں میں ملیں گے شیعہ بیسر کارواں — ہر جبہ میں پائیے گا آپ انہیں روحِ رواں
ہے انہیں کے حق میں یہ قولِ انیسِ نکتہ داں — "کارِ ذاتی میں ہیں عاجز پاکپازاں جہاں"

"اپنے منھ کی گرد پانی آپ دھو سکتا نہیں"
کام اپنی قوم کا شیعوں سے ہو سکتا نہیں

شیعہ تحریکوں میں دور اندیش جو شامل نہیں — وہ سمجھتے ہیں ہماری قوم اس قابل نہیں

گرد سے نفسانیت کی صاف کوئی دل نہیں — جان بھی اپنی کھپا دیجئے تو کچھ حاصل نہیں

خدمتوں کا ہو صلہ جس قوم میں لعنت کا طوق
وہ کرے خدمت جسے شیطان بننے کا ہو شوق

کیوں عوام الناس سے بخشیں خرد ور قوم کے — کانٹوں میں الجھائیں کیوں دامن گلِ ترقم کے
ماتمی دستوں کے افسر جب ہوں سیجر قوم کے — کیوں کنارہ کش نہوں اعیان لشکر قوم کے

کون قومی کام کرکے مول لے سر پہ وبال
جانور کثرت سے ہیں اور انساں خال خال

ہر ادارہ شیعوں کا بے روح گویا اک جسد — پست ہمت قوم انسانوں میں جیسے دام و دد
جسقدر افلاس طاری ہے نہیں کچھ اسکی حد — غفلتوں نے انکی دکھلایا نہیں یہ مد و مد

پاؤں میں جوتا نہیں انکے جو تھے زریں کلاہ
رفتہ رفتہ ہرزہ گردی نے کیا ایسا تباہ

کام چلتا ہی نہیں انکا کبھی بے قرض و دام — سود دینا فرض ان کو سود کا لینا حرام
خواہشوں کی جو نہیں سکتی ہے ان سے روک تھام — ان کا آقا نفسِ امارہ ہے یہ اس کے غلام

باپ دادا تھے سبھی کچھ پہ مگر کچھ بھی نہیں
روٹیاں انکی چلیں بھاری جو مجلس ہو کہیں

کچھ دنوں میں پھر پنپ جائیں گے شیعہ بیش و کم — غیر جیبوں میں نہ جانے پائے گر ان کی رقم
ایک قومی بنک مگر کھول دیں اہل ہمم — اہل حاجت کو کفالت پر ملیں دام و درم

مجلس کنگاش لے یہ کام اپنے ہات میں
اور شاخیں بنک کی قائم کرے دیہات میں

ہو تجارت ایک حصے سے زر محفوظ کے — شیعہ بیکاروں کی کچھ امدادیں بھی ہو سکے
کوششیں اس باب میں کرتے رہیں ہر طور سے — جو بھی ہوں جائز طریقے اُنسے سرمایہ بڑھے

دل سے اسپر مستعد گر قوم شیعہ ہو گئی
زندگی کا اپنی خود گویا ذریعہ ہو گئی

دوسرا ذریعہ ترقی کا وہ ہے تعلیم عام — چاہیے شیعوں کو مل کر خاص اسکا انتظام
ہوگی کل افراد کی تنظیم اسی سے لاکلام — اور مرتب خود بخود ہو جائیگا قومی نظام

جب نصاب اپنا ہوا و اپنی ہی یونیورسٹی
تربیت تعلیم میں پھر رہ نہیں سکتی کمی

لازمی تعلیم شیعہ بچے اُردو ہی میں پائیں — ہم وظائف دے کے ان بچوں کو پڑھنے پر لگائیں
ساتھ ہی اسکے ضروری صنعت و حرفت سکھائیں — ہو مفید عام تعلیمی نصاب ایسا بنائیں

مڈل تک یا میٹرک تک جتنی وسعت ہو بجا
مدرسہ قائم کریں ایک ایک شیعہ بستیاں

پڑھتے ہوں طلاب جو پا کر وظائف جا بجا — انتظام اُنکے لئے درکار ہے اک دوسرا
تربیت کے واسطے چارہ نہیں اسکے سوا — ایک اک دارالاقامہ کی پڑے ہر سو بنا

بورڈنگ ایسے کہ ورزش بھی جہاں سکھلائی جائے
قوم کی تاریخ کا تصویر بھی دکھلائی جائے

شیعیان ہند دیرہ دون کو مرکز بنائیں — نزد سے شیعہ بستیوں کی اپنے کالج کو بچائیں
رفتہ رفتہ تا بہ یونیورسٹی درجے بڑھائیں — لڑکے شیعہ مدرسوں سے پھر اسی کالج میں آئیں

اپنی قومی درسگہ میں تربیت جب پائینگے
خوشنما اخلاق کے سانچے میں یہ ڈھل جائینگے

یہ بتایا جائے ان کو کیا تھے ہم کیا ہو گئے	رفتہ رفتہ کیسے کیسے نقص پیدا ہو گئے
اک زمانہ تھا یہاں جب کارفرما ہو گئے	خوبیاں اگلی سٹیں ایسی کہ رسوا ہو گئے

پستیٔ اخلاق کی اب قوم کے ہے کوئی حد
صورتاً انسان اکثر سیرتاً ہیں دام و دد

درحقیقت کام یہ سب مجلسِ شوریٰ کا تھا	جس نے ہر سال اپنی مفلس قوم سے چندا لیا
قوم کی اصلاح کا بیڑا اُٹھا کر کیا کیا	یہ تو سب سچ ہے مگر انصاف کیجئے اک ذرا

اِس کو اپنے ہی مصائب سے کہاں فرصت ملی
آئے دن کی مشکلیں کچھ خارجی کچھ داخلی

قابلِ شیون ہے ایسی مجلسِ شوریٰ کا حال	خانہ جنگی ہی میں جسکے گزرے ہوں اُنیس سال
کارکن افراد کا ہر صیغے میں قحط الرجال	جو ہوا اتنے دنوں میں وہ بھی ہے گویا کمال

یا ستارہ قوم کا پہونچا تھا تا حدِّ نشیب
یا وہی نام خدا ہے شاہدِ عابد[183] فریب

لیکن اتنا دوست سے اپنے کہیں گے ہم ضرور	قوم تسمہ پا ہے ہشیار رہیے گا حضور
درحقیقت ہیں وہی عاقل رہے جو اس سے دور	بے نتیجہ ہو گی ثابت سعیِ اصلاحِ امور

قبلِ رجعت قوم کی حالت بدل سکتی نہیں
ایسی بگڑی ہے سنبھالے سے سنبھل سکتی نہیں

قوم کے لختِ جگر کی ہے گرہ انیسواں یں	کمسنی کی منزلیں طے کر چکا یہ مہ جبیں
بالغ و عاقل ہے خود اس میں ذرا بھی شک نہیں	کیوں نہ ہو تقلید کورانہ سے پھر نفرت گزیں

---

[183] مراد مرزا عابد حسین صاحب وکیل سے ہے جو شیعہ کانفرنس کے اس زمانے میں سکریٹری تھے۔

دین و دنیا کے مسائل ہیں سبھی پیش نظر
مشرقی و مغربی تعلیم سے ہے بہرہ ور

ساکنانِ پٹنہ اے دانشورانِ ذی کمال — اب سے تیرہ سال پہلے کا تو ہوگا کچھ خیال
یاد ہوگا بوستانِ قومیت کا نونہال — ہے وہی حلیہ مگر بدلے ہوئے کچھ خط و خال
وضع بدلی ہیئت اسلامیہ کے ساتھ ساتھ
۱۶۴
چومتا تھا ہاتھ پہلے اب ملاتا ہے یہ ہاتھ

قوم کی آنکھوں کا تارا قوم کا قائم مقام — مصر میں یوسف خریداروں کا ہر سو اژدحام
بن کر آقا جو سمجھتے ہیں اسے اپنا غلام — سلبِ آزادی کی شرطیں پیش کرتے ہیں تمام
یا تو آزادی میں اسکی سخت کوشش کیجئے
یا شرائط مان کر بردہ فروشی کیجئے

جب لباسِ رہبری میں کھلائے شانِ رہزنی — روپ بھر کر دین کا جب زالِ دنیائے دنی
دام گاہ دہر میں ہو مائلِ صید افگنی — کیوں نہ آہوئے حرم ہو مبتلائے جانکنی
بے خطا وہ کب ہیں جو ہوں غرق حُبِ جاہ ہیں
خود غرض ہاتھوں ہی سے یوسف گرے تھے چاہ میں

آفتوں میں گھر کے بھی چھوڑا نہ ذاتی اختلاف — ہے یہیں ان شیعوں کی بربادی کے تھیں صاف صاف

---

۱۶۴ پٹنے میں جو اجلاس ششم ۱۹۱۳ء میں ہوا تھا اسوقت علما پرستی کا بہت زور تھا اور اسوقت بکثرت شیعہ شرکا ر کانفرنس ایسے تھے جو حضرات علماء کرام کا ہاتھ چومتے تھے گویا اسوقت یہ کانفرنس حضرات علما کے زیر اثر تھی اور اب یہ جدید تعلیم یافتوں کے ہاتھ میں ہے جو باہم گر ملاقات کے وقت ہاتھ ملاتے ہیں۔

بزمِ شوریٰ اور استبداد کا فوٹوگراف　　سازِ قومیت پہ شخصیت کا ناموزوں غلاف

لیں خبر کچھ مذہبیت ہو رہی ہے بے نشاں
ان کو خانہ جنگیوں ہی سے مگر فرصت کہاں

قصۂ پیچ ستم ایجاد تجھ سے کیا کہیں　　داستانِ بانیٔ بیداد تجھ سے کیا کہیں
واقعاتِ محنتِ برباد تجھ سے کیا کہیں　　اپنی حالت اے عظیم آباد تجھ سے کیا کہیں

ہم جب آئے لیکے آئے دل میں درد جانگداز
سوگ میں مشہد کے پہلے اب عزادار حجاز[185]

تم یہاں فکرِ نمود و نام میں ہو سرگراں　　مٹ رہی ہیں صحنِ عالم میں تمہاری ہستیاں
تم سے دامن کش زمیں تم سے کشیدہ آسماں　　متحد ہو جاؤ اب بھی تم کو یہ غیرت کہاں

اس نزاعِ مسکنت انجام ہی کو چھوڑ دو
قومیت کے یا خیالِ خام ہی کو چھوڑ دو

دہر میں رہنا نہ ہو تم کو اگر بن کر ذلیل　　شخصیت کو اپنی کر دو قومیت میں مستحیل
خود پرستی ہی فنا ہونے کی ہے روشن دلیل　　سرکشیٔ فرعونیت قہرِ الٰہی رودِ نیل

مصلحانہ صورتِ موسیٰ سنبھالو قوم کو
مخلصانہ قعرِ نکبت سے نکالو قوم کو

کھد گئے صد ہا قبورِ خاندانِ مصطفےٰ!　　اس سے بھی احساسِ قومیت نہ کچھ پیدا ہوا
کاش مل کر سب رجوعِ قلب سے مانگیں دعا　　جلد ہو یارب ظہورِ قائمؑ آلِ عبا

---

[185] ابن سعود نے قبہ ہائے مقدس اور قبور کو مسمار کر دیا جنمیں جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا اور دیگر ائمہ معصومین کی قبریں تھیں۔

دشمنانِ دینِ حق سے پاک ہو دنیا تمام
نجدیوں کی گردنیں ہوں اور تیغِ انتقام

کوئی چاہے کچھ کہے یہ اعتقادہ ہے صفیؔ | قبلِ رجعت ہم ترقی کر نہیں سکتے کبھی
رفتہ رفتہ ہر جماعت شیعیانِ ہند کی | مٹ چکی ہر مٹ رہی ہے اور مٹتی جائے گی

ہے ظہورِ حضرتِ حجت کا اب تو انتظار
کاش اس اجڑے ہوئے گلشن میں پھر آئے بہار

سنہ ۱۹۲۷ء

کوئی اجلاس شیعہ کانفرنس کا اس سال منعقد نہ ہوسکا

سنہ ۱۹۲۸ء

اجلاس بستم شیعہ کانفرنس بمقام کلکتہ

کلکتے میں جناب سید احمد صاحب علامۂ ہندی کا قیام ہونے کی وجہ سے اور بعض حضرات کی خاص توجہ سے اس کوشش میں کامیابی ہوئی، اور صوبۂ بنگال کے مرکزی مقام کلکتے میں اجلاس کانفرنس منعقد ہوا، سنہ ۱۹۲۷ء اجلاس کانفرنس تک اور اسکے بعد بھی برابر اخباروں میں شیعہ کالج کے خلاف مضامین مسلسل نکلتے رہے، اور بعض اکابر قوم کو یہ خیال لکھنؤ یونیورسٹی قائم ہوجانے کے بعد پیدا ہوا کہ شیعہ کالج کا قیام کسی اور شہر میں یا کم از کم رقبہ یونیورسٹی سے کچھ دور اسی شہر میں کیا جائے، بعض حضرات کی طرف سے واپسی چندہ کی تحریک اور دعوے بھی ہوئے لیکن ناکامیابی رہی، سنہ ۱۹۲۶ء سے اس وقت تک کے خاص واقعات میں ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ دسویں محرم سنہ ۱۳۴۱ھ کو چاند کے گرد ایک سرخ ہالہ نظر آیا، اس سال ہندوستان خصوصاً صوبۂ متحدہ آگرہ کے اکثر شہروں میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں جھگڑے اور فسادات ہوئے اور بہت کچھ خونریزیاں ہوئیں، ہندوستان کی سرحد پر بعض قبائل میں کچھ ایسے اہم اختلافات پیش آئے کہ سرحد سے شیعوں کا اخراج عمل میں آیا اور تیراہ وغیرہ جو مشہور مقامات

ہیں، وہاں قریب ایک ہزار شیعہ مقتول و مجروح ہوئے، اُن کے مکانات جلادیے گئے اور مال و اسباب لوٹ لیا گیا، اس سال کے خاص سر برآوردہ شیعوں میں سیّد آل نبی صاحب مشہور ایڈوکیٹ آگرہ کا، اور ۸ جنوری ۲۷ء کو ملک کے عدیم المثال اور اکمل روزگار شاعر جناب سید علی محمد صاحب شاد کا انتقال ہوا، اور اسی سال الہ آباد کے قصبہ منجھن پور کے رئیس چودھری غلام حیدر صاحب نے بھی انتقال فرمایا جو شیعہ کانفرنس الہ آباد کے موقع پر اور دیگر شیعی کاموں میں بڑی دلچسپی لیتے تھے اس سال شیعہ کانفرنس کے صدر جناب میر علی نواز صاحب میر صاحب خیرپور سندھ منتخب ہوئے لیکن وہ بعض اتفاقات سے نہ آسکے اور اُنکے چھوٹے بھائی اور دیگر حضرات نے صدارت کے فرائض انجام دیے، اس سال کی نظم لخت جگر کے اُنتالیسویں بند میں مولانا صفی مدظلہ نے رزروفنڈ کانفرنس کے لیے سرمایہ محفوظ کی تحریک فرمائی ہے اور چالیسویں بند میں شیعہ کانفرنس کو صوبہ سندھ میں مدعو کرنے کی تحریک کی ہے جو اگلے سال عملاً ظاہر ہوئی بند ۴۳ میں یتیم خانہ نسواں کی تحریک ہے، چنانچہ لکھنؤ میں رانی قمرجہاں بیگم نے اس کا افتتاح کردیا۔

لختِ جگر

بستی کیطرح کلکتے! فسانہ ہے ترا
بہ نیر طرز تمدن تاجرانہ ہے ترا

گھر با گویا کشش میں آب و دانہ ہے ترا
وقف قوموں کے لیے مہمان خانہ ہے ترا

بہر اختر[196] برج خاکی تیرا مٹیا برج ہے
درۃ التاج سلاطین اودھ کا دُرج ہے

خاک مٹیا برج اقطاع اودھ کی آبرو   خوابگاہ خسرو مظلوم شاہ صلح جو
اپنے دامن میں سمیٹے ہے بہار لکھنؤ   ملتے جلتے دونوں گلدستے ہیں یکساں رنگ و بو

بے سبب کیا دل ہمارا اسطرف گرویدہ ہے
قوم تیرا اختر طالع یہیں خوابیدہ ہے

کھو دیا افسوس شیعو! تم نے قومی اقتدار   ناظم بنگالہ تم تھے تم اودھ کے تاجدار
اُف تری نیرنگیاں اے گردش لیل و نہار   ہم ہیں اُن کے خدمتی جو تھے کبھی خدمتگزار

انقلاب دہر کا شکوہ کہاں تک مہرباں
"ہر کمالے را زوالے ہر بہارے را خزاں"

تیرا اے کلکتے دنیا میں ہے شہرہ چارسو   زینت دریائے ہگلی ساحل شرقی پہ تو
روز افزوں ہے تری ارض جنوبی میں نمو   تاجروں سے تیری تجھ سے تاجروں کی آبرو

تیری دن دونی ترقی لائق تعریف ہے
لفظ کلکتہ بھی کالی گھاٹ کی تحریف ہے

کمپنی کے ہاتھ بیچا تھا پرنس اعظم نے جب   گاؤں تھا یہ اُن دنوں میں شہرت ایسی تھی کب
ہاں تجارت کیلیے جب سے ہوا ہے منتخب   رفتہ رفتہ پڑ گیا دار القصور اس کا لقب

اب عظیم الشان مثل بمبئی کلکتہ ہے
فصل سرما ہی میں جائے سیر یہ البتہ ہے

---

[196] واجد علی شاہ جنت مکاں آخری تاجدار اودھ کا تخلص اختر تھا جو مٹیا برج کلکتے میں بعد زوال سلطنت مقیم ہوئے اور وہیں مرنے کے بعد دفن ہوئے۔

مجمع اقوام خارج از وطن بھی اس میں ہے   چین اس میں ہے فرنگ اس میں ختن بھی اس میں ہے
صنعتی و قدرتی ہر سو چمن بھی اس میں ہے   یہ بہشت ہند ہے باغ عدن بھی اس میں ہے

ہے زمیں پر یہ بہشت عدن کا گویا جواب
رشک حوران جناں ہر سمت حسن بے نقاب

چوڑی سڑکیں چار سو بازار اونچی ہر دکان   خوشنما پختہ مکانات اور اعلے کوٹھیاں
وہ لب و لہجہ کہ جس سے مات کشت زعفران   اسکی بنگالی تو اس کی مارواڑی ہے زبان

ہو جو دولت لطف جنت اسکی جو رنگی میں ہے
ورنہ اسکے حق میں دوزخ ہے جو دل تنگی میں ہے

ہیں تجارت پیشہ جو قومیں وہ ہیں آسودہ حال   یا خوش و خرم وہ فرد ہیں جو ہیں ارباب کمال
پوچھیے حالت نہ شیعوں کی کہ ہے صورت سوال   پائیگا آپ ان میں اہل حرفت خال خال

ہاتھ میں پیسہ نہیں جب صاحب دل ہی تو کیا
چھائی ہے رخپر اداسی شمع محفل ہی تو کیا

ایک نصب العین شیعوں کا نہ اک طرز عمل   ہر جگہ افراد میں باہم گر جنگ و جدل
بے ہنر ما و شما بے فکر ارباب دول   الغرض اس اونٹ کی سیدھی نہیں کوئی بھی کل

کرتے رہیئے تا قیامت آپ یونہیں قیل و قال
منزل مقصود تک لیکن پہونچنا ہے محال

ایک کو جب دوسرا کرتا نہیں تسلیم ہی   ایسے خود رایوں کی پھر دشوار ہے تنظیم ہی
مدتوں چلتی رہی تخصیص ہی تعمیم ہی   یہ بنا نا جانتے ہیں سیکڑوں اسکیم ہی

سست میدان عمل میں پائیگا آپ انھیں
سب سے پیچھے ہے یہی فرقہ سیاسی دوڑ میں

قوم ہی وہ کیا کہ قومی اک پریس جس کا نہ ہو — لاکھ آپ اُس کو اُبھاریں ٹس سے مس حاشا نہ ہو
قومیت کا دل میں جب احساس ہی پیدا نہو — مجلس شوریٰ سے کیا حاصل ہو وہ ہو یا نہو
جُود کا لبریز پیمانہ نہ اب تک ہو سکا
سرفراز اخبار روزانہ نہ اب تک ہو سکا

پہلے سرمایے کی جانب سے تو کیجے بے نیاز — دو نہیں دس مرتبہ ہفتے میں نکلے سرفراز
زیر بانی جمع خرچ اچھا نہیں بندہ نواز — چارہ سازی کیطرف مائل نہوں جب چارہ ساز
گر یہی ہے شرط ہمدردی گرہ سے کچھ نہ جائے
اپنا گھر بیچے اڈیٹر تو پریس اک مول لائے

بیٹھکر خالی نہ بھریے سرد آہیں دیکھیے — اپنے اقوام معاصر کی نگاہیں دیکھیے
علم کی ہر سو کشادہ شاہراہیں دیکھیے — آیئے کلکتے کی تعلیم گاہیں دیکھیے
آپ ہی بیمار ہے جو ہے معالج آپ کا
کس مرض کی پھر دوا ہے شیعہ کالج آپ کا

آہ وہ کالج کہ تھا علم و عمل کی شاہراہ — ہو رہا ہے چند خود رایوں کے ہاتھوں سے تباہ
واے ویلا کر رہا ہے قوم کا ہر خیر خواہ — شرم اُنھیں آتی نہیں کچھ روے بیشرمی سیاہ
قوم کو قومی ادارے پر توجہ چاہیے
دیکھ کر قوموں کی حالت کچھ تنبہ چاہیے

شہر کلکتہ میں تعلیمی ادارے سیکڑوں — آسماں پر جس طرح روشن ستارے سیکڑوں
تربیت پائیں جہاں قوموں کے پیارے سیکڑوں — وہ نظارہ خاص ہے یوں ہیں نظارے سیکڑوں
جا کے بندرگاہ ہگلی پر تماشے دیکھیے
کس طرح لڑتے ہیں باہم دو جہاشے دیکھیے

گرد بندرگاہ یوں صد ہا جہازوں کا ہجوم   آسمانِ نیلگوں پر جیسے تابندہ نجوم،
موڑ، اسٹیشن کا وہ پُل ہر طرف جسکی ہے دھوم   جب جہاز آئے تو کھل جاتا ہے فوراً بالعموم
راہ گیروں کی وہ کثرت الحفیظ والاماں
مختلف وضعیں وہ رنگا رنگ انکی بولیاں

حصّہ آبادی کا کچھ اس پار کچھ اُس پار ہے   شرقی و غربی تجارت کا بڑا بازار ہے
پارک صد ہا جا بجا ہیں شہر بھر گلزار ہے   سربلند ایک ایک تعمیر فلک آثار ہے
فورٹ ولیم کا بھلا کیا ذکر وہ تو فورٹ ہے
یہ عمارت دیکھیے جس میں کہ ہائی کورٹ ہے

ایجو اک امپرس وکٹوریا کی یادگار   نصب ہے وہ سامنے میدان میں زیرِ حصار
جسپہ ہو تعمیر دیکھو ایک قصر شاندار   تاج ہی سا ہو بہو ویسے ہی سب نقش و نگار
گو کہ اصل و نقل کا جو فرق ہے اس میں بھی ہے
تو بھی تعمیرات میں ہے دید کے قابل یہ شے

دیکھیے پھر جاکے تعمیرات یونیورسٹی   سیر کیجیے پُر فضا گھوڑدوڑ کے میدان کی
دو گھڑی بیفکر اُٹھانا ہو جو لطفِ زندگی   اک جھلکتی سی نظر سے دیکھیے نمائش گاہ بھی
جانور خانہ کہیں ہے اور جادو گھر کہیں
مختلف اقسام کے پودوں کا ہے منظر کہیں

جاکے جنرل پوسٹ آفس کی عمارت دیکھیے   ہوٹلوں کی گھوم پھر کر شان و شوکت دیکھیے
آئیے نیو مارکٹ اور اُسکی وسعت دیکھیے   جائیے پھر میوزیم سامانِ عبرت دیکھیے
دیکھیے آنکھوں سے چلکر اگریکلچر کا فارم
سُنیے کانوں سے مِلوں کے کارخانوں کا الارم

دن کی آبادی ہے شب سے کچھ سوا کلکتے کی — ہی مزاجاً گرم و تر آب و ہوا کلکتے کی،
بمبئی سے نسبتاً بہتر فضا کلکتے کی، — کہہ رہی ہے یہ نسیم جانفزا کلکتے کی
دیکھو ہم ٹکنے نہیں دیتے یہاں طاعون کو
جب کبھی آیا، بھگایا فوراً اُس ملعون کو

پائے تخت ہند تھا کلکتہ کچھ دن پیشتر — صوبۂ بنگال میں سب سے زیادہ نامور
مرہٹوں سے جس زمانے میں کہ تھا خوف و خطر — سدّ باب شر ہوا تھا گرد خندق کھود کر
بمبئی کلکتے میں ترجیح اب دشوار ہے
ہاں! مگر کہیئے وہ گلدستہ ہی یہ گلزار ہے

قدرتی گویا ذریعے ہیں تجارت کے یہاں — لمبے چوڑے دو بڑے دریا قریب اُسکے رواں
لاد کر اسباب لیجاتی ہیں ناویں ڈونگیاں — کمپنی نے جب تجارت سے بنایا تھا مکاں
وہ یقیناً سولہ سو نوّے مسیحی سال تھا
تابع فرمان دہلی صوبۂ بنگال تھا

ہے برہمپتر اور گنگا کا جہاں سنگم حضور — وہ مقام دلکشا بھی ہی یہاں سے تھوڑی دور
دونوں سے نکلی ہیں شاخیں صورت بین السطور — بے سفینے کر نہیں سکتا کوئی جن کا عبور
پُر ہے دندانوں سے دریا کا دہانہ دیکھیے
کیا ہی زلف موج میں اُلجھا ہی شانہ دیکھیے

چڑھ کے اسٹیمر پہ کیجئے سیر تازہ ہوں قلوب — یہ سمندر سے گھرا ہے جانب شرق و جنوب
بحر ہی سے بحر کا منظر نظر آتا ہے خوب — دامن ساحل میں نیواڑی کہیں پر سبز دوب
کھڈ کہیں ٹیلے کہیں صحرا کہیں جنگل کہیں
جا بجا ریتی کہیں پر دور پر دلدل کہیں

قابل نظارہ مٹیا برج بھی تھا بیشتر — حضرت واجد علیشاہ اودھ کا مستقر
جب وہ زندہ تھے تو یہ آراستہ تھا سر بسر — بعد اُنکے اُسکی حالت ہو گئی نوع دگر
کوٹھیوں میں اب فقط سلطان خانہ رہ گیا
وہ سدھارے خلد کو باقی فسانہ رہ گیا

دفن ہیں قصر العزا[١٨٦] میں بادشاہ دادگر — خسروانہ اب وہ شوکت ہے نہ شاہی کروفر
فاتحہ خوانی کو چلیئے مرقد مرحوم پر — کیجیے جاکر نچھاور آنسوؤں کے کچھ گہر
دم سے اختر ہی کے تھا اقبال سارا قوم کا
بند آنکھ اُنکی ہوئی ڈوبا ستارہ قوم کا

تھا جنھیں سرکار شاہی سے توسل آہ آہ — مثل مٹیا برج اب وہ لوگ بھی ہیں سب تباہ
اک فسانہ ہو گیا عہد حیات بادشاہ — ہو کا عالم دیکھیئے گا جسطرف کیجیئے نگاہ
شیعہ آبادی ہی کو گھیرے ہوے افلاس ہے
ہاتھ میں جنکے ہنر کوئی نہ پیسہ پاس ہے

چند ایسے بھی نفوس قوم پرور ہیں یہاں — سعی سے جنکی ہے کچھ تعلیم کا نام و نشاں
درسگاہیں کھولدی ہیں دو بلطف بیکراں — زندگی اطفال شیعہ کی نہو، تا رائگاں
انتظام تربیت بیجا نہیں معقول ہے
ایک دن کا مدرسہ اک رات کا اسکول ہے

١٨٦؎ واجد علی شاہ کے عزاخانے کا نام قصر العزا ہے۔

ساقی توبہ شکن اے لعبت سحر آفریں — جادو بنگالہ تیری ہر نگاہِ دلنشیں
ہاں دیے جا آج تابڑ توڑ جام و ساتگیں — شیعوں کے بخت جگر کی ہر گرہ یہ بیسویں

ہے ابھی چڑھتی جوانی عنفوانِ سن و سال
سیر ہے کلکتے کی آراستہ ہی تُون ہال

کون کلکتہ جو گویا عالمِ اسباب ہے — کون کلکتہ جو عشرت گاہِ شیخ و شاب ہے
کون کلکتہ جو بحر انقلا گرداب ہے — کون کلکتہ جو دُرج گوہر نایاب ہے

کون کلکتہ ہوا جس کی ترنم خیز ہے
کون کلکتہ جو عہد حُسن عشق انگیز ہے

کون کلکتہ جہاں ہی شاعر نامی "ٹیگور"[۱۸۷] — جسکے میدانِ تخیل کا نہیں کچھ اور چھور
طبع موزوں میں بھرا ہی دستِ قدرت نے وہ زور — حُسن معنی اُسپہ صدقے چاند پر جیسے چکور

دیکھیے جو نظم وہ ڈوبی ہوئی تاثیر میں
جادو بنگالہ سے بڑھ کر کہیں تسخیر میں

کون کلکتہ جہاں ہی وحشتِ[۱۸۸] معجز بیاں — شاعرِ کامل سُخن سنج و ادیب نکتہ داں
ابر دریا بار جس کا خامۂ گوہر فشاں — پیرو غالب معانی گستر شیوا زباں

خود زباں دانی میں وہ اہلِ زباں سے کم نہیں
جو زمین شعر ہے وہ آسماں سے کم نہیں

---

۱۸۷ ٹیگور کلکتہ کے نامور شاعر۔

۱۸۸ رضا علی صاحب وحشت شاعر۔

کون کلکتہ جہاں ہے دفتر حبل المتین[۱۸۹] اس جریدے کا مدیر خضر سیرت ہے یہیں
ملک و ملت کے لیے جس کا قلم اک دوربیں نعمت عظمیٰ ہے اسکی ذات اس میں شک نہیں

جس کو کہتے ہیں زمانے میں بہی خواہ وطن
وہ بھی پیر کہن ہے وہ بھی پیر کہن

کون کلکتہ نظرگاہ خیال[۱۹۰] خوش مقال نثر اردو کو ہے جس پر ناز وہ نازک خیال
کون کلکتہ جہاں سے تھا طلوع الہلال کون کلکتہ جہاں ہیں کیسے کیسے ذی کمال

جیسے علامہ حکیم الملت[۱۹۱] عالی نژاد
یا سراج العلم[۱۹۲] حضرت مفتی فرخ نہاد

کون کلکتہ جہاں ہے مجمع احباب آج ہومیوپیتھک سے اک بیمار کا ہوگا علاج
برطرف ہوتا کہ اس تدبیر سے سوء المزاج ہونے لگتا ہے دوا کا نام سنکر اختلاج

اتفاق آپس میں پیدا ہو تو جمعیت بڑھے
قوم کا دل ہو قوی دولت بڑھے عزت بڑھے

ہے یہ کیا اے شیعیان ہند بہر فخر کم صدر مجلس آپ کا ہے صاحب سیف و قلم
سید القوم آسماں رفعت امیر محترم مسند آرائے حکومت حکمران ذی حشم

والیٔ ملک آفتاب معدلت صدر الصدور
میر عالی منزلت فرمانروائے خیرپور

---

۱۸۹ حبل المتین فارسی زبان کا اخبار۔ ۱۹۰ نصیر حسین صاحب خیال مرحوم۔

۱۹۱ مولانا سید احمد صاحب علامۂ ہندی مجتہد جو نہایت روشن خیال اور ہمدرد شیعہ کانفرنس ہیں اور مضامین تقریر ڈیپوٹیشن لیجانے اور دیگر طریقے سے برابر کانفرنس کی مدد فرماتے ہیں۔

۱۹۲ جناب مفتی مولانا الطاف حسین صاحب سراج العلما کلکتے کے مشہور عالم ہیں۔

ممبری کی فیس پر قومی ادارے کی اساس   اُس کے چاٹے بھی دُنیا میں کہیں گھٹتی ہے پیاس
چاہیے سرمایۂ محفوظ اس مفلس کے پاس   کوثر آشامو مبارک اب نہیں جاے ہراس

ساتھ ہی کیسوں کے ہر دل کی گرہ کھل جائیگی
بست سالہ گردِ کلفت آج سب دُھل جائیگی

صدرِ مجلس ہے یہاں وہ صاحبِ طبل و نشاں   ابرِ نیسانِ کرم جس کی کفِ گوہر فشاں
مژدہ باد اے تشنہ کامانِ عطاے بیکراں   یہ مسیحاے زماں شیعوں کا میر کارواں

پھونک دیگا روحِ تازہ شیعیانِ ہند میں
دیگا دعوت بزمِ شورے کو دیارِ سند میں

ساقیا جوشِ مسرت دلمیں بیش از بیش ہے   لب میں تیرے گر نوش تیری ہر مژہ میں نیش ہے
آج ترمیمِ نصابِ میکشی درپیش ہے   میکدے میں مجمعِ رندانِ دور اندیش ہے

ایسی حالت میں نہیں جب قوم میں احساس بھی
یادگار اجلاس ہے یہ بیسواں اجلاس بھی

بست سالہ ہو گیا نام خدا "لختِ جگر"   ٹھیر جاے اب کہیں نسبت یہ ہے مدِ نظر
اس خوشی میں کھولیئے اے شیعیانِ ذی اثر   لڑکیوں کا بھی کوئی دار التعلیم زود تر

رکھیے بیکس بچیوں پر اک ذرا شفقت کا ہاتھ
اُنکی بھی تعلیم کچھ ہو تربیت کے ساتھ ساتھ

لیکن اسکے واسطے موزوں یہی بنگال ہے   سرزمینِ روشن خیالوں سے جو مالامال ہے
حق میں شیعوں کے یہ تجویز اک مبارک فال ہے   قوم ادھر مائل نہو تو شامتِ اعمال ہے

لڑکیوں کا گھونٹ دیتے تھے گلا جاہل عرب
ہم اُنھیں کی پیروی تعلیم میں کرتے ہیں اب

ہو رہی ہے قوم کی حالت نہایت مبتذل — یا الٰہی کر عطا شیعوں کو توفیق عمل
دور انانیت کا ہو ان کے دماغوں سے خلل — کر سکیں تا وقت کا دولت کا مصرف بامحل

اختلافی مسئلہ جب ہو نہ دیں بحثوں کو طول
مجلس شوریٰ سے جو طے ہو اُسے کر لیں قبول

فائدہ کیا ہے کہ باہم علمیت پر ہو جنگ — مذہبیت میں کریں کیوں شیوۂ تقلید فرنگ
درحقیقت بحث و حجت کا نہیں میدان تنگ — خوف یہ ہی صاف آئینوں میں آجائے نہ زنگ

عالم و اعلم کے طولانی سوالوں کا جواب
مختصر فقرے میں ہے "واللہ اعلم بالصواب"

جسکی اہلیت ہو جسمیں لیجئے وہ اُس سے کام — خادمان قوم کا لازم ہے ہم کو احترام
نابلد ہیں بزم شوریٰ کے فوائد سے عوام — ہیں خس و خاشاک تاہم وہ بھی ہیں جزو نظام

اُن کی بھی شیرازہ بندی فرض ہے ہر حال میں
کارداں چھاتے ہیں چھپّر جس طرح بنگال میں

خواب ہے ہر چند شیعوں کی ترقی کا خیال — خاصکر اُن بستیوں میں ہے جہاں قحط الرجال
کوششیں کرتے رہے ہم بھی مسلسل بیس سال، — قوم کی حالت نہ بدلی ہے فقط اسکا ملال

اب صفی کب تک بکے جائیں بہت کچھ بک چکے
داستاں بھی ہو چکی سب ختم ہم بھی تھک چکے

سنہ ۱۹۲۶ء

اجلاس بست و یکم شیعہ کانفرنس بمقام سکھر سندھ

اس سال میں شیعہ کانفرنس کے دو اجلاس منعقد ہوئے، یہ دوسرا اجلاس سندھ کے مشہور شہر سکھر میں جناب میر علی نواز صاحب والی ریاست خیرپور سندھ کی توجہ سے منعقد ہوا، اور کانفرنس کے دوران اجلاس میں اور اس سے قبل اور بعد برابر دعوت طعام کا سلسلہ منجانب میر صاحب خیرپور سندھ جاری رہا، اور کئی ہزار روپیہ محض مہمانداری میں صرف ہوا، اس سال شیعہ کانفرنس کے صدر بیگن پلی کے خودمختار رئیس اور والی ملک نواب فضل علیخاں صاحب منتخب ہوئے، اور صوبہ مدراس اور دیگر مقامات کے شیعہ خصوصاً کوئٹہ بلوچستان اور سندھ کے مختلف مقامات کے شیعہ شریک اجلاس ہوئے، خصوصیت سے اُن حضرات اور اکابر شیعہ نے شرکت فرمائی جنھوں نے اس سے پہلے کانفرنس کو سنا بھی نہ تھا، یہ وہ زمانہ تھا کہ ہندوستان کے مشہور دریائے انڈس سے نہر کاٹکر مختلف مقامات کی آبپاشی کے لئے نکالی جارہی تھی۔ سکھر بعض خصوصیات کے لحاظ سے ایک ایسی جگہ ہے جہاں قدیم اسلامی مزارات کا ایک نباز ہے اور اسکے ساتھ بہت بہت دلچسپ تاریخی ذخیرے ہیں، یہاں ابتک شیعوں میں بھی پیری مریدی کا سلسلہ جاری ہے اور محرم اور عزاداری کے رسوم اس شہر اور اسکے قرب و جوار میں عجیب عجیب عنوان سے انجام پارہے ہیں۔ عام مسلمانوں اور خصوصاً شیعوں کے مذہبی

اعتقادات اور ذہنیت رسم و رواج اور بول چال میں عجیب و عجیب اقسام کے فرق نظر آ رہے ہیں اس کا کچھ اندازہ اس سال کی نظم لخت جگر سے بھی ہو سکتا ہے، اس سال شیعہ کانفرنس کے دستور العمل کی ترمیم کے لئے ایک مہتم بالشان جلسہ سر سلطان احمد صاحب ایڈوکیٹ پٹنہ کے دردولت پر منعقد ہوا جسمیں مختلف صوبے کے علما و تعلیم یافتہ حضرات نے شرکت فرمائی تھی،

اس سال ہندوستان کے جید مجتہد جناب مولانا سید باقر صاحب قبلہ کا انتقال سرزمین عراق میں ہوا، اس سال قوم و علمانے اس مجلس نظارت کو شکست فرما دیا، جس کا انعقاد فیض آباد کے اجلاس کانفرنس کے موقع پر ہوا تھا، اس سال شیعہ کانفرنس کے سکریٹری مرزا عابد حسین صاحب ایڈوکیٹ تھے۔

لخت جگر

متعلق بہ اجلاس بست و یکم آل انڈیا شیعہ کانفرنس منعقدہ بمقام سکھر سندھ

بتاریخ ۲۷ لغایتہ ۲۹ دسمبر ۱۹۲۶ء

سکھر اے انڈس کے حرز بازوے دست یمین | تیرا دریا شہرگ ہندوستاں ہے بالیقیں
سندھ میں مرکز تجارت کا ہے تیری سرزمین | خیر پور اہنگ تری خاتم پہ ہے مثل نگیں

ہے ترے جسر معلق میں عجب صنعت گری
ایک پایہ پل کا تو ہے ایک پایہ روہڑی[۱۹۳]

مہتمم اس کا نہ جانے کون تھا انجنیر | جس نے انڈس کے کنارے پر لگا کر گارڈر
قینچیاں باندھی ہیں یوں بالائے دریا بخطر | حصہ زیریں بنا ہے اک سطح رہ گذر

---

[۱۹۳] روہڑی ایک مقام کا نام ہے جہاں ریلوے اسٹیشن بھی ہے۔

ہے عظیم الشان اگر دریا تو پل بھی بے نظیر
بے ستوں اسکو سمجھئے اور اسکو جوئے شیر

مطلعِ دریا کشاں ہے یہ کمانی دار پل — مرکزِ نام و نشاں ہے یہ کمانی دار پل
جلوہ گاہِ مہوشاں ہے یہ کمانی دار پل — یا جوابِ کہکشاں ہے یہ کمانی دار پل

کھول دیں جب بیچ کا حصّہ تو خندق ہے یہی
تختہ بندی جب کریں سقفِ معلّق ہے یہی

متصل اس پل کے دو شاخوں میں دریا ہے رواں — کچھ زمیں مثلِ جزیرہ ہے انھیں کے درمیاں
کہتے ہیں پھر اسے میرو نکا قلعہ تھا وہاں — ابتک اس قلعے کی دیوار و نکے باقی ہیں نشاں

قلعے کے اندر ہے صدر الدین غازی کا مزار
اُس خزاں دیدہ چمن میں اب کہاں رنگِ بہار

پل کی صنعت دیکھکر ہیں دنگ اربابِ ہنر — ایک پُل اس شاخ پر ہے ایک پل اس شاخ پر
وہ معلق جسر اور اس میں نمایاں چند در — اک جزیرہ مثلِ خال ان ابروؤں میں جلوہ گر

پل جو معراج الکمالِ خوبیٔ تعمیر ہے
عکس افگن آب میں قوسین کی تصویر ہے

اک پہاڑی[۱۹۴] پُل کے پہلو میں گاڑے ہے قدم — جس سے ٹکراتا ہے آکر آبِ دریا دمبدم
ہے یہی استھان سیتوں کا مقامِ محترم — آجتک جو ہے نظر گاہِ غزالانِ حرم

حفظِ عصمت کی دعا مانگی جو ہنگامِ شکست
شق ہوا پربت سمائیں کل زنانِ حق پرست

---

[۱۹۴] اس کا ذکر دیباچہ میں ہے۔

اس پہاڑی پر بکثرت غار یونکے ہیں مزار — کندہ لوحیں نصب ہیں جن پر بطور یادگار
ہے اسی خطے میں قبرِ شیخ شیخنا مدار — کرتے ہیں انسان و حیواں آجتک جسکا وقار

ابتداءً تھا درندوں کے دلوں پر یہ اثر
جسے کو جھاڑو دیا کرتا تھا دُم سے شیرِ نر

اک جزیرہ وہ ہے جس پر سادھوؤں کا ہے قیام — ہے وہاں خوش وضع مندر سادہ بیلہ جس کا نام
اور اسی کے متصل ہے دین بیلہ اک مقام — ہیں جہاں باغات و تعمیراتِ خوش منظر تمام

مدتوں تک یہ رہا پہلے سلمانونکے پاس
بک گیا آخر کہ تھا آشفتہ سامانونکے پاس

سچ ہے مرتا کیا نہ کرتا لوٹے ناداری سیاہ — ہر جگہ یونہیں مسلمانوں کی حالت ہے تباہ
ہاتھ سے کھو بیٹھے اپنے ملک و دولت عزّ و جاہ — آجتک لیکن عواقب پر نہیں ان کی نگاہ

غیر قومیں کاروباری انکو بے کاری پسند
فاقہ مستی ان کو اک دنیا کو ہشیاری پسند

راستبازی کے سوا کل بازیوں میں طاق یہ — جملہ بداعمالیوں میں شہرۂ آفاق یہ
رندی و لہو و لعب میں خوب ہی مشاق یہ — قوم وہ مٹ کر رہے گی جسکے ہوں اخلاق یہ

بہرِ حظِّ نفس زرپاشی نہ کرنا چاہیے
مال و دولت نذرِ عیاشی نہ کرنا چاہیے

سات سو گیارہ مسیحی میں مسلمان آئے سندھ — نورِ ایماں کی شعاعیں ساتھ اپنے لائے سندھ
دیکھا جب آنکھوں سے اپنی ساحلِ دریائے سندھ — حق پرستوں کو پسند آئی نہایت جائے سندھ

سندھ تو ہندوستاں میں سابق الاسلام ہے
تیرے فاتح کا محمد ابن قاسم نام ہے

کفر کی ظلمت کو جب اسلام نے زائل کیا — حق پرستی کی طرف اقوام کو مائل کیا
سندھ! تو نے رفتہ رفتہ رتبہ یہ حاصل کیا — اکبر اعظم نے اپنے ملک میں شامل کیا

رخ رہا تیری طرف مردانِ حق آگاہ کا
سترہ سو چھتیس میں قبضہ تھا نادر شاہ کا

بعد نادر شاہ کے تو تابعِ قندھار تھا — حکمراں تجھ پر کلھوڑہ قوم کا سردار تھا
بادشہ وہ جس سے ناخوش ہر سپہ سالار تھا — خانہ جنگی ہو یہی اس کا مآلِ کار تھا

ہو گیا مغلوب آخر بادشاہ کینہ جو
تالپوری میروں کے قبضے میں آیا سندھ تو

جس زمانے میں دیارِ سندھ کا یہ حال تھا — سترہ سو اور چھیاسی عیسوی وہ سال تھا
میر غنہ فتح علی سا صاحبِ اقبال تھا — مالکِ طبل و علم ہر میر فرخ فال تھا

سندھ ہو تقسیم میروں پہ یہ ہونا تھا ضرور
حصہ سہراب خاں میں آ گیا کل خیر پور

حکمراں سہراب خاں کے بعد رستم خاں ہوئے — دوستانہ کمپنی سے اُن کے کچھ پیماں ہوئے
فوج کش جب سوئے کابل اہلِ انگلستاں ہوئے — قلعہ بکھر میں رستم خاں کے وہ مہماں ہوئے

سندھ کا جو میر الجھا اُن سے ملک اُس کا گیا
خیر پور انگریزوں کے زیرِ حمایت آ گیا

فوج انگریزی رہی بکھر ہی میں برسوں مقیم — کی دبائی تپ نے لیکن جب بہت حالت سقیم
چھاؤنی سکھر میں چھائی چھوڑ کر جائے قدیم — آہنی پل رہروؤں کو ہے صراط المستقیم

روہڑی کے بعد جا کر پہلے بکھر دیکھیے
پھر وہاں سے آگے بڑھ کر شہر سکھر دیکھیے

ساحلِ انڈس پہ سکھر ہے مقامِ پُربہار — سنگلاخ آبادیاں پست و بلند اور پیچدار
ورنہ کوسوں تک اراضی ہے یہیں سے شورہ زار — سال میں چار انچ مینھ برسا تو گیا اُسکا شمار
آسماں سے لے مدد یہ اس زمیں کو عار ہے
گیہوں چاول اور تلہن خاص پیداوار ہے

کوششیں سکھر میں ہیں بہرِ رفاہِ خاص و عام — ایک برج بن رہا ہے جو ابھی ہے ناتمام
سات نہروں کے نکلنے کا وہاں ہے اہتمام — آبپاشی سندھ میں ہوگی انھیں سے صبح و شام
بند یہ بست و کشادِ آب جس کا کام ہے
حق میں انڈس کے سمجھو فصدِ ہفت اندام ہے

ہے اسی سکھر میں درگاہِ قلندر شاہ باز — جن کو درویشوں کے حلقے میں تھا حاصل امتیاز
چارہ سازِ اہلِ حاجت تھا یہ رندِ پاکباز — قبر ہے اب تک زیارت گاہِ اربابِ نیاز
جیسے یہ تھے عارفِ کامل کوئی ویسا نہیں
اب تصوّف سندھ میں بے وقت کی ہے بھیرویں

کہنہ آبادی سے لے کر تا بہ انڈس جا بجا — دور تک ہے کچھ پہاڑی ٹیکروں کا سلسلہ
ہے یہیں آباد کہلاتا ہے جو سکھر نیا — فوجِ سرکاری کا یہ اک مستقر ہے پُرفضا
غرب کی جانب لبِ دریا اگر کیجے نگاہ
ہے منارہ یادگارِ حضرتِ معصوم شاہ

تھے وزیرِ اکبرِ اعظم یہی معصوم شاہ — امتحاناً اس منارے سے جو کودے آ کے واہ
وہ منارہ مثلِ انگشتِ شہادت ہے گواہ — سچے عاشق تھے نہیں اسمیں ذرا بھی اشتباہ

سنگِ پارس پارس تھا اُس کو کیا دریا کی نذر
قیمتی جاں اپنی کی معشوقۂ رعنا کی نذر

اس منارے کے احاطے میں ہی عبرت کا سماں ۔ بیشتر سادات معصومی کی قبریں ہیں یہاں
اُن پہ سنگِ لحد پر دل نشیں گلکاریاں ۔ یہ مزارات اُنکے ہیں جو اب ہیں بے نام و نشاں

فیض کے دریا کا گویا اک دہانہ ہے یہیں
بہرِ اہلِ شہر باقی کا خزانہ ہے یہیں

یہ مساجد یہ شکستہ مقبرے اسکے تمام ۔ خود بتاتے ہیں کہ پہلے تھا اک اسلامی مقام
گاہ میروں گاہ ترخانوں کے زیرِ انتظام ۔ مقبرہ ہے شاہ خیر الدینؒ کا مشہورِ عام

عہدِ ترخانی حکومت کا نہیں معلوم حال
لیکن انگریزوں کے قبضے کو چھیاسی گذرے سال

دیکھئے گا جدوجہد حضرتِ انسان کو ۔ چھاؤنی چھا کر کیا گلزار کوہستان کو
ریلوے کی مرکزیت نے بڑھایا شان کو ۔ ریلیں جاتی ہیں کراچی کوئٹہ ملتان کو

تین گرجا گھر ہیں اک میونسپل آفس یہاں
پوسٹ آفس مدرسے یہ سب تمدن کے نشاں

دوسری سکھر کا قصبہ ہے قدیمی اک مقام ۔ ہے جہاں موئے مبارک کی زیارتگاہ عام
ہے نواحِ سندھ میں گویا یہی بیت الحرام ۔ رہتا ہے حج کے زمانے میں یہاں بھی ازدحام

اکبری، اورنگ زیبی مسجدیں دو شاندار
دورِ شاہانِ مغل کی ان کو سمجھو یادگار

در حقیقت روہڑی ہے وہ مقامِ محترم / جس جگہ اسکندرِ اعظم کے گئے تھے قدم
چلی جب اہلِ عرب کی سندھ میں تیغِ دو دم / سر بسر کفر و ضلالت کی ہوئیں شاخیں قلم

روہڑی کے پاس تاریخی مقام اک ہے اروڑ
ہڈیاں مدفون ہیں اس میں نہ جانے کتنے کروڑ

ہے سوادِ سندھ میں ظلمت پہ غالب گو کہ نور / مسلم آبادی مگر ہے نشۂ غفلت میں چور
ریگ کے میدان صدہا بستیاں سب دور دور / اونٹ چوپایوں میں کثرت سے تو میووں میں کھجور

سندھ کا خطہ نگاہِ پارسا و رند میں
بے تردد ایک ٹکڑا ہے عرب کا ہند میں

سنیانِ سندھ ہیں دریا دلِ مہماں نواز / جس طرح فرماں روائے خیرپور آغائے ناز
شیعیانِ ہند کے حاجت برآر و چارہ ساز / مثلِ عمرِ خضر یارب عمر ہو اُن کی دراز

قوم پرور دل میں ہے بے حد محبت قوم کی
کی ہے صرفِ خاص سے دیکھو ضیافت قوم کی

کہتے ہیں سعدین کا اسکو قران اہلِ شعور / والیِ بنگن پلی گئے ہیں سوئے خیرپور
طے صدارت میں انہیں کی ہونگے نظمی امور / ساقیا لبریز کر ساغر میں سر جوشِ طہور

میر صاحب اسطرف نواب اُدھر کرسی نشیں
قوم کے لختِ جگر کی ہے گرہ اکیسویں[۲۱]

یہ وہی لختِ جگر ہے پہلے جو مدقوق تھا / راس آئی بمبئی جا کر سمندر کی ہوا
ہو گئی حاصل اسے عابد کے صدقے میں شفا / ورنہ باقی رہ گیا تھا اسکے مر جانے میں کیا

جتنے دشمن تھے وہ سب اسکا برا چیتا کیے
دشمنوں سے دوست اسکے معرکے جیتا کیے

خدمتیں جب سے کریں کچھ بندگانِ بے درم　　بڑھ رہے ہیں رفتہ رفتہ اس طرف دستِ کرم
ہیں وہ سب حامی جو ہیں افرادِ ملت ذی ہمم　　اہلِ دولت اہلِ دیں اہلِ ہنر اہلِ قلم

ختم جس دن سے اتالیقی کا جھگڑا ہو گیا
دیکھنا سائیں! جواں ہو کر یہ تگڑا ہو گیا

دین و دنیا کے مسائل سب اسے معلوم ہیں　　دوست اسکے شاد دشمن مضمحل مغموم ہیں
اسکے خادم درحقیقت قوم کے مخدوم ہیں　　بدنصیبی اُن کی اس نعمت سے جو محروم ہیں

جذب ہو کر قوم میں ہر جزوِ دل، دل ہو گیا
قطرہ دریا ہے جہاں دریا میں شامل ہو گیا

مجلسِ شوریٰ نہیں یہ قومیت کا ساز ہے　　اتفاقِ آپس کا وجہ قوّتِ آواز ہے
ہیں وہ ناداں جن کو شخصیت پہ اپنی ناز ہے　　کوئی معصوم اب کوئی صاحبِ اعجاز ہے

ہے جو بے نفس اس سے بڑھ کر محترم کوئی نہیں
ورنہ کل فرد ہیں یکساں بیش و کم کوئی نہیں

ہے مساواتِ عباد اسلام کا زرّیں اصُول　　نفس وہ سرکش ہے جو کرتا نہیں اسکو قبول
تاجِ دولت ہو کہ دستارِ فضیلت سب فضول　　آدمی وہ آدمیت سے نہ ہو جس کو عدول

چاہئے انسان کو انسانیت سے کام لے
قوم کو گرتا جو دیکھے بڑھ کے بازو تھام لے

ساقیا در پر ترے ہے آج رندوں کا ہجوم　　رند بھی وہ رند جو ہیں پیر و بابُ العلوم
حق رسی مطلوب ہے، در بابِ اصلاحِ رسوم　　سندھ کے صوبے میں ہے جنکی ضرورت بالعموم

اس طرف دیجاتی ہے یوں پیر پیغمبر کی نذر
بھنگ کے شربت پہ توبہ ساقیِ کوثر کی نذر

نابلد ہیں کسقدر شرعی مسائل سے عوام — یہ سمجھ کر سیّدوں پر نارِ دوزخ ہے حرام
رکھا ہے سیّد کی بوٹی بھنگ کی پتّی کا نام — اور پیتے رہتے ہیں اسکا پیالہ صبح و شام

اُمّتی طبقے سے ہو یا زمرۂ سادات سے
چاہیئے پرہیز ہر مومن کو منہیات سے

اتباعِ شرع ہر شادی غمی میں فرض ہے — دل کی جمعیت میں دل کی برہمی میں فرض ہے
کثرتِ دولت میں دولت کی کمی میں فرض ہے — آدمیت کی علامت آدمی میں فرض ہے

دل کو رکھے آئینہ انساں کا جوہر ہے یہی
مومنیت کا تقاضا بندہ پرور ہے یہی

کر سکے گا کیا ترقی وہ گروہِ خستہ حال — جسمیں کثرت سے درندے جسمیں انساں خال خال
اتفاقِ باہمی سے کام ہو یہ کیا مجال — اک ذرا سی بات پر آمادۂ جنگ و جدال

کم ہیں ایسے لوگ جنکے دلمیں قومی درد ہے
ورنہ ہم شیعوں میں پوری قوم ایک اک فرد ہے

ہے اگر آمادہ تنظیمِ قومی انجمن — اوّلاً ہو تفرقہ اندازیوں کی بیخ کن
بھیج کر تبلیغِ قومیت کو اک شیعہ مشن — قوم شیعہ کو سکھائے میل ملّت کے چلن

اس مشن کے رکن ہوں جو بھی وہ خوش اخلاق ہوں
نفس پرور ہستیوں کے زہر کو تریاق ہوں

سوڈا واٹر کی طرح ہے گو تڑاشا موں کا جوش
ہے فقط پنڈال تک محدود سب جوش و خروش

گھر جہاں پہونچے نہیں رہتا کسی عہد کا ہوش
تو تقاضے کیجئے تو بھی رہیں گے یہ خموش

منچلے افرادِ شیعہ طرفہ تر معجون ہیں
وعدے میں حاتم وفائے وعدہ میں قارون ہیں

شیعوں سے خالی نہیں ہندوستاں کا عرض و طول
بیشتر از روئے نسل ان میں ہیں اولادِ رسولؐ

باپ دادا نے کمایا جو یہ کھو بیٹھے فضول
پاس تھے جن کے علاقے اب نہیں کچھ خاک دھول

عیش میں رکھتے اگر ملحوظ حدِ اعتدال
جائدادیں مٹ مٹا کر آج کیوں ہوتا یہ حال

نذرِ عیاشی ہزاروں کارخانے ہو گئے
دیکھتے ہی دیکھتے خالی خزانے ہو گئے

کیسے اونچے اونچے برباد آستانے ہو گئے
ساز و سامانِ تعیش کیا نہ جانے ہو گئے

خاک اڑتی ہے جہاں چشمے تھے دولت کے رواں
شیعیانِ ہند اے نا عاقبت اندیشیاں!

اب بھی سنبھلو اب بھی سنبھلو خانہ جنگی چھوڑ دو
بلکہ سب ٹوٹے ہوئے رشتوں کو باہم جوڑ دو

صیغۂ اوقاف کی اصلاح پر رخ موڑ دو
کھیتیاں اسلاف کی لازم نہیں یوں گوڑ دو

جھک پڑو تنظیم پر تعلیم پر کل قوم کی
کھولو ہر صوبے کے اندر مدرسے کچھ صنعتی

وقت ہی دولت ہے تمکو قدر کچھ اسکی نہیں
صاحبِ ثروت کبھی تم خود تھے اب خوشہ چیں

قوم کے ہر طبقے میں کثرت سے ہیں کوتاہ بیں
درحقیقت اب تمہارے پاس دنیا ہے نہ دیں

وقعات[۱۹۵] شیعہ کالج سخت دردانگیز ہیں
اُستخواں پر جسکے دندانِ تصرف تیز ہیں

شیعہ کالج مجلسِ شورےٰ کا پورِ ناخلف
شیعیانِ ہند کے تیرِ ملامت کا ہدف
بھول کر سنتا نہیں فریاد رندانِ نجف
اونٹ پر بیٹھا بجاتا ہے باطمینان دف
اونٹ کی گردن سے بلّی کھل سکے تو کھول لو
ورنہ کیوں بیٹھے بٹھائے دردِ سر اک مول لو

بوترابی! ایک سے لیکن تکدر ایک کو
شیعہ ہو کر لفظِ شیعہ سے تنفّر ایک کو
اپنے علم و فضل پر بے جا تبختر ایک کو
قوم کی بے دست و پائی پر تحیّر ایک کو
مزرعِ ملّت کو ابرِ فیض گُستر چاہیے
میر و سیجر کی طرح کے قوم پرور چاہیے

---

۱۹۵ شیعہ کانفرنس کے رزولیوشن کے ذریعے سے شیعہ کالج کا وجود ہوا، اور ایک عرصے تک اُس کے اجلاس میں شیعہ کالج رپورٹ پیش ہوتی رہی، مگر شیعوں میں کچھ حضرات شیعہ کالج سے الگ ہوگئے اور کچھ اختلافات پیدا ہوئے۔ بورڈ آف ٹرسٹی اور خان بہادر مولوی سید مہدی حسن صاحب جوائنٹ سکریٹری شیعہ کالج سے کچھ افرادِ قوم کو شکایت پیدا ہوگئی، اور انھوں نے شیعہ کانفرنس کے اجلاس میں رپورٹ کا بھیجنا بند کردیا اور شیعہ کالج کو ایک مطلق العنان ادارہ قرار دیا۔ باہمی مناقشات کو اسقدر طوالت ہوئی کہ بعض حضرات نے اپنے چندے کی واپسی کا دعوےٰ کیا اور اب یہ حالت ہے کہ جدید چندہ بند ہے۔

ہوں نہ کلِ افراد جبتک ہمنوا و ہمخیال ‏ ‏ ‏ کچھ ترقی کر سکے یہ قوم ہے امرِ محال
کر چکے خدمتگزاری ہم صفی اکیس[۲۱] سال ‏ ‏ ‏ پہلے دن جو تھا وہی ابتک ہے ان شیعوں کا حال

کیوں نہ بیٹھے تھک کے وہ پیری سے جو معذور ہو
پیش ہے منظوم استعفا یہ اب منظور ہو!

۱۹۲۹ء

اجلاس بست دوم آل انڈیا شیعہ کانفرنس بمقام الہ آباد

یہ دوسری بار شیعہ کانفرنس کا جلسہ الہ آباد میں ۲۷ لغایت ۲۹ دسمبر ۱۹۲۹ء محلہ چک کے قریب زیرو روڈ پر زیر صدارت مرزا علی محمد صاحب سالیسٹر اور وائس چینسلر بمبئی یونیورسٹی منعقد ہوا اُس وقت مرزا عابد حسین صاحب ایڈوکیٹ لکھنؤ شیعہ کانفرنس کے جنرل سکرٹیری تھے مگر اسی جلسے میں سید مصطفٰے رضا صاحب بیرسٹر لکھنؤ کا انتخاب سکرٹیری کے عہدے کیلئے ہوا دوران سال میں بانیِ شیعہ کانفرنس جناب قدوۃ العلماء مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ مجتہد۔ مولانا سید محمد سجاد صاحب قبلہ بانی مدرسۂ جامع العلوم جوادیہ بنارس۔ سید محسن مرزا صاحب ایم۔ اے۔ سابق ہیڈ ماسٹر شیعہ اسکول اور بانی سادات وظیفہ فنڈ و جناب مولوی سید علی غضنفر صاحب سکرٹیری شیعہ کانفرنس خان بہادر حکیم نظیر حسن صاحب ممبر مرکزی کمیٹی مرزا قلیچ بیگ صاحب صدر مجلس استقبالیہ اجلاس شیعہ کانفرنس بمقام سکھر۔ مرزا قاسم حسین صاحب قزلباس سابق سکرٹیری شیعہ یتیم خانہ سید محمد نوح صاحب رئیس جون پور۔ مداح اہلبیتؑ و ہمدرد قوم۔ سید نثار حسین صاحب سہارنپوری سابق ممبر مرکزی کمیٹی و چودھری سید مظہر حسن صاحب رئیس منجھن پور ضلع الہ آباد نے انتقال فرمایا۔

دوران سال میں شیعوں اور عام مسلمانوں میں ساردا ایکٹ کے پاس ہونے

کے خلاف بہت ہماہمی   رہی جسکا منشا یہ تھا کہ خاص عمر سے کم اور نابالغ لڑکے اور لڑکی کی شادی کرنے والے کو سزا دیجاوے۔ جا بجا شیعوں کو مینوسپلٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ اور کاؤنسل میں بمقابلۂ اہل سنت بالعموم اختلافات مذہبی اور شیعہ ووٹر کی کمی کی وجہ سے الکشن کے موقع پر ناکامیاب ہوجانے سے عام شیعوں کا مطالبہ ہوا اور شیعہ کانفرنس سے زرولیوشن بھی پاس ہوے۔ کہ ہندو اور مسلمان ووٹر ملکر مشترکا انتخاب کے موقع پر ووٹ دیں اور مسلمانوں کے لئے نشست کا تعین کردیا جاوے مہاراجہ کشمیر نے اپنی ریاست کے شیعوں کو ذوالجناح نکالنے کی اجازت دی۔ اس سال جناب ثقۃ الاسلام نے کانفرنس میں شرکت فرماکر بہت دلچسپی لی اور جدید تعلیم یافتہ حضرات نے شیعہ کانفرنس کو کامیاب بنانے میں خاص طور پر حصہ لیا۔

لخت جگر

متعلق بہ اجلاس بست و دوم آل انڈیا شیعہ کانفرنس بمقام الہ آباد ۲۶ لغایت ۲۸ دسمبر ۱۹۲۹ء

اے الہ آباد اے سرچشمۂ حبِّ وطن ✽ پر فضا سنگم ترا گہوارۂ گنگ و جمن
دونوں بہنیں گلے مِل مِل کے باہم خندہ زن ✽ ایک بیض طیلساں اور ایک اسود پیرہن
کیا دو دھاری سیف میں دھارے جو ملکر بہتے ہیں
جاتری لاکھوں یہاں آکے منڈتے رہتے ہیں

گنگا جمنا سرستی کا تین تربینی ہے نام | پہلے دو دریاؤں میں ہی تیسرا مدغم تمام
ہے زمیں کے نیچے وہ مخفی یہ ہے مشہور عام | اور اسی سنگم پہ واقع قلعہ سنگِ خام

قلعے کے اندر زمیں دوزا ایک مندر ہے جہاں
ہے عیاں سیلن سے دیواروں کی نمہارے کا نشاں

نصب اس مندر کے اندر ایک برگد کا درخت | تھا کبھی جسپر کوئی خونخوار دیو تیرہ بخت
ریش برگد کی طرح موٹے بدن تھے جسکے سخت | آب کر دیتی تھی زہرے اسکی آواز کرخت

بھینٹ چڑھ جاتے تھے۔ جانیں مفت ہوتی تھیں تلف
آدمی کی ہڈیوں کے ڈھیر تھے چاروں طرف

وقف سیوا کیلئے مشہور یہ بیت الصنم | جسمیں برگد بندرہ سو سال کا سنتے ہیں ہم
گل گیا ہے گھن گیا ہے جا بجا سے بیش و کم | خشک و بوسیدہ ہیں جسکے سارے اجزا ایک قلم

گو نمایاں کوئی بھی حصہ نہیں ہے صاف صاف
پیڑ پر کپڑا چڑھا ہے ہر طرف مثل غلاف

بت مکند اکا بھی اک پہلو میں ہے رکھا ہوا | گائے کا بال اتفاقاً دودھ میں جو پی گیا
خودکشی کر لی کہ یہ کفارہ تھا اس جرم کا | ورنہ بخشش کا کوئی اسکی ذریعہ ہی نہ تھا

رات دن مندر کے اندر جا بجا روشن چراغ
دیتی ہے جنکی ضیا تاریک نینوں کا سراغ

قربِ مندر ہے اشوکِ نامور کی یادگار | یہ ستونِ سنگ خارا ہے بہت ہی پائدار
کندہ اسپر واقعاتِ انقلابِ روزگار | گذرے ہیں اکیس سو انسٹھ برس کر لو شمار

جتنی تحریریں ہیں گویا وہ ہیں پتھر کی لکیر
سنگ یہ آئینۂ تاریخ ہے اک بے نظیر

مدتوں گایا گیا سنگم پہ قربانی کا راگ — ہندوؤں میں نام ہی باعث سے ہے اسکا پراگ
کھل گئے اس سرزمیں کے قلعۂ شاہی کے بھاگ — جسکے ہاتھوں میں ہے اب گنگ و جمن دونوں کی باگ

آگیا یہ شہر جب اکبر کے زیرِ انتظام
نام الہ آباد اسدن سے ہوا مشہورِ عام

قلعجاتِ اکبری میں قلعہ ہے یہ لاجواب — چار سو چون[۴۵۴] برس کی عمر از روئے حساب
اسکی حالت دیکھکر کھائے نہ دل کیوں پیچ و تاب — تازہ ترمیموں سے ہر حصے کی ہے مٹی خراب

قلعے میں تعمیر تھا ایوانِ شاہانہ جہاں
انقلابِ دہر سے اب ہے سلح خانہ وہاں

اکبرِ اعظم کہ شاہنشاہِ حق آگاہ تھا — قلعۂ محکم بنا اُسکی تفرّج گاہ تھا
اک مقامِ دل پسند اک منزلِ دلخواہ تھا — ہر کہہ و مہ شاد و خرّم شاہ کے ہمراہ تھا

کشتیوں کی دوڑ ہوتی شب کو یوں زیرِ حصار
آگ پانی میں لگا دیتی چراغاں کی بہار

شعبدے تیرے یہ سب اے چرخِ کج بنیاد تھے — وہ محلات اب کھنڈر ہیں جو کبھی آباد تھے
آج اسیرِ خاک ہیں غم سے جو بالکل آزاد تھے — پردۂ سازِ طرب گویا لبِ فریاد تھے

مسندِ جم کیا ہوئی وہ غیرتِ جم کیا ہوئے
اکبرِ اعظم سلیم و شاہِ عالم کیا ہوئے

کیجئے کشتی پہ چڑھ کر قلعے کی جانب نگاہ، — پیش کرتی ہے عجب منظر یہ دلکش سیرگاہ
دیکھکر بیساختہ منھ سے نکل جاتی ہے واہ — یوں رواں پانی پہ ہے کشتی کہ جیسے برگِ کاہ

دونوں دریاؤں کا وہ جوش و خروش آٹھوں پہر
قلعے کی دیوار سے موجوں کا ٹکرانا وہ سر

ماگھ میلے میں یہاں ہر سال رہتا ہی ہجوم   آتے ہیں اشنان کرنے مردم ہر مرز و بوم
شہر میں ہے اک مکمل مغربی دار العلوم   جسکے طلاب آسمانِ علم و حکمت کے نجوم
سال میں دو ماہ تفریحی جھمیلے رہتے ہیں
منہمک جسمیں گرو رہتے ہیں چیلے رہتے ہیں

آج الہ آبادی میں ہے تیری ہی وہ ذات   جسکی پبلک میں نظر آتے ہیں آثارِ حیات
ہے سیاسیات کی جانب بھی کافی التفات   حوصلوں میں ضبط و استقلال ہمت میں ثبات
مائلِ نظم و نسق بے خواہشِ نام و نمود
قوم پرور قائدینِ ملتِ اہلِ ہنود

ہے مثل راجہ کے گھر میں موتیوں کی کیا کمی   زیب معدن ہیں جواہر لال موتی لال جی
فرد ہیں فرد یہ دونوں جنسے زینت شہر کی   ڈاکٹر سپرو[196] کا انصافاً نہیں ہے مثل ہی
بے تعصب خوش دماغ آئینہ دل منصف مزاج
فخرِ ملت فخرِ ملک اردو ادب کے سر کا تاج

دیکھا دیکھی اور بھی فرقوں میں ہے بیداریاں   رفتہ رفتہ چھوڑتے جاتے ہیں غفلت کاریاں
کینہ و بغض و تعصب ور دل آزاریاں   پیکرِ خاکی میں ہیں یہ روح کی بیماریاں
ان سے بچنا چاہیئے ہر قوم کے افراد کو
کیوں بنائیں خارزار اس گلشنِ ایجاد کو

۱۹۶ـ سر تیج بہادر صاحب سپرو مشہور محب وطن بہت بڑے اردو کے حامی ہیں۔

اے الہ آباد نزہت گاہ ابنائے وطن
جعفری پھولوں سے آج آراستہ ہو یہ چمن
منعقد کی تو نے اللہ رے ترا خلق حسن
شیعیان ہند یعنی بیحسوں کی انجمن

یاد رکھ لیکن کوئی تدبیر چل سکتی نہیں
فرقۂ شیعہ کی ذہنیت بدل سکتی نہیں

حضرت عیسیٰ کی بھیڑیں ہیں یہ گروہ شیعیاں
چند گلّے اور ہر گلّے کا ایک اک گلّہ باں
ایک جرگہ دوسرے جرگہ سے لیکن بدگماں
واہ ری تنظیم ملّی واہ رے قومی نشاں

یوں سیاسیات میں معدوم ہستی شیعوں کی
جس طرح گنگ و جمن دونوں میں غائب سرستی

مدتوں سے خوگرِ تقلید کورانہ ہیں یہ
وقف جنبش صورت تسبیح صددانہ ہیں یہ
اسقدر تمیز نیک و بد سے بیگانہ ہیں یہ
غیر قوموں کی زبانوں پر اک افسانہ ہیں یہ

جہل سے کمزور ہے ایسی نگاہِ انتخاب
ذرہ تاب چشم غلط بیں میں ہے انکی آفتاب

راہزن کوئی نہیں شیعوں میں رہبر ہیں سبھی
نفس پرور توبہ توبہ قوم پرور ہیں سبھی
ساری قومیں بے ہنر ایمیں ہنرور ہیں سبھی
مختصر یہ ہے کہ دنیا بھر سے بہتر ہیں سبھی

مفت ہی ملجائے جب ہر نیکی عبادت کا ثواب
جانب حسن عمل راغب ہوں پھر کیوں شیخ و شاب

مومن کامل ہیں سب اک شیعہ ناکارہ نہیں
گریہ کن[۱۹۷] ملت مطیع نفس امارہ نہیں

---

۱۹۷ اخباروں میں بہت سے مضامین اس زمانہ میں اسی بحث گریہ اور فلسفہ ۶۰ ۱ کے متعلق موافق اور مخالف شایع ہوئے۔

دلشکن جب کثرتِ عصیاں کا پشتارہ نہیں
پھر تو ناصح کو خموشی کے سوا چارہ نہیں

فکر سے عقبیٰ کی اتنا سنکے فارغ ہو گئے
بیٹھکر مجلس میں روئے اور عصیاں دھو گئے

فلسفے سے واقعاتِ کربلا کے بے خبر
مقصدِ آلِ محمد پر نہیں غائر نظر
یہ عقیدہ مرتکز دل میں کہ انکی چشمِ تر
ایک آنسو سے بجھا سکتی ہو کل نارِ سقر

فرقۂ ناجی ہی جب ٹھہرا تو پھر بے اشتباہ
چاہے جتنے بھی کرے رحمت کے بجتے پر گناہ

فرقۂ شیعہ بھی ہو اک طرفہ معجون الغرض
بیش و کم ہر فرد کو اسکیم سازی کا مرض
اور قوم میں صورتِ جوہر یہ مانند عرض
اکثر افراطِ گنہ سے مسخ تصویرِ حرض

فاسق و بدکار دوزخ کی سند پائے ہوئے
بے حیائی سے مگر ہر وقت اترائے ہوئے

بعض انمیں کوڑھ مغز اور اسقدر شوریدہ سر
پیکرِ انساں میں گویا جنگلی اک جانور
زعم میں اپنے ارسطو در حقیقت بے ہنر
بے بصیرت دیو سیرت فتنہ جو بے حیلہ گر

سر میں سودائے تفاخر، بر میں ملبوسِ زری
باتیں بڑ مجذوب کی سی، مشغلہ جادوگری

ساری ہمدردی زبانی، یوں بڑے ہمدردِ قوم
غیر ممکن دل پسیجے سنکے آہِ سردِ قوم
رُخ نہ اس جانب کریں دیکھیں جدھر ہو گردِ قوم
اپنے اپنے زعم میں خود قوم ایک اک فردِ قوم

باہمی نا اتفاقی سب کا دستور العمل
اتباعِ نفسِ سرکش زندگی کا ماحصل

مفلسوں کا ذکر کیا ہے آپ ہی وہ ہیں فقیر انکی ہمت دیکھیے جو پوتڑوں کے ہیں امیر
حاضری دے جا کے جب دس مرتبہ قومی سفیر جیب سے اُسوقت نکلے گی رقم وہ بھی حقیر

مجلسِ قومی کی شرکت کا ٹکٹ لینے میں عذر
وعدوں کے ایفا میں حیلے نقد کے دینے میں عذر

ایک ہی دنیا ہے سب کی ایک ہی سب کا ہے دیں تفرقہ پھر کیوں ہے مابین گروہِ مومنیں
جب ہو ملیہ مجالس میں تصادم ہمنشیں دیکھکر یہ حالِ دل کیونکر نہو اندوہگیں

ایک امروہے[۱۹۸] میں جلسہ ایک الہ آباد میں
کیا خلل اس سے نہو گا مجمعِ افراد میں

مجلسِ شوریٰ کی شرکت جب نہیں فعلِ حرام چاہیئے تھا متحد ہو دونوں جلسوں کا مقام
جو بھی شخصی مصلحت ہو قوم کو کیا اس سے کام یہ کہے دیتے ہیں لیکن ہم بتوضیح تمام

مدعا تفریقِ صنفی ہے اگر تبلیغ کا
دونوں کے حق میں مضر ہوگی دو رویہ یہ ہوا

دین و دنیا متحد ہیں صورتِ شکلِ عروس فرض ہے تبلیغ دین کے ساتھ اصلاحِ نفوس
درس ہے اخلاق کا اک شیوۂ دانا طوس تا نہو باہم گر ملت میں جنگِ روم و روس

اسطرف مائل نہیں پھر کیوں ہمارے واعظیں
آسمانِ فضل کے روشن ستارے واعظین

---

۱۹۸ باوجود اسکے کہ شیعہ کانفرنس نے تنظیمی صورت پیدا کرنے اور اقتصادی و قومی مفاد پر نظر کر کے یہ رزولیوشن بہت پہلے پاس کر دیا تھا۔ قومی جلسے ایک تاریخ میں منعقد ہونے والے کسی ایک مرکز پر ہوا کریں لیکن مدرسۃ الواعظین کا سالانہ جلسہ امروہے میں کیا گیا جب کہ شیعہ کانفرنس کے اجلاس کا الہ آباد میں انعقاد پیشتر سے طے پا چکا تھا۔

شیعہ کالج میں ابھی تک دورِ استبداد ہے | اس طرح گویا کہ ملک خاص چند افراد ہے
ہے تو یہ قومی ادارہ طرز نوایجاد ہے | کارفرما بازپرسِ قوم سے آزاد ہے

قوم چیخے اور وہ کہنا نہ مانے قوم کا
کوئی اندیشہ عدالت کا نہ خطرہ قوم کا

ہے نصیر الدین حیدر کی جہاں پر کربلا[199] | مِل رہا ہے خاک میں اُسجا عطیہ قوم کا
برخلاف رائے ملت جسنے ڈالی ہو بنا | اسکا یہ طرز عمل ہے ایک فعلِ ناروا

کیوں کھری کہکر کوئی اپنوں سے بیگانہ بنے
کچھ بنے کالج بنے چاہے شترخانہ بنے

ساقیا دوران سر سے ہے بہت حالت خراب | جذب کرلے کاسۂ سر میں شعاعِ آفتاب
تار دے عمر گزشتہ کو کہ پلٹا دے شباب | ہاتھ خالی اور زیرِ ورد ڈیہ دورِ شراب

ورنہ اس پیرانہ سالی میں نہ جایا جائیگا
مرتعش ہاتھوں سے کیا ساغر اُٹھایا جائیگا

سنتے ہیں دعوت کا پھر ساماں، الہ آباد میں | جلسہ ہوگا پھر عظیم الشان الہ آباد میں
جمع ہونگے قوم کے اعیاں الہ آباد میں | آئے گا لختِ جگر مہماں الہ آباد میں

ساتواں اجلاس تھا ۱۵ء میں بھی یہیں
اب گرہ نام خدا پڑتی ہے یہ بائیسویں

---

۱۹۹ ڈالی گنج اسٹیشن کے قریب نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ کی کربلا ہے۔ وہیں شیعہ کالج کی عمارت بھی ہے۔

چاردہ سالہ مئے گلگوں وہی میکش وہی پھر وہی نقلِ دگر گک ندان لذتِ چش وہی
پھر وہی نظارہ جو نظر میں رخِ مہوش وہی جگمگے آتش پرستوں کے سر آتش وہی

پھر پیالہ کش غدیر خم کے متوالے ہیں جمع
پھر پرا باندھے ہوئے پروانے گرداگرد شمع

پہلے تھا پیش نظر نظارہ خسرو باغ کا؎ جسکی دلکش سبزی تھی روح پرور جانفزا
اب سول لین آئیے چلکر ہوا کھائیں ذرا یہ جوڑی چکلی صاف سڑکیں اک مقام پر فضا

دید کے قابل ہے پاور ہوس بہر اہل ہوش
حوض میں آب لطیف اور اسکا فوارہ میں جوش

ہے عجب دلچسپ منظر گرمیوں میں خاصکر آتی ہے آنکھوں میں ٹھنڈک جب پلٹتی ہے نظر
حوض میں گرتے ہیں قطرے آب کے مثل گہر ابر بالائے ہوا چھایا ہوا شام و سحر

وادی ایمن کیصورت بقعہ یہ پرنور ہے
قمقمہ بجلی کا جو ہے اک چراغ طور ہے

بڑھ گیا آگے زمانہ ہم جہاں تھے ہیں وہیں بازیوں عیاشیوں سے ہے ہمیں فرصت نہیں
تھیں جو قومیں آہ باخرمن سے ہمارے خوشہ چیں دیکھتے ہی دیکھتے کیسی ترقی کر گئیں

غیر قوموں نے تو چن لیں خوبیاں اسلام کی
اور بدیاں جذب کر لیں ہم نے غیر اقوام کی

؎ الہ آباد میں اجلاس کانفرنس اس سے پہلے سنہ ۱۵ء میں خسرو باغ میں ہوا تھا۔

ہم میں اب جوشِ اخوت ہے نہ ہمدردی ذرا دل میں جذبہ بھی نہیں ہمت کا یا ایثار کا
چھوٹ گئی ہے شرم دنیا کی نہ کچھ خوف خدا بے جھجک ناگفتہ بہ اوباشیاں صبح و مسا

قومیت پر چھاگئے تو انجمن سازی کا شوق
ورنہ ہے لہو و لعب کا ذوق ہر بازی کا شوق

پیٹ بھرے ہیں جتنے اُنکو لیڈری کا شوق ہے جتنے بھوکے، اُنکو دریوزہ گری کا شوق ہے
کچھ وہ ہیں جنکو فقط نام آوری کا شوق ہے کچھ وہ ناداں جنکو قومی بہتری کا شوق ہے

اس طرح کے جتنے ہیں دلسوز دیوانے ہیں وہ
قوم شیعہ شمع مردہ اسکے پروانے ہیں وہ

قوم میں ہے کارکن افراد کا قحط الرجال اتفاقاً پھنس گیا کوئی اگر برگشتہ حال
کام اداسے کا چلانا اسکو ہوتا ہے محال کرتے رہتے ہیں عوام الناس اتنی قیل و قال

خدمت قومی سے کھٹے پھر نہ کیونکر دل بلے
محنتوں کے جب صلے میں طوق لعنت کا ملے

قوم ہی وہ کیا نہو جسمیں کوئی قومی نظام ایک مرکز پر نہ قائم ہو نگاہِ خاص و عام
خادمانِ قوم کا کرتی ہیں قومیں احترام اور ہم شیعہ سمجھتے ہیں انھیں اپنا غلام

ایسی بگڑی ہے قیامت تک سدھر سکتی نہیں
قوم یہ قعرِ مذلت سے ابھر سکتی نہیں

جنگ اخباری ہے نوابِ امۂ میں کہیں[۲۰۱] بحث یہ ہے کسکو ہونا چاہیے مسند نشیں

---

۲۰۱ مولوی سید آقا حسن صاحب قبلہ کی مسند نشینی ۔

ہر طرف آمادہ بیکار جیشِ مومنیں | جیت اسکی ہو زیادہ جسکے ہوں نرگیں

ملک موروثی ہو گویا ریقۂ تقلید بھی

جب یہ ہو پھر کیوں گڑے مردے نہ اکھڑیں وقتی

سارده[۲۰۲] بل سے نکالا فتنۂ خفتہ نے سر | ہر طرف ہونے لگیں کج بجتیاں باہم دگر

پہلے تو سویا کئے اعیانِ ملت بے خبر | نیند سے چونکے تو اب ہے غل غپاڑہ شور و شر

احتجاج اسوقت کا مشتِ بعد از جنگ ہے

آپ جیتے بھی تو کب جیتے کہ جب جیت بھنگ ہے

آپکی کمزور آواز و نیں یہ قوت کہاں | جن کو وہ سنلے کہ جو گوشِ سماعت ہو گراں

پہلے بی شادی سے بچے ڈرتے تھے وقتِ فغاں | اب جوانوں کیلیے ہیں شادیاں بی شادیاں

شادی اک تمہیدِ غم ہو واقعی شادی نہیں

خانہ بربادی ہو رسم خانہ آبادی نہیں

پی چکے میخوار ساقی متصل بامیں جام | واگزار اب ہو علاقہ کیوں رہے کورٹ مدام

تھی فقط یہ خاطرِ عابد حسین نیکنام | با دلِ ناخواستہ کرتے رہے کچھ دن جو کام

کب تک آخر گائے جائیں راگ لالے قوم کے

قوم کا لختِ جگر اب ہے حوالے قوم کے

---

۲۰۲ مسٹر سارڈا نے ایک قانون مجلس واضعانِ قانون سے ایسا پاس کرایا تھا کہ اگر ۱۶ سال سے کم عمر کی لڑکی اور ۱۸ سال سے کم عمر کے لڑکے کی شادی ہو تو سرپرست کو سزا دی جائے اسپر ہندو اور مسلمان سب نے احتجاج کیا۔

قوم جلانے اور جانے قوم کا لختِ جگر　　کون کس کا ساتھ دیکتا ہی آخر عمر بھر
زندگی کی ساتویں منزل بھی پہنچی ختم پر　　دور جانا ہی نہیں یا سر آہ کچھ زادِ سفر

اب یہ تفریحِ دلِ بے مدعا کا وقت ہی
یا کنارے بیٹھکر یاد خدا کا وقت ہی

پہلے جو تھی اب دماغ و دل میں وہ قوت کہاں　　کوئی فرمائش جو ہوتی ہی گزرتا ہی گراں
رکھیں ایسی قدردانی سے معاف اب قدرداں　　شعرگوئی سے ہی مستعفی صفی ناتواں

جان ہی باقی نہیں مدت ہوئی دل مر چکا
عمر ضایع جسقدر کرنا تھی ضایع کر چکا

خدمت قومی مسلسل کر چکا بائیس سال　　سعی لاحاصل ہوئی ثابت دیکھا کچھ مال
پہلے دن جو تھا ابھی تک ہے وہی شعوئکا حال　　جب یہ صورت ہو کہو کیونکر نہو دل کو ملال

تو میں نوشتے بخبر دس فیصدی بیدار ہیں
درحقیقت یہ فنائے قوم کے آثار ہیں

کہکے دو باتیں خدا حافظ عزیزو! دوستو!　　شرط لیکن یہ ہے آئندہ عمل بھی اُنپہ ہو
یاد رکھنا فائدہ پہونچیگا بیحد قوم کو　　اب توجہ سے ذرا سنیئے وہ کیا باتیں ہیں دو

ایک تقسیم وظائف کا وظیفہ صبح و شام
دوسرے اخبار قومی کے نوافل والسّلام

سنہ ۱۹۳۰ء

میں

کوئی جلسہ شیعہ کانفرنس کا نہیں ہوا۔

سنہ ۱۹۳۱ء

اجلاس بست و سوم شیعہ کانفرنس بمقام منٹگمری (پنجاب)

منعقدہ بتاریخ ۵ لغایتہ ۷ اپریل ۱۹۳۱ء

یہ جلسہ جناب نواب سید رضا علی خاں صاحب بالقابہ والی ریاست رامپور کے زیر صدارت منعقد ہونے والا تھا۔ بوجہ علالت نواب صاحب ممدوح شرکت نہ فرما سکے، مگر جناب ممدوح نے اپنا خطبۂ صدارت مولوی سید اولاد حسین صاحب شاعر کے ذریعے سے ارسال فرمایا جو ممدوح کی طرف سے پڑھا گیا اس وقت شیعہ کانفرنس کے سکریٹری سید معجز حسن صاحب ایڈوکیٹ عارضی طور پر تھے، اور آئندہ کیلیے اُنکا انتخاب عمل میں آیا، پنجاب کے قریب قریب تمام ضلع کے نمائندے اجلاس میں شریک تھے، ممالک متحدہ سے علاوہ ارکین و ممبران اکثر حضرات نے شرکت فرمائی۔ باہر کے حضرات تقریباً تین سو شریک جلسہ ہوئے جیسا کہ روئداد سے پتہ چلتا ہے، خاص شرکاء میں جناب نواب

سعادت علی خاں صاحب رئیس کمالیہ کھرل، راجہ غضنفر علیخاں صاحب سابق ہوم منسٹر اور اسٹیٹ، نواب احسان علی خاں صاحب رئیس مالیر کوٹلہ، راجہ نواب علیخانصاحب تعلقہ دار سیتاپور، اور علما میں مولانا سید محمد سبطین صاحب و دیگر حضرات قابل ذکر ہیں، نواب سید حامد علیخانصاحب والی رام پور، مرزا علی محمد خانصاحب والس ضلیر بمبئی و صدر اجلاس شیعہ کانفرنس بمقام الہ آباد، حجۃ الاسلام مولانا سید کلب مہدی صاحب قبلہ مجتہد کربلائے معلےٰ، سید موسیٰ کاظم صاحب ڈپٹی کلکٹر آرہ ممبر مرکزی کمیٹی، خان بہادر محمد جلیل صاحب پنشنر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولس و ممبر مرکزی کمیٹی، سید خورشید حسن عروج عرف دولہا صاحب نے دوران سال میں انتقال فرمایا، اضلاع پنجاب خصوصاً ہشیارپور میں شیعوں کے مراسم عزاداری میں رکاوٹوں کا سلسلہ شروع ہوگیا، کچھ بیشتر سے پنجاب میں شیعیت کی طرف آزادروی سے میلان عوام کا ہونے لگا، اسلیے کچھ جابجا امور عزاداری میں رخنہ اندازیاں بھی ہونے لگیں، اس سال شیعہ یتیم خانۂ نسواں کے اجرا کا رزولیوشن پاس ہوا مگر کوئی عملی اقدام نہیں ہوا۔

لختِ جگر

منٹگمری اے مقامِ خشک بے برگ و ثمر — تو ہے بیچوں بیچ میں ستلج ادھر راوی اُدھر
تیری نوآباد اراضی غیر زرعی بیشتر — ایک ٹیلے پر ہے خودرو جنگلوں کا ہے جو گھر
ریلوے خط کا ترے ہر سمت دورا دور ہے
اک طرف ملتان واقع اک طرف لاہور ہے

اس جگہ پڑا ولا تھے تین دریا آس پاس
رہ گئے اُن میں سے دو اور ہٹ گیا کوسوں پاس

ان دو آبوں میں تھے جاٹ آباد بے خوف و ہراس
جنگلوں میں اپنے گلّوں کو چراتے تھے جو گھاس

تھے انھیں کے تحت میں قطعات صحرائے وسیع
غدر سے پہلے نہ تھے فرمانرواؤں کے مطیع

کچھ خبر ہے ساکنانِ کشورِ ہندوستاں
منٹگمری نام کی دنیا میں ہیں کے بستیاں

کون کس حالت میں ہے میں کیا کروں اسکو بیاں
نقشۂ گیتی ہے خود آئینۂ سرِ نہاں

منٹگمری تین ہیں اس عالمِ اسباب میں
ایک یورپ، ایک امریکہ میں اک پنجاب میں

ضلع ہی برطانوی ہندوستاں کا یہ مقام
حاکمِ صوبہ نے اپنے نام پر رکھا تھا نام

دفترِ سرکار کا اللہ رے حسنِ انتظام
خطّہ جو آزاد تھا وہ بن گیا آخر غلام

ریلوے کی مرکزیت نے بڑھا دی اور قدر
تھا گوگیرا صدر پہلے ہو گیا اب خود یہ صدر

پانچواں حصّہ ہی کل صوبے کا رقبے میں یہاں
نمبر آبادی میں لیکن اک بٹا تیئیسواں

آبپاشی کیلئے انہار سیلابی رواں،
راستے جنگل کے صعب و سخت مثلِ ہفتخواں

ضلع بھر میں ہیں زراعت پیشہ ہی کچھ دستکار
چوب ریشم روئی ان چیزوں کا اکثر کاروبار

کُل زمیں او سرہی او سرہی سواحل کے سوا
خاک اُڑا کرتی ہے گرم و خشک ہے آب و ہوا

قربِ ساحل میں جو قطعات نشیبی جابجا
ہوتی رہتی ہے زراعت اُن پہ جب ِ جا

روئی گیہوں اور دالیں سب ہیں پیداوارِ کشت
سطحِ بالائی ہے دوزخ سطحِ زیریں اک بہشت

منٹگمری ہے چھیاسٹھ سال سے اس ضلع کا نام — اور اسٹیشن کا بھی اتنی ہی مدت سے قیام
اک تہائی کاشتکاروں کے ہے زیر انتظام — دو تہائی پر ہیں سرکاری چراگاہیں تمام
پیڑ کیکر بیر جھاؤ کے قطار اندر قطار
سر بصحرا گلہ ہلے اشتران بے مہار

قدرتاً موزوں ہے اونٹوں کیلئے یہ سرزمیں — گلہ بانوں کی چراگاہوں کی جب قلت نہیں
کیا کہیں شعبہ شتر خانہ اگر بنتا نہیں — رام کرتے ناقہ سرکش کو مل کر مومنیں
راس آجاتی اگر آب و ہوا اس ضلع کی،
سب شتر غمزے بھلا دیتی فضا اس ضلع کی

کر گیا ہے ضلع یہ دریائے راوی کو عبور — سب ملا کر پانچ قصبے اس میں ہیں نزدیک و دور
منٹگمری، دکمالیہ، پٹن، دی بال پور، — پانچواں ہے سید وال آئینہ ذرات نور
پنج شاخے کیطرح روشن ہیں یہ پانچوں مقام
ہے جدا گانہ ہر اک میونسپلٹی کا نظام

نقشہ مردم شماری سے یہ ہوتا ہے عیاں — مسلموں میں کچھ ہیں سادات گرامی دودماں
کچھ مغل ہیں کچھ پٹھان اور کچھ ہیں بلوچی یہاں — کچھ ہیں نومسلم کہ جن میں مختلف ہیں خاندان
راجپوت اور جاٹ گوجراں ہیں سب مخلوط ہیں
رشتہ اسلام سے باہم مگر مربوط ہیں

ہیں علاوہ ان مسلمانوں کے وہ اہل ہنود — ہے قدیمانہ ابھی تک جن کا طرز ماند و بود
بیشتر تجار ان میں صاحب نام و نمود — سیدھی سادی وضع جنکی مقدرت کے باوجود
قوت بازو سے انکو اپنی روزی کی تلاش
کاشتکاری گلہ بانی تیشہ رانی پر معاش

کا تھین ہالی جو سابق میں یہاں آباد تھے　　ہی کسی کا بھی پتا اُنمیں سے آخر کیا ہوے
رفتہ رفتہ کھا گئی سب کو زمیں مر کھپ گئے　　ہوتی ہیں برباد قومیں زشتی اعمال سے

انقلابی کیفیت ہے چپّے چپّے سے عیاں
تھی جمشیدی جہاں اب جنگلستاں ہی وہاں

ہیں درندوں میں بشدت بھیڑیے اور بن بلاؤ　　پھر چرندوں میں ہرن کثرت سے ہیں کم نیل گاؤ
بس پرندوں میں بٹیریا اور تیتر مار لاؤ　　صید مرغابی اگر منظور ہے جھیلوں پہ جاؤ

جابجا دریا کنارے جس قدر بھی کُنڈ ہیں
جال ڈالو اُنکے اندر مچھلیوں کے جھنڈ ہیں

اس دوآبے میں جو ہے مابین راوی بیاس　　جابجا جھیلیں بھی ہیں جن سے یہ ہوتا ہے قیاس
پہلے اس دریا کا دھارا تھا یہیں راوی کے پاس　　دیگھ ندی اور ہی جسکی ہی جموں سے نکاس

ہے اسی راوی کی وہ بھی اک معاون بیگماں
سینچی جاتی ہیں برابر جس سے اکثر کھیتیاں

بھکے جموں کی پہاڑی سے اِدھر آتی ہی وہ　　خوب وہ ناگن کی طرح کھیتوں میں لہراتی ہی وہ
بہتی رہتی ہی جدھر بھی راستہ پاتی ہی وہ　　منٹگمری تک پہنچ کر خشک ہو جاتی ہی وہ

قدرتی سڑکیں ہیں یہ دریا تجارت کیلیئے
اور پانی کے ذخیرے بھی زراعت کیلیئے

عرض راوی نسبتاً دریائے ستلج سے ہی کم　　راہ لیکن صورت زلف بتاں پرپیچ و خم
دونوں دریاؤں کے دھارے مظہر فیض اتم　　جس جگہ پہونچے وہ خطہ بن گیا باغ ارم

ہے تلوّن طبع ستلج صاف دل راوی ہی نیک
اسکی دو نہریں یہاں جاری ہیں اُسکی نہر ایک

میل بھر چوڑا ہے ستلج چار فٹ اکثر عمیق
جا بجا اسمیں جزیرے جیسے خاتم پر عقیق

کنڈ صدہا ہیں فٹ گہرائی کے بین الطریق
تیز رو اتنا کہ ملاحوں کے حق میں وجہ ضیق

دونوں یکساں ہیں نہیں جب اسکو معمولاً قرار
رنج دریا برد ہو یا راحت دریا برآر

چشم بینش ناتواں گوش سماعت ہے گراں
ورنہ پھر غفلت یہ کیسی اے گروہ شیعیاں

دیکھ لو آثار عبرت سن لو پچھلی داستاں
ہیں لب ساحل سے کیا راوی و ستلج قصہ خواں

"ہر کجا افتادہ بینی خشت در ویرانۂ"
"ہست فرد دفتر احوال صاحب خانۂ"

بستیاں تھیں عہد اسکندر سے بھی کچھ بیشتر
پائے جاتے ہیں شمال و غرب میں جنکے کھنڈر

کرتے ہیں ثابت زمیں کھد کر نکلتے ہیں جو گھر
ان مکانوں کے مکیں تھے ذی کمال و ذی ہنر

بدنصیبی سے جو باہم ہوتی رہتی تھی جھڑپ
کر گئی دیکھو ہڑپا کی زمیں سب کو ہڑپ

دیکھئے نااتفاقی کا نتیجہ ہے خراب
یہ جہاں بڑھتی ہے ہوتا ہے وہیں نازل عذاب

چاہیئے مل کر رہیں مل کر چلیں سب شیخ و شاب
خاصکر وہ لوگ جو ہیں پیروان بوتراب

ورنہ مٹ کر یونہیں بے نام و نشاں ہو جائینگے
درس عبرت کیلئے اک داستاں ہو جائینگے

یہ وبا جب قوم میں پھیلی ہوئی برباد وہ
پھر سنبھلنا ہو گیا مشکل پڑی افتاد وہ

وحدت ملت کی سرگم ہے جو ہیں آزاد وہ
تار ہیں ساز شکستہ کے نہیں افراد وہ

سب ہے اپنے ساز ملت کا جدا ہے طور ہی
چھیڑیئے جس تار کو دیگا صدا کچھ اور ہی

گو مسلماں ہیں یہاں ساڑھے ستر فیصدی | اور تعداد انکی کافی طور پر سادات کی
سید وال اک قصبہ ہے جسمیں کہ بستے ہیں یہی | باہمی جنگ و جدل سے ہے مگر حالت ردی

آئے دن رہتی ہیں آپس ہی میں خانہ جنگیاں
اُف ! ستمگر انقلاب دہر کی نیرنگیاں

شیعیان ہند اُٹھو ! نام علی لیکر اُٹھو ! | مٹ گئیں کس طرح قومیں دیکھ لو تاریخ کو
ہم کو اندیشہ اسی کا ہے فقط اے دوستو ! | یونہیں تم بھی مٹ کے رہجاؤ کہیں ایسا نہو

ہمرکاب حضرت حجت جو چلنا ہے تمہیں
اپنی اخلاقی روش بیشک بدلنا ہے تمہیں

صنعت و حرفت کو سیکھو مال و زر پیدا کرو | اچھے کاموں میں اٹھاؤ جسقدر پیدا کرو
حسن سیرت سے دلوں میں سب کے گھر پیدا کرو | لوگ آنکھوں پر بٹھائیں وہ اثر پیدا کرو

یوں تجارت گاہ دنیا میں بڑھاؤ اعتبار
زندہ قوموں میں تمھاری قوم کا بھی ہو شمار

غافلو تا چند غیروں کے سہارے پر نظر | اپنی طاقت پر جیو دنیا میں جینا ہو اگر
لے رہا ہے کروٹیں دھارا زمانے کا مگر | تم ہو طوفانی ہواؤں سے ابھی تک بے خبر

زور گرداب سیاست اے گروہ مومنیں
کھینچکر قعر ذلت میں نہ کر دے تہ نشیں

پست قومیں سب کہاں سے دیکھ لو پہونچیں کہاں | تم ہو خواب ناز میں لیکن ابھی تک سرگراں
دور گردوں نے دکھائیں طرفہ تر نیرنگیاں | جو غبار کارواں تھے اب ہیں میر کارواں

رہ نوردان ترقی راہ چلتے ہی رہے
کروٹیں بستر پہ اپنے ہم بدلتے ہی رہے

مجلس شوریٰ ہو دنیا کی نظر میں محترم
ہوں جو کل افراد ملت ہم زبان و ہم قدم

بہرہ ور تعلیم سے ہر مرد و زن ہو بیش و کم
مفلسوں میں ہو قناعت منعموں میں ہو کرم

ہر کوئی اپنے اپنے فرض کو انجام دے
ہو رواں قومی مشین ایک ایک پرزہ کام دے

دست و بازو مرکزی قوت کے ہیں ہر چند چار
صوبجات بمبئی پنجاب بنگال و بہار

اپنے صوبے کی ہے ہر صوبہ کمیٹی ذمہ دار
ہر جگہ افراد ملت کی مگر حالت ہے زار

بس وہی جنگ و جدال باہم وہی بغض و نفاق
باہمی نا اتفاقی پر سبھوں کو اتفاق

فرقۂ شیعہ میں اک حشر تک ممکن نہیں
ہیں بکثرت جن کا یکساں ظاہر و باطن نہیں

باہمی بغض و حسد گو شیوۂ مومن نہیں
زشتی اعمال کی پروا ہمیں لیکن نہیں

رات دن لیتا وہ رہتا ہو طویلے میں جہاں
رہ سکیں وہ خاک ہنگام تگ و دو ہمعناں

چارہ ساز روح ملت نزع کی مشکل میں ہے
لو خبر جلدی اگر جوش محبت دل میں ہے

چودھویں کا چاند اب تیئیسویں منزل میں ہے
ہے جھلک امید کی جو کچھ وہ مستقبل میں ہے

منٹگمری میں تمھاری بزم شوریٰ آج ہے
صدر مجلس وہ جو ساری قوم کا سرتاج ہے

زیب ایوان صدارت سرگروہ مومنیں
سرور بہرام صولت خسرو روشن جبیں

ناخدائے ملک و ملت صاحب تاج و نگیں
زیب سادات ہمنام امام ہشتمیں

شہر یار نوجواں فرمانروائے رام پور
مصطفیٰ آباد جنکے دم سے اک دارالسرور

ہاتھ میں آئی ہے جبدن سے حکومت کی زمام
خاطرِ اقدس کو ہے ملحوظ حسنِ انتظام
ماہِ اوجِ برتری مہرِ سپہرِ احتشام
حکمرانِ معدلت گستر بھی خواہِ انام

دی جسے بیدار مغزی نے صلاحِ چیف کورٹ
جسکا زریں کارنامہ افتتاحِ چیف کورٹ

جلد آ ساغر بکف اے ساقیِ روشن ضمیر
جمع ہیں لب تشنگانِ بادۂ خمِ غدیر
شان ہیں شوکت میں اجلاس آج کا ہے بےنظیر
دستِ نوّابِ کرم گستر ہے یا ابرِ مطیر

قوم کو بادِ بہاری دے رہی ہے یہ نوید
دیکھنا سرسبز ہو جائیگی اب کشتِ امید

طائرِ دل ہے نثارِ نغمگری ساقیا
جسطرح محوِ طوافِ سرو قمری ساقیا
سن لے قلقل کی لبِ مینا سے ٹھمری ساقیا
میکشوں کی ہے یہی رودادِ عمری ساقیا

جب نسیمِ صبح آکر پھول برسانے لگی
صورتِ بلبل بطِ مے تہنیت گانے لگی

جلسہ یہ اعیانِ ملت کا عظیم الشان ہے
مشکلوں کا سہل ہو جانا بہت آسان ہے
عیش و راحت کا مہیا ہر طرف سامان ہے
لختِ دل ہے میزبان لختِ جگر مہمان ہے

مرکزی یہ بزمِ شوریٰ صوبۂ پنجاب میں
روح تازہ پھونک دیگی پیکرِ احباب میں

قوم کے لختِ جگر کی ہے گرہ تیئیسویں
طولِ عمر اسکو عطا کر یا الٰہ العالمیں
بزمِ رندانِ نجف میں ساقیِ ناز آفریں
تین دن پیہم چلے دورِ شراب الصالحیں

نور کا خم، نور کا ساغر، صراحی نور کی
موجزن ہر شیشۂ دل میں تجلی طور کی

مے وہ مے جسمیں ہو تلخی حق کی لیکن خوشگوار   مے وہ مے جو میکشوں کے دل کو دھو ڈالے غبار
مے وہ مے کیفِ نشاط اور ہو جسکا بے خمار   مے وہ مے رندوں کو ملوا دے گلے جو ایک بار
مے جو ہو پر جوش آزادی کامل کی طرح
مے جو اُمیدیں بڑھا دے روز ٹیبل کی طرح

غازیانِ ملک صف بندانِ اخباری جہاد   اے ہوا خواہانِ ملت راستی[203] و اتحاد
خودکشی ہے خودکشی حضرت یہ جنگِ طبعزاد   چھوڑ دیجے وہ روش جس سے کہ برپا ہو فساد
مشت بعد از جنگ ہے شوقِ غلط گیری نہیں
قوم کی خدمت یہ تخریبی ہے تعمیری نہیں

کام جبتک ہو نہ دستور العمل کے برخلاف   ایک آئینی ادارے پر نہ کیجے ہاتھ صاف
دل کے آئینے پہ گر ہو بھی کدورت کا غلاف   کیوں بنائیں آپ اخباروں کو میدانِ مصاف
آئے دن اسکی شکایت آئے دن اسکا گلہ
خدمتِ قومی کا دیتے ہیں حضور اچھا صلہ

سرفراز اخبار قومی بورڈ اسکا ذمہ دار   خواجہ[204] کو اسپر نہیں کچھ مالکانہ اختیار
کیا ہے ان قومی اداروں کی ترقی ناگوار   ہوتے رہتے ہیں برابر کیوں یہی خواہوق وار
آپ لیکن کیا کریں مجبور ہیں اس بات سے
خانہ جنگی جب ہے شیعوں کے خصوصیات سے

---

٢٠٣ راستی اخبار جو بجنور سے اتحاد امروہہ سے نکلتا ہے، دونوں شیعہ اخبار ہیں، ان میں منافی اتحاد اخباری تو تو میں میں چھڑی ہی تھی اور شیعہ کانفرنس پر ایسے مضامین نکلتے تھے جس سے بجائے اسکے کہ اصلاح و ترقی کیطرف قوم متوجہ ہوتی انکو ادارہ قومی اسے کنارہ کشی کا خیال پیدا ہونے لگا۔

٢٠٤ خواجہ سے مراد خواجہ اسد اللہ صاحب ہیں جو اُس زمانے میں اخبار سرفراز کے اڈیٹر تھے۔

قوم شیعہ کو زبانی جمع خرچ آتا ہے خوب　　ہمت و ایثار کی جانب نہیں اہلِ قلوب
اخترِ طالع جو آ پہونچا ہے تا حدِّ غروب　　تیرہ بختی سے نظر آتے نہیں اپنے عیوب
رنگ بھر کر نقشۂ تعمیر میں تخریب کا
ملّت شیعہ نمونہ ہے نئی تہذیب کا

قوم سمجھیں قوم اے نا عاقبت اندیش قوم　　اے سراپا نوش مذہب کی سراپا نیش قوم
کیوں عداوت کوش ہے تو اے محبت کیش قوم　　معرکے ہیں تجھکو دنیا میں ابھی درپیش قوم
تیرے حق میں سمّ قاتل ہے یہ آپس کا بگاڑ
اپنے ہاتھوں سے نہ اپنے خانہ باغوں کو اجاڑ

جیت میدانِ عمل اے قوم جست و خیز کر　　دوڑ میں اقوام کی تو بھی قدم کو تیز کر
توسنِ ہمت اگر سستی کرے مہمیز کر　　غفلتِ دیرینہ سے بہرِ خدا پرہیز کر
اُٹھ ذرا کاوہ دکھا شبدیزِ استعداد کا
تازیانہ وقف ہے کوڑہ جہان آباد کا

دردمندانِ وطن کہیئے انھیں کیونکر جگائیں　　خفتہ بختِ افرادِ ملت ہوش ہی میں جب نہ آئیں
کیا ستم ہے وہ تو وقفی جائدادیں چھوڑ جائیں　　آپکے اسلاف کی گاڑھی کمائی غیر اڑائیں
باعثِ قومی تنزل ہے تساہل آپ کا
اب وہاں اک جز نہیں تھا کل جہاں کُل آپ کا

سن کے غم کی داستاں خونِ جگر کیوں پیجیے　　صیغۂ اوقاف کی جانب توجہ کیجیے
اک یہی مد سال بھر کے واسطے لے لیجیے　　بیدریغ اسکے لیے چندے کی رقمیں دیجیے
گم شدہ دولت ملیگی پھر یقیناً آپ کو
دانہ دانہ دے گا یہ ایک ایک خرمن آپکو

آجکل اسکیم جو ہے قوم کے پیشِ نظر ۔۔۔ کی تھی تحریک اسکی کلکتے میں خود میں نے مگر
ہر ادارے کیلئے درکار ہے بے شبہ زر ۔۔۔ پہلے وہ رکھ لیجئے پھر ملتفت ہوں آپ ادھر
کھولیں گے دار الیتامیٰ لڑکیوں کا آپ کیا
جب ہے دوبھر پرورش کرنا یتیم اطفال کا

مکمل کالج کہ شیعہ بنک یا شیعہ مشن ۔۔۔ یا ادب گاہِ صبیّات و بناتِ پُر محن
یا وظائف بہرِ اطفال اے عزیز مومنین ۔۔۔ آب زر سے آبیاری چاہتا ہے ہر چمن
آپ کا اوقاف پر اپنے جو قبضہ ہو گیا
سہل ہو جائیگا اجرا ہر مفید اسکیم کا

اُٹھئے بسم اللہ میدانِ عمل میں آئیے ۔۔۔ مخلصانہ دوستانہ سعی کچھ فرمائیے
رہ نمائی کو چراغِ راہ خود بن جائیے ۔۔۔ پھول چُنوا دیجئے کانٹوں میں کیوں الجھائیے
تین (ز) مشہور تھیں اب چار ہیں وجہ زیاں
فتنہ انگیزی کی جڑیاں زن زمیں زر اور زباں

معرضِ تبدیل میں نظم و نسق ہے ہند کا ۔۔۔ چل رہی ہے انقلاب انگیز طوفانی ہوا
ہے زمانے کا تلاطم خیز دریا فتنہ زا ۔۔۔ آگئی کشتی مگر اسوقت ہے بے ناخدا
اس محل پر انتشارِ طبع گو بیجا نہیں
کیجئے تنظیم اپنی ورنہ پھر اچھا نہیں

سب ملے جل کر وداعِ خود پسندی کیجئے ۔۔۔ ترکِ تعینات پستی و بلندی کیجئے
منتشر افراد کی شیرازہ بندی کیجئے ۔۔۔ متحد ہو کر بہم اخلاص مندی کیجئے
قابلِ اصلاح ہے شیعوں کی عمرانی حیات
ہر جگہ پھوٹ ان میں ہے وہ شہر ہو چاہے دہات

حلم و استقلال میں کوہِ گراں بن جایئے | اور حسنِ خلق میں اک بوستاں بن جایئے
فیض پہنچانے میں بحرِ بیکراں بن جایئے | دلکشی میں ماہِ کامل مہرباں بن جایئے
ہر طرف پھیلایئے اٹھکر شعاعیں نور کی
آپ ہی پر ملک میں نظریں پڑیں جمہور کی

عہدِ شاہانِ سلف میں اے گروہِ سینہ ریش | تھے ترے اسلاف ہر موقع پہ کیونکر پیش پیش
یا وہ دور اندیش وہ حق کوش وہ اخلاص کیش | یا ہمیں ہم ہیں بلید الذہن مثلِ گاؤمیش
بے خبر ایسے کہ دنیا کی خبر رکھتے نہیں
پھر نڈر ایسے کہ عقبے پر نظر رکھتے نہیں

مشکلِ ہندوستاں آسان اب ہونیکو ہے | درد کا افلاس کے درمان اب ہونیکو ہے
اقتصادیات کا سامان اب ہونیکو ہے | کچھ دنوں میں ہند بھی جاپان اب ہونیکو ہے
صنعت و حرفت میں پیدا کیجئے کچھ دستگاہ
در بدر پھرنا پڑے گا ورنہ باحالِ تباہ

ملک ملت کیلئے دانشورانِ نکتہ داں! | کی ہیں ابنائے وطن نے کسقدر قربانیاں
قوم پرور نکلے صدہا صاحبِ نام و نشاں | کم سبق آموز ہے ایثار نہرو خانداں
بے تامل سب نے اپنی ہستیوں کو تج دیا
زیورِ تنظیم سے ملت کو لیکن سج دیا

ہم میں بھی نکلا کوئی اس ہمت و ایثار کا | ہو گماں ہاتھوں پہ جسکے ابرِ گوہر بار کا
تک سکے تعمیر کیا جب قحط ہو معمار کا | بس خدا حافظ ہے اس گرتی ہوئی دیوار کا
ہر طرف سیلِ حوادث مائل پابوس ہے
قصرِ ملت کی تباہی قابلِ افسوس ہے

شاید آئندہ بلطفِ خاص شاہِ ارجمند — ہمتیں جو ہو رہی ہیں پست ہوجائیں بلند
پائے عمرانی حقوق اپنے گروہِ حق پسند — رہ سکے تا اس دیارِ مشترک میں بے گزند
بوستانِ ہند کی اب اور ہی کچھ ہے فضا
تھم گئی پچھوا ہوا چلنے لگی پروا ہوا

قاصدِ نوروز لایا ہے یہ پیغامِ بہار — سبزہ زارِ ہند بھی پائیگا ملکی اقتدار
اپنی اپنی محفلوں کو سج رہے ہیں بادہ خوار — ہوشیار اے نونہالانِ تشیع! ہوشیار
تم بھی حصہ ہمرہِ زنداں سے مے آشام لو
بڑھکے اک چڑھتے ہوے سورج کا دامن تھام لو

جب خدا کے فضل سے ہاتھ آگیا اک ناخدا — دم کے دم میں پار ہو جائیگا بیڑا غم ہی کیا
متحد ہوکر مگر ہاں کوششیں کیجے ذرا — ہے مقدم یک دلی بہر حصولِ مدعا
آجتک تھی جو روش اب اس روش کو چھوڑیئے
سوئے میدانِ ترقی رخشِ ہمت موڑیئے

کونپلیں یہ زرد پتوں کی جگہ لیکر تمام — آمدِ صبحِ بہارِ خرمی کا دیں پیام
ہو منظم صورتِ گلدستہ ہر قومی نظام — نخلِ ملت دیکھکر سرسبز دل ہو شادکام
ہم بھی یہ سمجھیں جو دیکھیں قوم کو با کر و فر
مل گیا تیئیس برسوں کی ریاضت کا ثمر

اب باغ و دل میں پہلی سی کہاں تاب و تواں — ضعفِ پیری نے کیا عزلت گزینِ آشیاں
کرچکے تھے ترک ہم تو ذکرِ قومی داستاں — ہمصفیر افسوس لیکن کھینچ لائے پھر یہاں
جو نہ سمجھیں انکو سمجھائیں کہاں تک دوستو
قصۂ پارینہ دہرائیں کہاں تک دوستو

مانعِ سیر و سفر جب ضعفِ پیری ہے صفیؔ
زندگی بھر کیا ہے گویا اک اسیری ہے صفیؔ

کیا نتیجہ، گر سخن میں دلپذیری ہے صفیؔ
یادِ حق میں اب مناسب گوشہ گیری ہے صفیؔ

ہے تمہارے واسطے اک خودکشی فکرِ سخن
اسقدر طاقت گداز و روح فرسا ہے یہ فن

کر چکے ایثار اب ہے وقت استیثار کا
کچھ مداوا چاہیئے اپنے دلِ بیمار کا

مدتوں سے ہے تقاضا ملک کے احرار کا
جلد مجموعہ مرتب کیجئے اشعار کا

مستعد ہو جایئے خود بہرِ تدوینِ کلام
بعد مرنیکے اسی سے زندہ رہجائیگا نام

ہے یہ حصہ عمر کا عہدِ فراغِ زندگی
اب چھلکنے ہی کو ہے اپنا ایاغِ زندگی

ہر نفس وقفِ خزاں ہے خانہ باغِ زندگی
صبحِ پیری جھلملاتا ہے چراغِ زندگی

تو سلامت ساقیا آباد تیری انجمن
آخری ہو کیا عجب یہ دورِ صہبائے سخن

سنہ ۱۹۳۲ء

اجلاس بست و چہارم شیعہ کانفرنس بمقام لاہور

یہ اجلاس زیر صدارت مولانا سید حشمت علی صاحب قبلہ مجتہد خیر اسد پوری ۲۴ لغایت ۲۶ مارچ ۱۹۳۲ء بریڈ لا ہال لاہور میں منعقد ہوا، کانفرنس کے سکریٹری سید سعجر حسن صاحب ایڈوکیٹ تھے، اور استقبالیہ کمیٹی کے صدر مولانا سید ابن حسن صاحب رضوی جارچوی تھے۔ اسوقت شیعہ یتیم خانے کے سکریٹری نواب مرتضی حسین خانصاحب تھے پنجاب کے علاوہ ممالک متحدہ سندھ اور صوبہ سرحد، ممالک متوسط، بمبئی، بلوچستان اور ریاستہائے ہندسے نمائندوں نے شرکت کی تھی۔ ہزہائینس نواب صاحب رامپور اس جلسے کے صدر قرار پائے تھے مگر بوجہ علالت تشریف نہ لا سکے، اسلئے جناب مولانا موصوف الصدر نے صدارت فرمائی، شیعہ والنٹیر کور لاہور کے نوجوانوں نے مہمانوں کی راحت رسانی میں کافی مدد دی۔

خاص خاص شرکا، میں خان بہادر سید ذاکر علی صاحب پنشنر ڈپٹی کمشنر، راجہ مسعود الحسن صاحب رئیس صغرآباد۔ جناب طیب علی عبدالرسول صاحب بمبئی، خواجہ اختر علی صاحب انجینیر سہارن پور۔ سید مبارک علی شاہ صاحب ریاست بہاول پور۔ سید محمد کبیر صاحب پٹیالہ۔ شکور علی صاحب شملہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ بیرونجات کے حضرات کی تعداد پانچسو سے کم نہ تھی، اس سال وفات کے

تعزیتی رزولیوشن میں مہاراجہ سر محمد علی محمد خاں صاحب مرحوم والی ریاست محمود آباد مولوی شیخ مہدی حسین صاحب ناصری۔ مولانا شیخ اعجاز حسین صاحب مبلغ مدرستہ الواعظین۔ حاجی مرتضیٰ حسین صاحب امروہوی۔ سید منظور حسین صاحب وکیل بلندشہر ممبر مرکزی کمیٹی۔ سید حیدر حسین صاحب سابق اڈیٹر شیعہ ومسلم ریویو۔ ڈاکٹر مرزا محمد ہادی صاحب رسوا۔ مولانا حافظ فیاض حسین صاحب ممبر وقف منصبیہ میرٹھ کی وفات پر اظہار افسوس کیا گیا۔

رزولیوشنوں میں شیعہ بورڈنگ ہاوس اور شیعہ صنعتی اسکول لاہور میں قائم کرنا طے پایا۔ مسئلہ انتخاب شیعہ کانفرنس اور شیعہ کالج کے اختلافات دور کرنے کیلئے مصالحتی بورڈ کا تقرر۔ شیعوں کو دیسی تجارت کے فروغ دینے کے رزولیوشن جو پاس کئے گئے قابل ذکر ہیں۔

لخت جگر

برائے اجلاس سالانہ بست وچہارم آل انڈیا شیعہ کانفرنس بمقام لاہور

خطۂ لاہور اے دولتسرائے اہل دل	ہے قدیم العہد سے تو اک دیار مستقل
تیری آبادی ہے صنافِ امم پر مشتمل	تیری نزہت وجہ تزئین بساطِ آب و گل

حسن رخ تیرا مکمل ماہ کامل کی طرح
بائیں پہلو میں رواں راوی رگ دل کیطرح

زندہ دل پنجاب کا تو صدر اے لاہور ہے　　حسن تہذیب و ادب کی شان ہی کچھ اور ہے
ساغرِ صہبائے عشرت کا جو دورا دور ہے　　تیرا ہر ساکن تنومندی میں اِک لندھور ہے

تھے ترقی خواہ تیرے صاحبانِ تخت و تاج
قاہرہ سے ملتی جُلتی تیری افتادِ مزاج

سرزمیں تیری رہی ہے مدتوں بے اشتباہ　　غزنوی غوری سلاطینِ زمن کی تختگاہ
یہ لباسِ مغلیہ شلوار و دستار و کلاہ　　رہتی تھی آراستہ جس سے قزلباشی سپاہ

آگیا باشندگانِ شہر کو ایسا پسند
ہیں اسی وضعِ شریفانہ پہ اب تک کاربند

لو نے تجھکو بسایا تھا یہ ہے قولِ ہنود　　تھا عدم عہدِ سکندر میں مگر تیرا وجود
عیسوی صدیوں میں ہو شاید بنائے ہست و بود　　کیونکہ چھ سو تین میں ملتے ہیں ذکارِ حدود

خیر جو کچھ بھی سہی تو اک پرانا شہر ہے
ہمّت و مردانگی میں انتخابِ دہر ہے

اسطرف آیا نہ تھا اسلام کا جبتک نشاں　　راجدھانی تھی بہادر راجپوتوں کی یہاں
خانداں اجمیر کے چوہان کا تھا حکمراں　　تھے یہ سب پشت و پناہِ کشورِ ہندوستاں

غالباً پنجاب بھر میں راجپوتی دور تھا
شہر بیرونی عساکر قلعہ تو لاہور تھا

تین صدیوں تک برابر تو نے پیدا کر دیا　　ہند کی جانب جہاں لشکر بڑھا اسلام کا
فتح لیکن جب تجھے سلطان غزنی نے کیا　　عیسوی دسویں صدی تھی حکمراں جیپال تھا

مر گیا جلکر اسی غیرت میں وہ عزت پناہ
ہو گئی قائم یہاں اسلامیوں کی تخت گاہ

انقلاب انگیز ہے جبتک زمیں پر آسماں
بے نشاں ہوتی رہینگی یونہیں لاکھوں بستیاں

غزنویوں کے نہیں شاہان غوری کے نشاں
کیا ہوئے سب جو بنائے تھے فلک رفعت مکاں

ہو گیا آخر چراغ سلطنت انکا بھی گل
کچھ دنوں تک پھر رہا دور سلاطین مغل

تھا سلاطین مغل کو ذوق تعمیرات کا
ہر عمارت جن کی عالیشان ہر اور خوشنما

عہد میں انکے یہاں عالم ہی تھا اک دوسرا
ابتک آثار قدیمہ ہیں نمایاں جابجا

بعد عالمگیر برہم ساز و ساماں ہو گیا
خطۂ آباد صد افسوس ویراں ہو گیا

ایک مدت تک یہاں یہ خانہ ویرانی رہی
لوٹ کی غارتگری کی ایک فراوانی رہی

شاہ گردی کا زمانہ تھا پریشانی رہی
روز حملہ آوروں کی خوب مہمانی رہی

ہر طرف ہر بونگ تھا اک امن کی صورت نہ تھی
شہر پہ فرماں روا تھا آج کوئی کل کوئی

جب ہوا رنجیت سنگھ اس سرزمیں پر حکمراں
کچھ سنبھالا دے کے سنبھلا یہ دیار پنجاب

لیکن اسلامی مقابر کی مرصع کاریاں
ہو گئیں سب نذر امرتسر کے ابتک ہیں حجاب

بعد ازاں پھر شہر میں اک تازہ گلکاری ہوئی
یہ سکھوں سے چھن گیا برٹش عملداری ہوئی

جس زمانے میں سکھوں کی راجدھانی تھی یہاں
ہو گئے مسمار صدہا خوشنما شاہی مکاں

ایک گورستاں بنایا ہے سکھوں نے خود جہاں
دفن ہیں رنجیت سنگھ اور اسکی گیارہ رانیاں

ہندوانی بھی ہے جسکی ساخت اسلامی بھی ہے
پختگی بھی طرزِ نو ایجاد میں خامی بھی ہے

انگریزوں کا تسلط جب ہوا اس شہر پر
چار حصوں پر یہ اب ہے منقسم المختصر

ایک وہ بستی پرانی وضع کے جسمیں ہیں گھر
کوچہ گیسو بھی پر پیچ گلیاں تنگ تر

اس جگہ ہندوستانی ہر طرف آباد ہیں
کاروباری پیشہ ور حسبِ استعداد ہیں

ختم ہوتی ہے جہاں آبادیٔ شہرِ قدیم
ہے کشادہ اس جگہ اک شاہراہِ مستقیم

دونوں جانب جسکی نہریں منبع فیض عمیم
حاشیوں پر سبزہ و گل صورتِ دار النعیم

سربلند اطراف سے یہ اوج گاہِ بے مثال
اک فصیل مرتفع بھی جانب شرق و شمال

دوسرا حصہ سول لین اک مقامِ پر فضا
صاف ستھری جسکی سڑکیں کوٹھیاں سب خوشنما

شب کو برقی روشنی کی جگمگاہٹ جابجا
روح افزا دن کو سائے میں درختوں کی ہوا

ہر طرف شاداب سبزہ ہر طرف گلہائے تر
رہروؤں کے واسطے موجود فردوس نظر

تیسرا حصہ جہاں لاہور کا بازار ہے
ایک تاریخی جگہ بہر اولی الابصار ہے

وہ عمارت خواب گاہِ طالعِ بیدار ہے
جیسے پیوندِ زمیں اک غنچۂ گلنار ہے

مقبرے میں دفن ہے ایسی حسینہ لاڈلی
تھی سمن زارِ صباحت کی جو نورستہ کلی

چوتھا نوآباد حصہ چھاؤنی ہے جسکا نام — عہدِ سابق میں میاں میر اسکو کہتے تھے تمام
جس سڑک کے متصل واقع ہوا ہے یہ مقام — مال روڈ اکثر کہا کرتے ہیں اسکو خاص و عام

شہر کلکتہ سے پشاور گئی ہے یہ سڑک
رات دن موٹر چلا کرتے ہیں جس پر بے دھڑک

اس سڑک کے حاشیے پر ہیں گورنمنٹی مکاں — ہر جگہ پر بہرِ دلچسپی ہے اک دلکش سماں
ہو عجائب گھر کلب گھر ہو کہ گرجا گھر وہاں — رشکِ یوسف جلوہ فرما، کارواں در کارواں

دلکشا رمنہ کسی جا باغِ وحش و طیر ہے
الغرض ہر سو یہاں پر اک مقامِ سیر ہے

دیکھ لیجئے جا کے تفریحگا وہاں کا بھی سماں — زمزمہ توپ و مصنوعی پہاڑی ہے جہاں
مار پیچ اک راستہ جس پر گیا ہے ڈھالواں — سطحِ بالائی پہ خود رو پھول بوٹی جھاڑیاں

صنعتی چشمے رواں جھرنوں سی نقلی آبشار
فصلِ گرما کے لئے دلکش مقامِ پر بہار

مرکزِ تعلیم اے لاہور تو ہے بیگماں — کالج اسکول اور یونیورسٹی سب کچھ یہاں
صنعت و حرفت کیجانب انہماکِ بیکراں — کارخانے ہر طرف جاری ملیں ہر سو رواں

تیرے اسٹیشن پہ ہر دم اک ہجومِ مرد و زن
تو شمالی اور جنوبی ریلوے کا جنکشن

دیکھکر دل خوش ہو وہ اسلامیہ[۲۰۵] اک درسگاہ — دنیوی دینی ترقی کی مکمل شاہراہ
کارکن سب اسمیں دور اندیش زیرک خیر خواہ — پاتے ہیں اطفالِ ملت پرورش زیرِ نگاہ

---

۲۰۵ انجمن حمایت اسلام لاہور کے تحت میں اک بڑا اسلامیہ کالج ہے۔

ہے یہ کالج بھی علیگڈھ کیطرح مشہورِ عام
کرتے ہیں اطراف سے طلاب آ آ کر قیام

شہر کی پستی بلندی دے رہی ہے یہ خبر — گردشیں کرتی رہیں اکثر اسے زیر و زبر
گوشہ گوشہ چپّہ چپّہ جس طرف ڈالیں نظر — انقلاباتِ گذشتہ کا نمایاں ہے اثر

وہ شبستانِ جہانگیری گیا آخر کہاں
ہو گیا کیا نولکھا وہ شہ جہانی سائباں

دید کے قابل ہیں جاکر دیکھ لے اے حق شناس — مسجدِ جامع سنہری مسجدِ محکم اساس
سیر کر قلعے کے اندر بھی اگر ملجائے پاس — موتی مسجد کی مگر حالت پہ ہوگا دل اُداس

اور تعمیریں علاوہ انکے ہیں بیرونِ شہر
سربسر آئینۂ نیرنگیٔ اوضاعِ دہر

جائیے اُس پار راوی کے اگر سوئے شمال — ختم ہونگے جب چھ میل اسوقت ہوگا اُلٹا حال
اِک عمارت سرخ پتھر کی ملے گی بے مثال — جو زبانِ بے زبانی سے کرے گی عرضِ حال

شاہ نور الدین جہانگیر اُسکا شاہی مقبرہ
میں ہوں میرا نام مشہورِ جہاں ہے شہدرہ

مرتفع گنبد کہ جس پر گنبدِ گردوں نثار — رفعت دہرے جہانگیری تزک خود آشکار
صورتِ فردِ عمل فرسودہ لیکن ہر جدار — بے تامّل قصّہ خوانِ گردشِ لیل و نہار

کہتی ہے عبرت یہ سنگِ سرخ کی تعمیر ہے
خونِ[۲۰۶] ناحق یا کسی بے کس کا دامنگیر ہے

---

۲۰۶ شہید ثالث کے واقعے کی طرف اشارہ ہے، ملاحظہ ہو مقدمہ۔

شہر سے مشرق کی جانب جائے گا جب چھ میل
پائے گا وہ عمارت جو ہے بے مثل و عدیل
رشکِ جنت سیرگاہِ بادشاہانِ جلیل
موجزن ہر سمت جس میں شعبہائے سلسبیل

شہ جہانی باغ جس کا نام شالامار ہے
منظرِ جنات عدن تحتہا الانہار ہے

یہ نشاط انگیز تعمیرِ نفیس و دل پسند
منقسم ہے چند طبقوں پر جو ہیں پست و بلند
ہر نشیبی سطحِ بالائی سے نزہت میں دوچند
شاخِ گلبن سے نمایاں گل رخوں کا نوشخند

ہیں زمیں پر تہ بہ تہ گویا کہ آٹھوں جنتیں
آسماں سے آتی ہیں حوریں بڑھانے منتیں

رنگ رلیوں کے لئے مخصوص ہے یہ گلستاں
میلے تہواروں میں اکثر ہوتے رہتے ہیں یہاں
جھولتے رہتے ہیں جھولا مہوشانِ دلستاں
پہنے دھانی جوڑیاں باندھے گلابی ساریاں

وہ لب جو شب کو ہولی میں چراغاں کی بہار
پتا پتا نور افشاں صورتِ برگِ چنار

شاہنش لاہور تو ہے اک مقامِ حسن خیز
سیم اندا موں سے انوارِ صباحت جلوہ ریز
حسنِ شیریں کیوں ملاحت سے ہے سرگرمِ ستیز
مصر کو حق نمک سے تیرے کرنا ممکن گریز

بن کے لاہوری نمک سارے جہاں میں بٹ گئی
اسلئے تیرے صبیحوں کی ملاحت گھٹ گئی

ہو چکی تفریح لو اب درسِ عبرت بھی ذرا
آؤ ہم تم کو دکھائیں اک شکستہ مقبرا
ہے جہاں عزلت گزیں وہ ساکنِ عشرت سرا
نقشِ طغرائے جہانگیری تھا جس کا مشورا

کل تھی جو نور جہاں اک بانوئے روشن دماغ
آج اسکی قبر ویرانے میں ہے اور بے چراغ

اک عمارت اور ہے سرمایۂ حزن و ملال — گردشِ افلاک نے جس کو کیا ہے پائمال
دیکھ لو جا کر جو ہو صدقِ سخن میں احتمال — ہے یہ مطلع مرقدِ زیب النساء کے حسبِ حال

"بر مزارِ ما غریباں نے چراغے نے گلے"
"نے پرِ پروانہ آید نے صدائے بلبلے"

ہے اسی لاہور میں اک رشکِ سحباں کا مزار — جس کے غم میں آجتک اردو ادب ہے سوگوار
شیوۂ جدت طرازی میں وحیدِ روزگار — موجدِ آبِ حیات اس کا قلم وہ جوئبار

غلغلہ چاروں طرف ابتک تہِ افلاک ہے
زندۂ جاوید آزاد[۲۰۷] اف اسیرِ خاک ہے

ہے یہاں کے بعد ہمکو فاتحہ پڑھنا وہاں — معتکف نواب سر فتح علی خاں ہیں جہاں
وہ فدائے ملک و ملت وہ معینِ بیکساں — خاص کر شیعوں کی مردہ قوم میں روحِ رواں

دل، جہاں نام اسکا آیا آہ بھر کر رہ گیا
شیعہ کالج اسکے مرنے سے ٹھٹھر کر رہ گیا

موت نے افسوس ہے مرحوم کو مہلت نہ دی — بن گیا ہوتا یہ کالج ورنہ یونیورسٹی
قوم پرور قائدِ ملت یہی اک ذات تھی — قدر شیعوں نے نہ کی جب سلب نعمت ہوگئی

اور ہی سامان ہوتے ہر طرف لاہور میں
ہوتی مدعو مجلس شورائے جو اسکے دور میں

---

۲۰۷ مولانا محمد حسین صاحب آزاد مصنف آبِ حیات وغیرہ بہترین ادیب و نثار اردو۔

ہے جواں بختی کا منظر سال یہ چوبیواں   میزبان و میہمانِ صدر سب کے سب جواں
اصغریہ[۲۰۸] انجمن کی سعی و کوشش ہے یہاں   حج اکبر کا نظر آتا ہے گویا اک سماں

اہل دنیا اور دیندا روں کا مجمع دیکھئے
کعبۂ دل کے پرستاروں کا مجمع دیکھئے

آفتاب عالم آرا داخل برجِ حمل   ایسٹر نوروز[۲۰۹] دو عیدیں بہم دست و بغل
اب بھی اے ساقی عطا ہے جام میں لیت و لعل   ہے یہی ہنگام دور ادو د عیشِ بے خلل

بادۂ گلگوں سے کر لبریز جام و ساتگیں
پڑتی ہے لختِ جگر کی یہ گرہ چو بیسویں[۲۴]

میہماں پنجاب میں کچھ پیروانِ پنجتن   میزبانِ حوصلہ مند اصغریہ انجمن
جسکے ممبر سب جوشیلے نونہالانِ وطن   حشر تک یارب رہے سر سبزیہ رنگیں چمن

کو ثر آشاموں کا لاہور آج عشرت خانہ ہے
لبِ راوی کے حدیث شیشۂ و پیمانہ ہے

کون لاہور انتخاب کشورِ ہندوستاں   تربیت گاہِ سر اقبال[۲۱۰] افتخار شاعراں
حضرت فلسفی عصر ادیب نکتہ داں   ہر ترانہ جس کا ایک بانگ درا[۲۱۱] کارواں

---

۲۰۸ انجمن اصغریہ دہلی نے اجلاس شیعہ کانفرنس کو کامیاب بنانے میں نمایاں حصہ لیا۔

۲۰۹ اس سال یہ دونوں تہوار ساتھ ساتھ واقع ہوئے۔

۲۱۰ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب۔

۲۱۱ بانگ درا ڈاکٹر اقبال صاحب کی ایک تصنیف ہے۔

آسماں پیوند شعروں کے مضامین بلند
شوکتِ الفاظ سے شانِ تخیل چارچند

زندہ دل پنجاب کے دم سے ہے اُردو کا وجود — خود مسلماں سے بڑھ کر اسکے حامی ہیں ہنود
ٹھونس کر ہندی نہیں کرتے زباں کو غت بود — بیشتر اہلِ مطابع صاحبِ نام و نمود

کثرتِ اخبار و رسائل کی جو ہے پنجاب میں
اور صوبوں نے نہ دیکھی ہوگی اب تک خواب میں

فارسی تعلیم کا مرکز ہے یہ شہرِ قدیم — اسکے باشندوں میں ہونا چاہیئے ذوقِ سلیم
وہ بلاد اس بات میں ہوں کس طرح اسکے سہیم — ہے جہاں تیغِ تعصب سے زباں کا دل دونیم

لکھنؤ یا آگرہ دہلی کہیں اس دور میں
خوشنویس ایسے نہیں جیسے کہ ہیں لاہور میں

پائے جاتے ہیں یہاں پبلک میں آثارِ حیات — مرد و زن کو جانبِ علم و ہنر ہے التفات
ہر جماعت میں منظّم باقیاتُ الصّالحات — ان محاسن سے معرّا ہے فقط شیعوں کی ذات

گو کہ تعلیم و تعلّم کی کمی ان میں نہیں
لیکن افسوس اتفاقِ باہمی انمیں نہیں

ہوگئے سمجھاتے ہیں جو بیس سال — پہلے دن جو تھا وہی ہے آجتک شیعوں کا حال
اسلئے اب کچھ دنوں سے جمگیا ہے یہ خیال — قبلِ رجعت اس جماعت کی ترقی ہے محال

اپنی حالت پر خود اسکو چھوڑ دینا چاہیئے
اور ہر ملّی ادارہ توڑ دینا چاہیئے

قومیت ہی کیا جو وقتی جوش تک محدود ہو
قوت ضبط عمل افراد میں مفقود ہو
انعقاد بزم شورائے ہو مگر بے سود ہو
ہاں فقط ہنگامہ آرائی اگر مقصود ہو
ہر جگہ سالانہ میلا اک یونہیں ہوتا ہے
تین دن انسان جاگے سال بھر سوتا ہے

شیعوں پر کیا منحصر بغض و نفاق اب عام ہے
اس مرض میں مبتلا ہر فرقۂ اسلام ہے
باہمی نا اتفاقی موت کا پیغام ہے
ایک دن سب مٹ کے رہ جائیں یہی انجام ہے
رنجشیں جس قوم میں یوں رونما ہو جائینگی
قوتیں ٹکرا کے آپس میں فنا ہو جائیں گی

دولت و اقبال نے منہ تم سے پھیرا ہے ابھی
ظلمت و نکبت نے اگر تمکو گھیرا ہے ابھی
بند ہیں آنکھیں سمجھتے ہو اندھیرا ہے ابھی
اٹھ کھڑے ہو یا علیؑ کہکر سویرا ہے ابھی
جو بزرگوں میں تھا کیا تم میں وہ دل گردہ نہیں
کر دو یہ ثابت کہ زندہ ہو ابھی مردہ نہیں

ورنہ اس دنیا میں رہنے کے نہیں حقدار تم
درحقیقت سینۂ ہستی پہ ہو اک بار تم
جلد تر بدلو خدارا اپنی یہ رفتار تم
دہر میں کبتک پھروگے یوں ذلیل و خوار تم
ہیں خلاف بزم شورائے جنکی باتیں بے سری
اپنی ہی شہ رگ پہ گویا پھیرتے ہو خود چھری

کیوں نہ ہو طرز عمل پر انکے دنیا خندہ زن
ہے جدا گانہ زمانے بھر سے شیعوں کا چلن
مائل تعمیر غیر اقوام میں ہر مرد و زن
درپئے تخریب ملت پیروان پنجتن

واہ کیا کہنا ہے آئین مروت ہے یہی
مومنیت ہے یہی، شان اخوت ہے یہی

قوم جب لیتی نہیں دل پر نصیحت کا اثر — ہمکو ایسی کیا پڑی ہے دل لیں کیوں دردِ سر
عالم پیری میں کب تک زحمت سیر و سفر — ختم پر ہم بھی صفیؔ لخت جگر بھی ختم پر

"السلام اے بعد ما آیندگانِ رفتنی"
"برشما خوش باد نعمتہائے دنیائے دنی"

سنہ ۱۹۳۳ء

اجلاس بست و پنجم شیعہ کانفرنس بمقام دہلی

یہ جلسہ ۱۴ر لغایت ۱۶ر اپریل سنہ ۱۹۳۳ء روشن ہال واقع اجمیری دروازہ دہلی زیر صدارت پرنس افسر الملوک مرزا محمد اکرم حسین صاحب بہادر سابق ایم ایل سی ہوم ممبر گورنمنٹ بنگال منعقد ہوا۔ پرنس افسر الملوک آخری تاجدار اودھ واجد علی شاہ بہادر جنت آرامگاہ کے فرزند ہیں جو مٹیا برج شہر کلکتہ میں قیام فرما ہیں۔ یہ شیعہ کانفرنس کی تاریخ میں پہلا موقع ہے کہ تاجدار اودھ کی نسل کی ایک مقتدر ہستی نے اسکے اجلاس کی صدارت سے عزت افزائی فرمائی۔ شیعہ کانفرنس کے سکرٹیری سید مجتبیٰ حسن صاحب ایڈوکیٹ ہیں اس سال دہلی کی دو انجمنوں یعنی انجمن شیعۃ الصفا۔ انجمن حسینی میں تفیض اور اختلاف رائے ہونے کی وجہ سے ابتداءً کانفرنس کو مدعو کرنے والی جماعت کو کچھ زحمتیں پیش آئیں مگر بالآخر سب مشکلیں حل ہو گئیں استقبالیہ کمیٹی کے صدر جناب میر محمد حسین صاحب دہلوی ممبر اگزیکیٹو کونسل دہلی یونیورسٹی تھے اس جلسے میں پنجاب کراچی بہار و بنگال بمبئی ممالک متحدہ وغیرہ ہر جگہ کے نمائندے موجود تھے اور مجمع کافی تھا اور امید سے بہت زیادہ یہ اجلاس کامیاب ہوا۔ جدید تعلیم یافتہ اور علما سب شریک ہوئے البتہ ابتک وہ بزرگ ترین علما و مجتہدین جو کسی سال سے شریک جلسہ نہیں ہوتے وہ نہیں شریک ہوے اگرچہ اُنکی ہمدردی اور دعائے خیر

کانفرنس کے ہر کام میں شریک حال رہی دوران سال کے مقتدر شیعوں میں
جن بزرگوں کی وفات کے تعزیتی رزولیوشن پیش ہوئے وہ یہ ہیں:۔ سر علی امام
کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ بیرسٹر پٹنہ۔ نواب مرزا مرتضی حسین خانصاحب اسپیشل مجسٹریٹ
و آنریری سکریٹری آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ۔ سیدی فضل بھائی قطب الدین
نواب سید محمد صاحب قبلہ متولی وقف گلزار باغ پٹنہ۔ دعبل ہند سید
فرزند حسن صاحب ذاخر خان بہادر نواب عاشق حسین صاحب سابق ممبر لیجسلیٹو کاونسل
یہ وہ زمانہ ہو کہ مختلف صوبوں اور مقامات پر کاؤنسل۔ میونسپل بورڈ اور
دسٹرکٹ بورڈ وغیرہ کی ممبری کے انتخاب کے موقع پر شیعوں کو اقلیت کیوجہ سے
ناکامیابی ہوئی اور اکثر مقامات پر مذہبی اور فرقہ وارانہ جذبات کو بھڑکا کر
انتخاب کے وقت شیعوں کے حقوق پامال ہوئے اس لئے اس سرے سے اس
سرے تک ایک عام ہیجان پیدا ہوگیا اور عام طور پر شیعوں کو یہ خیال پیدا
ہوگیا کہ مسلمان اور ہندوؤں کے مشترکہ ووٹ سے انتخاب ہوا کرے۔ تو شاید
شیعہ ممبر ہوسکیں۔ انتخاب مشترکہ کی صدا شیعوں نے اپنے حقوق کی پامالی اور
برادران وطن کے عدل و وفا شکن سلوک کی وجہ سے مجبوراً بلند کی تعلیم یافتہ
طبقہ عام اس سے کہ ہنود ہوں یا مسلم تعصب میں مبتلا ہیں اور اقلیت کیوجہ سے
ملازمت سرکاری اور انتخاب ممبری وغیرہ پر شیعوں کی بہت کچھ حق تلفیاں
ہو رہی ہیں جس کی وجہ سے وہ دلی اور خوشگوار اعتماد اور رواداری جو اس
سرزمین پر اب تک ضرب المثل تھی ایک حرف غلط ہو کر رہ گئی۔ حضرات علماء
اپنی جگہ پر الگ گوشہ نشین ہیں جدید تعلیم یافتہ شیعہ اپنے متوسلین کی

فائدہ رسانی کو مقدم سمجھ رہے ہیں اِسلئے عام شیعہ خسارے میں ہیں۔

شاید تاریخ میں اس سے بدتر کوئی زمانہ مشکل سے مل سکے گا۔ خانگی اور ملکی زندگی سے لیکر بزم احباب تک سیاسی اخلاق کا دور دورہ ہے۔ شیعہ کانفرنس ایک تعلیمی اخلاقی و معاشرتی فوائد کی انجمن ہونے کی وجہ سے سیاسی اور پولٹیکل انجمنوں کے مقابلے میں اگر نقش دیوار کی طرح نظر آ رہی تو زمانے کی حالت کا یہی مقتضا ہے کوئی شکایت نہیں۔ اسوقت ایک ایک کر کے تمام ذی اثر اور مقتدر شیعہ مختلف صوبوں کے خاک کا پیوند ہو گئے۔ اور شیعہ ایک مرجھائے ہوئے پھول کی طرح جہاں پڑے ہیں پڑے ہیں۔ کوئی لیڈر نہیں کوئی تنظیم نہیں ہزاروں انجمن اور انمیں اختلاف کیا مذہبی کیا اخلاقی کیا معاشرتی سب امور پابند سلاسل رسوم ہیں۔ آج جب لخت جگر کی نظم شیعہ کانفرنس کی پچیس سالہ عمر پہونچ جانے کے موقع پر جب منزل تک پہونچ گئی ہے وہیں سے اسکا سلسلہ ختم کر دینے پر اسکے مصنف کچھ تو اپنی پیرانہ سالی کچھ قوم کی بے حسی کیوجہ سے مجبور ہوئے ہیں قومی ادارات مضمحل اور بیمار کی طرح زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں۔

اسوقت شیعہ کانفرنس کے قائم کردہ ادارات میں خود شیعہ کانفرنس شیعہ یتیم خانہ۔ صیغہ مبران عمومی۔ شیعہ کالج۔ اخبار سرفراز۔ سرفراز قومی پریس صیغہ اوقاف۔ انجمن تحفظ مآثر متبرکہ ہیں۔ ان کے علاوہ شیعوں کے بڑے اداروں میں مدرسۃ الواعظین اور اسکے مختلف شعبہ جات ہیں۔ عربی مدارس لکھنؤ میں سلطان المدارس۔ مدرسۂ ناظمیہ۔ شیعہ عربی کالج ہیں۔

اسی طرح پٹنے میں عربی کی تعلیم کی سب سے بڑی درسگاہ مدرسہ سلیمانیہ ہے۔ شیعوں کی بکثرت ماتمی انجمنیں ہیں۔ صوبہ بہار۔ صوبہ سرحد اور پنجاب صوبہ کانفرس باتحتی شیعہ کانفرس ہیں۔ جونپور اور امروہہ جو شیعوں کی بہت بڑی بستی ہے یہاں شیعہ اسکول قائم ہیں۔ آگرے میں شہید ثالث علیہ الرحمہ کے مزار کی حفاظت و ترقی مجالس وغیرہ کیلئے ایک انجمن قائم ہے اور حال میں ایک انجمن اسی مزار کے نام سے منسوب ہو کر صنعتی درسگاہ کیلئے قائم ہوئی ہے لکھنؤ میں شیعہ مشن۔ دار التبلیغ۔ امامیہ مشن۔ اور اٹاوہ میں حسینی مشن وغیرہ کئی قسم کے تبلیغی شعبے کم و بیش کچھ کام کر رہے ہیں۔

اس وقت شیعوں میں کوئی لیڈر نہیں ان میں تنظیم اور اتحاد کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ علماء و مجتہدین اور جدید تعلیم یافتہ قومی کاموں میں ملکر متحدہ و متفقہ کوشش سے کام کریں تو بہت کچھ ترقی کی امید ہے۔ جا بجا تعزیہ داری امام مظلوم کی مخالفتیں کی جا رہی ہیں اور ملک کی فضائے قومی خراب ہو رہی ہے۔

لخت جگر

متعلق بہ اجلاس بست و پنجم آل انڈیا شیعہ کانفرنس منعقدہ بمقام دہلی دارالسلطنت ہند
بتاریخ ۱۴ لغایت ۱۶ ماہ اپریل ۱۹۳۳ء تعطیل ایسٹر

دہلی اے دہلیز شاہان جلالت دستگاہ — اے زمین مرتفع اے آسمان عز و جاہ
ابتدا سے تو ہوئی کے بار آباد و تباہ — کشور ہندوستاں کی آجتک ہے تخت گاہ
دفتر عبرت ہے ایک اک ذرہ تیری خاک کا
شاہد عینی جفائے گردش افلاک کا

سنتے ہیں بدلا ہے تونے اپنا چولا سات بار — بیش و کم شکل ہلال و بدر حسن مستعار
ہر زمانے کے تری تحویل میں نقش و نگار — تیرے آثار الصنادید انتخاب روزگار
ہمسر کعبہ تجھے سمجھیں اسی قابل ہے تو
نام ہے دلی ترا ہندوستاں کا دل ہے تو

ہستنا پور اولاً تھا نام اور اندر پرست — پانڈووں کی تھی عملداری انہیں کا بند و بست
کوروں کو دی تھا بھارت میں ان سب نے شکست — بھیم و ارجن کے مقابل حوصلے انکے تھے پست
عہد نا معلوم کے لیکن ہیں یہ سب واقعات
درج ہیں تاریخ میں جو سنیئے وہ اب واقعات

تین صدیاں قبل میلاد مسیح خوش سیر — تابع قنوج تھا یہ خطۂ نزہت اثر
دہلو اک راجہ وہاں گزرا ہے با صد کر و فر — نام رکھا اسنے اس بستی کا اپنے نام پر
تھا جو اندر پت وہ دہلو ہو گیا مشہور عام
بنگیا دہلو سے پھر دہلی تغیر پاکے نام

لال قلعہ جب بنا ہے وہ صدی تھی ساتویں — انگپال اس وقت راجہ تھا یہاں مسند نشیں
راجدھانی تھی قطب مینار ہے جس جا وہیں — چار صدیاں اسطرح جبوقت گزریں بالیقیں

فاتحانہ اس طرف اجمیر کے چوہان آئے
دل میں دہلی کی حکومت کا لیے ارمان آئے

گیارہ سو اکانوے میں راجہ پرتھی پال تھا — جسکو قتل آکر شہاب الدین غوری نے کیا
قبضہ قطب الدین کو دے کر وطن خود پھر گیا — جب سے یہ خطہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں رہا

قطب نے اک لاٹ قائم کی یہاں اتنی بلند
کر رہی ہے جو زمیں سے آسماں پر ریشخند

قطب مسجد بھی اُسی نے اک یہاں تعمیر کی — ہر طرح گویا بقائے نام کی تدبیر کی
سرفروشوں کو عطا منصب کیا جاگیر کی — انتظام ملک میں کوشش بہر تقدیر کی

صحن مسجد میں ستوں ہے چندر گپتی عہد کا
کتبے سے چلتا ہے خود جسکی قدامت کا پتا

خاندانِ قطب کہلایا غلاماں خانداں — سو برس تک یہ رہا ہندوستاں پر حکمراں،
اکثر اب تک یادگاریں اُسکی ملتی ہیں یہاں — زندہ جنسے غلاماں نسل کا نام و نشاں

خاتمہ اُنکا جلال الدین خلجی نے کیا
دو برس کم بارہ سو نوے (۱۲۸۸ء) کا ہے یہ واقعا

تیرہ سو اکیس تک خلجی رہے قابض یہاں — حکمراں آکر ہوا پھر تُغلقوں کا خانداں
تغلق آباد اک بسایا جس کا اب تک ہے نشاں — تیرہ سو اٹھانوے میں آگئی جس پر خزاں

شہر میں تاتاریوں کی فوج کا تھا ازدحام
شہریوں کو لوٹ کر جس نے کیا اک قتلِ عام[٢١٢]

چودہ سو چودہ میں آیا سیدوں کا خانداں نائبِ تیمور تھے مشہور سید خضر خاں
نصف پندرھویں صدی تک تھی سیادت حکمراں لودیوں نے پائی دہلی کی حکومت بعد ازاں

جو چھہتر سال تک اس جا رہے فرماں روا
خاندانِ مغلیہ اُنکی جگہ پھر آگیا

عہد میں بابر کے دار السلطنت تھا آگرہ پندرہ سو تیس تھے اس وقت بابر جب مرا
دل ہمایوں کا نہ ہوتا تھا وہاں رہ کر ہرا آگرے سے منتقل دہلی میں کی دولت سرا

شیر شہ سوری ہوا دس سال بعد آکر دخیل
گرد دہلی کے بنا دی جس نے اک محکم فصیل

گزرے تیرہ سال جب قابض ہمایوں پھر ہوا زندہ رہ کر سال بھر کوٹھے سے گر کر مر گیا
تخت پر بیٹھا جلال الدین اکبر بادشا پھر جہانگیر اُسکے مرنے پر ہوا فرمانروا

اکبر اعظم، جہانگیر انکا جبتک دور تھا
آگرہ تھا پایۂ تخت اُس وقت یا لاہور تھا

سولہ سو اڑتیس اٹھا دن کے لیکن درمیاں شہجہاں کے ہاتھ میں جب تھی حکومت کی عناں
پھر ہوئی تعمیر دہلی پھر بڑھی رونق یہاں پھر یہ ٹھہری پایۂ تخت کشورِ ہندوستاں

شہجہاں آباد کی ڈالی گئی اس میں بنا
مسجد جامع بنی اور قلعہ سنگِ سرخ کا

---

٢١٢ عہد تیمور میں قتلِ عام۔

بہتی ہے پورب میں جمنا جسکے وہ شاہی محل — حسن و استحکام میں ساری عمارت بے بدل
خاندانِ مغلیہ کا اٹھ گیا جب سے عمل — انگریزی بارکیں بھی کچھ بنی ہیں مبتذل

قلعہ ہے یہ درحقیقت ایک قصرِ بے عدیل
شہجہان آباد تک رقبہ ساڑھے پانچ میل

آبِ سنگِ سرخ کا جسکو سمجھتے ہیں حصار — ہے مثمن شکل کا ترشا ہوا یہ کوہسار
جسکے اک جانب ہے دریا تین جانب جو بنا — ہیں جنوب و غرب میں دو در نہایت شاندار

دہلی و لاہور سے دروازے ہیں منسوب جو
راستے ان سے گئے ہیں دہلی و لاہور کو

در جو لاہوری ہے اسپر ایک چھتا ہے پٹا — یہ طویل و مرتفع ہے اور بجید خوشنما
نام بازار مسقّف ہے اسی بازار کا — برج قلعے پر ہیں کل اکیس گن لیجے ذرا

چودہ ان سب میں مثمن اور مدوّر سات ہیں
بارہ برجِ آسمانی جسکے آگے مات ہیں

دیکھیے نقار خانے کی عمارت بھی تمام — راستہ جس سے گیا ہے جانبِ دربارِ عام
پہلے اس نقار خانے کا تھا ہتیا پول نام — پچدرے دالان پر جسکے منبّت کاری کام

صحن میں اک حوض بھی ہے اور جاری نہر بھی
قلعے کا قلعہ ہے پھر اک مختصر سا شہر بھی

تین درجے کا مکانِ خوشنما دیوانِ عام — وسط میں اک تختِ سنگیں کا بلندی پر مقام
خوبصورت مختصر بنگلہ نشیمن جسکا نام — اسکے پیچھے اک مصوّر طاق حدِّ اختتام

پچیکاری سے مصوّر نے بھرا ہے جسمیں رنگ
عقلِ انساں یہ مرقع دیکھکر ہوتی ہے دنگ

سامنے اس تخت کے دالان ہے دربار کا　　نو دروں پر جس کے محرابیں نہایت خوشنما
کام نقاشی کا ان سب پر سنہرا جابجا　　ہر ستوں اک ڈال سنگِ سرخ کا ترشا ہوا
سنگ مرمر کے کٹہروں پر سنہری کلسیاں
روپ دیتی ہونگی کیسا اک زمانے میں یہاں

مشرقی انداز کی قلعے میں تعمیریں تمام　　اک طرف دیوانِ خاص اور اک طرف دیوانِ عام
اہل دل کو دیں نہ کیوں ابتک زیارت کا پیام　　رشکِ فردوسِ بریں ہی ہر عمارت لاکلام
ان میں عہدِ مغلیہ کی وہ مرصع کاریاں
ہوش اڑ جاتے ہیں جنکی دیکھکر تیاریاں

خاص دیواں آہ وہ گل ہو گیا جسکا چراغ　　خشک ساون خشک بھادوں خشک ہے حیات باغ
ڈھونڈھے سے بھی نہیں ملتا کہیں نقش فراغ　　دل میں ہنگامِ نظارہ کیوں نہ پڑ جائیں داغ
رنگ محلوں کی عمارت کا نہیں وہ رنگ اب
دور ہے نزہت چمن سی سیکڑوں فرسنگ اب

ہو کا عالم ہے جہاں تسبیح خانہ تھا کبھی　　قصرِ موتی محل کے اوس گویا پڑ گئی
غیر حالت بیٹھکوں کی اور مثمن برج کی　　چھائی ہے کیسی اداسی جسطرف دیکھو صفی
آبشاروں میں نہ فواروں میں ویسا جوش ہے
جسکا طوطی بولتا تھا وہ چمن خاموش ہے

حوض وہ حمام شاہی کے نہ تھا جسکا جواب　　خشک جب آئے نظر آنکھیں ہوئیں غم سے پر آب
موتی مسجد پر بھی کیا اللہ اکبر آب و تاب　　سجدہ ریزی کرتی ہے ابتک شعاعِ آفتاب
تین طبقے کی عمارت خوبصورت شاہ برج
ہے نگاہِ یاس میں اسوقت اک بے ماہ برج

گرد و پیش قلعہ ہیں جو مسجدیں اور مقبرے — دور میں وہ ہونگے پینتالیس مربع میل کے
دیکھئے شہر اور آثارِ قدیمہ دیکھئے — دل اُلٹ جائے نہ اب جلدی نکلئے قلعے سے

مدتوں سے جسکی ہر دیوار و در مجروح ہے
قصرِ تختِ شہی اک پیکرِ بے روح ہے

چاندی سونے کے جو پتر تھے عمارت پر منڈھے — یا مداخل میں جہاں سچّے نگینے نصب تھے
لیگئے اُن قیمتی اشیا کو چُن کر مرہٹے — اور نادر شاہ تختِ شہجہانی لوٹ کے

وہ مکاں بچّا ہوا تھا تختِ طاؤسی جہاں
کچھ نظر آتا نہیں جز داغِ مایوسی وہاں

چاندنی چوک آئیے وہ بھی ہے شاہی یادگار — تھا مثل میں کبھی یہ انتخابِ روزگار
وہ جو اک چوڑی سڑک اس وقت بھی ہے شاندار — خون سے گلرنگ پہلے ہو چکی ہے چار بار[٢١٣]

ہیں اسکے متصل گنجان گلیاں جابجا
دور تک اس کہنہ آبادی کا یونہیں سلسلا

کالی مسجد اک بنی ہے دیکھئے جا کر ذرا — تیرہ سو اسّی میں جب فیروز شاہی دور تھا
دید کے قابل ہے یوں ہر بادشاہی مقبرا — مقبرہ مشہورِ عالم ہے نظام الدین کا

پھر ہمایوں بادشہ کے مقبرے کو دیکھ کر
چوک سے سوئے شمال آ جایئے بس میل بھر

کمپنی باغ اک وہاں ہے گھوم پھر کر دیکھئے — ہے قریب اسکے پہاڑی چڑھ کے اُس پر دیکھئے
سیر جبتک جی نہ بھر جائے برابر دیکھئے — کل سوادِ شہر اسٹیشن کا منظر دیکھئے

---

٢١٣ (١) عہدِ تیمور (٢) نادر شاہ (٣) احمد شاہ ابدالی (٤) مرہٹہ

جمعہ مسجد کا تو کیا ذکر اسکی رفعت دیکھکر
چشمِ حق بیں کو خدا کی شان آتی ہے نظر

آپ جا ئیں شہر سے دس میل اگر سمتِ جنوب
اک منارہ ہے وہاں صناعیاں جسمیں ہیں خوب
لوگ چڑھ جاتے ہیں اوپر بہر تفریح قلوب
نیچے کی چیزیں نظر آتی ہیں مانندِ حبوب

شاہ قطب الدین ایبک کا منارہ ہے یہی
ہے خدا برتر اس انگلی کا اشارہ ہے یہی

ہے اسی کے متصل پھر بھی اک نامی مکاں
ہوتا ہے ہر سال میلا پھول والوں کا جہاں
چل رہی ہو جبکہ ساون میں نسیمِ گلفشاں
ابر ہو چھایا ہوا اور پڑ رہی ہوں بوندیاں

منچلے صدہا اٹھاتے ہیں یہاں لطفِ بہار
حوض میں غوطے لگا کر گا کے جھولوں پر ملار

وہ جو اک نہر چمن ہے اوکلا کے متصل
شہر والونکی طبیعت ہوتی ہے جب مضمحل
بے تکلف اسجگہ جا جا کے بہلاتے ہیں دل
باعثِ تفریح ہو جاتی ہے سیرِ آب و گلِ

تھی اسی جمنا سے نکلی اک سعادت خاں کی نہر
ہو گئی بند اب کبھی جاری تھی وہ مابینِ شہر

سترہ سو سات سے دہلی پر آیا اک زوال
جو قمر تھا رفتہ رفتہ ہو گیا گھٹ کر ہلال
مرگ عالمگیر نے پیدا کیا وہ اختلال
ضعف آیا سلطنت میں مٹ گیا جاہ و جلال

ہندوؤں کے سرغنہ سردار سکھ اور مرہٹے
بے تحاشا آ کے میدانِ بغاوت میں ڈٹے

شاہ عالم اسکا بیٹا تھا جری و نیکنام
دم تک اسکے خیر کچھ باقی رہا حسنِ نظام
لائق و فائق نہ نکلا پھر کوئی قائم مقام
ہاتھ میں ارکانِ دولت کے رہا کُل انتظام

بادشہ جتنے ہوئے شطرنج کے تھے بادشاہ
پھر بساطِ سلطنت کیونکر نہ ہوجاتی تباہ

عہد میں فرخ سیر کے سیّدوں کا زور تھا
بادشاہ آخر انھیں کے ہاتھ سے مارا گیا
تختِ دہلی کا انھوں نے روشن اختر کو دیا
روشن اختر نے لقب پایا "محمد شاہ" کا

یہ بہادر شاہ کا پوتا بڑا نااہل تھا
غافل و ناعاقبت بیں تھا سراپا جہل تھا

دو وزیر اسکے جو تھے بیحد مدبر ہوشیار
اک اودھ کا دوسرا ملکِ دکن کا صوبہ دار
شاہ کا برتاؤ ان دونوں سے تھا ناخوشگوار
اسلئے تنگ آ کے آخر خودسری کی اختیار

بادشاہِ وقت تھا اس درجہ بے مغز و خرف
ہوگئے یہ خیر خواہِ سلطنت بھی منحرف

چلدیئے جب دونوں یہ نامی گرامی صوبہ دار
زور باندھا مرہٹوں نے اور پھر دیوانہ دار
آگئے دہلی کے پھاٹک تک بقصد کارزار
سُن کے نواب اودھ نے یہ خبر بے انتظار

رخ کیا دہلی کی جانب مرہٹوں کو دی شکست
شہ نے روکا ورنہ وہ تو کرچکے تھے انکو پست

بادشہ سے خیرخواہی کا ملا جب یہ صلا
معرکے میں کرسکا پورا نہ اپنا حوصلا
پھر گیا خفت اٹھا کے وہ بہادر منچلا
پا کے موقع مرہٹوں نے لوٹی دہلی بر ملا

مالوے پہونچے لٹیرے لے کے مالِ بے شمار
اور یونہیں ہر جگہ کرنے لگے پھر لوٹ مار

غدر یہ تھا ہی کہ ناگہ فتنۂ نادر اُٹھا فوج لیکر وہ اٹک دریا کے اِس پار آگیا
تا بہ دہلی رہ گیا جب چار دن کا راستا شاہ نے گھبرا کے نوّاب اودھ کو خط لکھا
آگئے نوّاب لشکر لیکے بہر بند و بست
قید لیکن ہو گئے اِس مرتبہ کھا کر شکست
قید میں نواب نے نادر سے یہ طے کر لیا دو کروڑ اسکو اگر مل جائیں واپس جائیگا
شاہ کی نادانیوں کا یہ مگر انجام تھا خود بھی ہمراہِ نظام الملک اِس دب میں پھنسا
بادشاہی فوج کو کرنال پر دیکر شکست
داخل دہلی ہوا نادر بقصد بند و بست
مرگ نادر کی اُڑی جب شہر میں جھوٹی خبر حکم قتل عام اُسنے دیدیا المختصر
خون کے دریا بہے دہلی کے اندر دو پہر دو مہینے شہر لٹتا ہی رہا شام و سحر
ملک بالآخر محمد شاہ کو واپس کیا
مال و دولت لیکے نادر سوے ایراں چلدیا
دہلی جب نادر کے ہاتھوں سے ہوئی یوں پائمال خاندان مغلیہ پر آگیا گویا وبال،
آئے دن بڑھتا گیا شاہانہ شوکت کا زوال تھے نڈر جاٹوں رہیلوں اور سکھوں کا تھا یہ حال
مرہٹوں نے آکے احمد شاہ نے لوٹا کبھی
بادشہ مغلوب تھا اور اُن پہ غالب تھے سبھی
چھڑ گئی جب مرہٹوں میں اور افغانوں میں جنگ سنکے احمد شاہ ابدالی پھر آیا بیدرنگ
اسکے آگے خاک جمتا مرہٹی گھس گھس کا رنگ ہو گیا میدان پانی پت کا ان لوگوں پہ تنگ
بھاگ نکلے سب یہ اسکی فوج سے کھا کر شکست
وہ حوالے کر گیا عالی گہر کے بند و بست

شاہ عالم ثانی اس عالی گھر کا تھا لقب — مرہٹوں کے ہاتھ میں تھا مثل کٹھ پتلی کے اب
کرتے تھے سب بے اعتنائی جان کر وہ بے ادب — یہ تھا اک جزو معطل اور ہی حاکم تھے سب
مرہٹوں کو کمپنی کی فوج نے دی جب شکست
دور بدلا انگریزی ہو گیا کل بندوبست

قلعے کے اندر برائے نام شاہی رہ گئی — مٹ کے شاہان سلف کی کج کلاہی رہ گئی
غدر نے رکھا نہ کچھ خالی تباہی ہو گئی — منہ پر اہل ہند کے یہ روسیاہی رہ گئی
آ گئی اُس پر خزاں جو ہند کا تھا خانہ باغ
بجھ گیا رنگون[۲۱۴] میں افسوس دہلی کا چراغ

بعد مدت دن پھرے ہیں شہر دہلی کے پھر اب — از سر نو پائے تخت ہند پایا ہے لقب
رائے سینا دیکھ لو ہے سبزہ زار منتخب — یہ صفائی سادگی اگلے زمانے میں تھی کب
انگریزی وضع کی اک اک عمارت دلفریب
صاف ستھری خوشنما سڑکیں مناظر دیدہ زیب

رائے سینا سے نکل کر اک ذرا کیجئے نگاہ — پائیے گا اور بھی اک دلکشا تفریح گاہ
نہر جمنا سے نکالی ہے جہاں ماہیں براہ — دیکھ کر بے ساختہ منہ سے نکل جاتی ہے واہ
شاہد نو خاستہ ہے یہ مقام او کلا
گلفروش نغمہ سیراب جیسے کوکلا

دہلی نو کے علاوہ دیکھنے جائیں جو ہم — ایک سو چون ہیں آثار قدیمہ کم سے کم
کچھ مساجد کچھ مقابر اور کچھ بیت الصنم — بیشتر گزرے ہوؤں کے سب ہیں یہ نقش قدم

---

۲۱۴ مراد بہادر شاہ ظفر آخری تاجدار دہلی۔

کروٹیں بدلا کریگا یوں ہی دورِ آسماں
راتدن بنتے بگڑتے ہی رہیں گے یہ نشاں

شہر دہلی اے شہنشاہِ بلاد انڈیا — طرفہ تر ہے تیری تاریخ اور تری جغرافیا
رنگ چہرے کا ترے ہر سال بدلا ہی کیا — ہر زمانے میں نظر آیا ترا نقشہ نیا

مرکزیت کا تری ہر چند وہ عالم نہیں
مولدِ اردو زباں ہو یہ شرف کچھ کم نہیں

شاہجہانی دور کا سکہ ہے اردو کی زباں — کس جگہ رائج نہیں دنیا میں یہ نقدِ رواں
تھی یہی ٹکسال ان سکوں کی واقف ہے جہاں — فیض پہونچا ہے اسی در سے سبھوں کو بیگماں

اولیت جسکو حاصل ہے یہی ہے وہ دیار
خوانِ نعمت کا یہیں کے لکھنؤ ہے زلہ خوار

وہ یہیں کے نخلِ اردو کی فقط اک شاخ تھی — سرزمینِ لکھنؤ پر جا کے جو پھولی پھلی
دل لگا کر لکھنؤ والوں نے اسکی داشت کی — نقشِ اول کو فضیلت ثانویت کی ملی

ذائقے میں اسکی شیرینی کو پایا جب دوچند
آیا پیوندی ثمر خود اہلِ دہلی کو پسند

اٹھ گئے صد حیف وہ سب ہمصفیرانِ چمن — کچھ دنوں سے رنگ لایا ہے نیا چرخِ کہن
جن چمن زاروں میں تھے پہلے عنادل نغمہ زن — آشیاں گیر اب وہاں کثرت سے ہیں زاغ و زغن

ہر غلط گو بن گیا ہے موجدِ طرزِ جدید
کہئے پھر اردو زباں کی کیوں نہو مٹی پلید

لکھنؤ دہلی یہ دو تھے مرکزِ اردو زباں — خرمنوں کا خوشہ چیں جنکے ہی کل ہندوستاں
دونوں تہذیب و تمدن میں تھے مشہورِ زماں — جانور تک آدمی بنتے تھے آ آکر جہاں

آج ان دونوں مقاموں پر ہے اک قحط الرجال
بے ادب اردو ادب[215] کو کر رہے ہیں پائمال

شاعری میں مستند اسوقت ہو جنکی زباں — مثلِ آثارِ قدیمہ کچھ یہاں ہیں کچھ وہاں
بس انھیں تک ہیں قیودِ نظم کی پابندیاں — ورنہ آزادی کا اک سیلاب ہے ہر سو رواں

جسکے ہاتھوں شاعری پامال ہوکر رہ گئی
فنیت بازیچۂ اطفال ہو کر رہ گئی

خبط میں جدت کے قیدیں توڑ کر بڑھتے ہیں کچھ — فارسی الفاظ اپنے طور پر گڑھتے ہیں کچھ
بے تکے شعرو نکی گا گا کر غزل پڑھتے ہیں کچھ — بن کے شاعر کاملینِ فن کے منہ چڑھتے ہیں کچھ

بے تمیزی کا بپا ہر سمت اک طوفان ہے
کچھ دنوں کی اور یہ اردو زباں مہمان ہے

ہے کہاں دہلی تراده غالبِ نازک خیال — طوطیِ شکر شکن وہ خسروِ شیریں مقال
وہ مسیح الملک[216] فنِ طب میں تھا جو بیمثال — اب ویسے قدرداں ہونگے نہ ویسے ذی کمال

خاک میں یہ صورتیں جب سے کہ پنہاں ہوگئیں
سب وہ علمی صحبتیں خوابِ پریشاں ہوگئیں

---

۲۱۵ اردو میں نئی نئی ترکیبوں اور الفاظ کا استعمال ادھر ہونے لگا ہے۔
۲۱۶ حاذق الملک حکیم اجمل خاں مرحوم۔

مدتیں گو ہوگئیں دہلی تجھے اُجڑے ہوئے   کم نہ ہوگی اب بھی آبادی سواد و لاکھ سے
عرض و طولِ ہند میں وردِ زباں ہیں واقعے   تیری صنعت گاہ کے تیری تجارت گاہ کے

سونے چاندی کا بہت اچھا یہاں بنتا ہے کام
نیکنامی دستکاری کی ہے تیرے پاے نام

قابلِ تقلید اے دہلی ترا یہ طور ہے   دستکاری و تجارت کا جو ہر سو دور ہے
اقتصادی مسئلہ ہر سمت زیرِ غور ہے   لکھنؤ کی آجتک حالت مگر کچھ اور ہے

لکھنؤ میں بھی خصوصاً شیعیانِ لکھنؤ
ایسی باتوں کو سمجھتے ہیں خلافِ آبرو

مفت خوری کی ہے عادت کام کر سکتے نہیں   زورِ بازو سے خود اپنا پیٹ بھر سکتے نہیں
طور یہ بگڑے ہوئے انکے سُدھر سکتے نہیں   جاہ نکبت سے کسی صورت اُبھر سکتے نہیں

گلشنِ ملت میں پھولوں سے زیادہ خار ہیں
کام کے دس اور نوّے فیصدی بیکار ہیں

لکھنؤ مرکز جو ہے کُل شیعیانِ ہند کا   کرتے ہیں طرزِ تمدن میں یہیں کی اقتدا
اسلیے اکثر اتھکّی بن گئے ہیں جا بجا   پائیگا آپ انھیں شیعوں میں کثرت سے گدا

ہٹے کٹّے گھومنے پھرنیکی جن میں ہے سکت
مانگتے ہیں بے تکلف بھیک پڑھ کر منقبت

فرقۂ شیعہ کی حالت بے سبب ابتر نہیں   کوئی بھی ان کو بہ گردا فراد کا رہبر نہیں
دل ہے جنکے پاس انکے پاس مال و زر نہیں   مال و زر ہے پاس جنکے وہ کرم گستر نہیں

جب یہ صورت ہو تو پھر تنظیم کیونکر ہو سکے
بے نوا اطفال کی تعلیم کیونکر ہو سکے

ہندوؤں کو دیکھئے کیونکر منظم ہو گئے　　آپ کے کل تھے مُو خراب مقدم ہو گئے
رفتہ رفتہ اختلافات اسطرح کم ہو گئے　　مل کے سب اجزائے ملت جسن محکم ہو گئے

کھولئے آنکھیں ترقی کا اگر کچھ شوق ہے
آپکے مردوں پہ انکی عورتوں کو فوق ہے

باوجود کثرتِ تعداد اُن میں اتفاق　　آپ میں اس قلتِ افراد پر بھی افتراق
جنتی ہونے کا دعویٰ دلمیں لیکن احتراق　　کارفرما ہر جگہ رشک و حسد بغض و نفاق

آدمیت اسطرح کی شیعگی سے ہے نفور
یہ بھی مٹ جائے تو اچھا تاکہ جلدی ہو ظہور

مجلسِ شورائیہ کو ہو گئے پچیس ۲۵ سال　　قلت سرمایہ کا لیکن وہی ابتک ہے حال
جنکو ہمدردی ہے انکو بھی نہیں اتنا خیال　　کام کوئی بھی ہو بے پیسے کے چلنا ہے محال

ممبروں کو ممبری کی فیس دینا جب کھلے
آپ ہی فرمائیں کیونکر کام دفتر کا چلے

آجتک اسکے لئے سرمایۂ محفوظ کا　　انتظام اعیان ملت سے نہ کوئی ہو سکا
ریت پر گویا ہے قائم اس ادارے کی بنا　　ایسی جو تعمیر ہو وہ خاک ہو گی دیرپا

سال بھر فکر اسکی رہتی ہے کوئی مہماں بلائے
تاکہ بک جائیں ٹکٹ جیسے رقم کچھ ہاتھ آئے

جتنے ہیں ماتحت ادارے شیعہ کالج کے سوا　　(یلکے نشہ جو مرکزی قوت سے باغی ہو گیا)
ہر جگہ رونا یو نہیں ہے قلتِ سرمایہ کا　　قوم کو احساس ہو اسکا یہ مشکل ہے ذرا

مرکزی نادار ادارہ وہ جو خود بھوکوں مرے
کیجئے ان ماتحت اداروں کی مدد کیونکر کرے

سرفراز اخبار بھی مانند نبض ناتواں — چل رہا ہے ہفتے میں دو بار کھلتی ہے زباں
وقف کے صیغے میں کیا ہے چند سوکھی ہڈیاں — حالت زار ایستا مے الحفیظ والاماں

جاں بلب افسوس ہر قومی ادارہ آپ کا
تین دن خالی چڑھا رہتا ہے پارہ آپ کا

جوش وقتی آپکا سوڈے کی بوتل کا ابال — پھر وہی افسردگی چھائی ہوئی تا ختم سال
مائل وارستگی قومی چمن کے نونہال ، — جن میں کچھ احساس ملی ہو وہ فرد ہیں خال خال

ایسی حالت میں نظام قومیت ہو کیا درست
لق و دق میدان عمل کا آپ کی رفتار سست

آپکی تنظیم ملی عنکبوتی تار و پود ، — کارگاہ دھر میں مثل عدم جس کا وجود
انفرادی حیثیت سے جو بھی ہو نام و نمود — اجتماعی حیثیت سے آپ ہیں بے ہست و بود

یعنی اقوام معاصر میں ہیں شامل اسطرح
خار و خس کا ڈھیر پھولوں کے چمن میں جسطرح

آپ کے ہمدرد جتنے تھے اب اتنے بھی نہیں — اکثر ان میں سے سدھارے جانب خلد بریں
تنگ آکر ہوگئے کچھ خستہ جاں عزلت گزیں — کچھ شریک اب تک ہیں لیکن بادل ناخواستہ ہیں

جن کے دم سے خیر ہو جاتا ہے میلا تین دن
ہم بھی آکر دیکھ لیتے ہیں جھمیلا تین دن

دیکھ کر دہلی میں یہ سالانہ قومی جمگھٹا — یاد ہم کو آگئے اس وقت محسن میرزا[۲۱۷]
جوشِ ہمدردی کا پُتلا وہ فدائی قوم کا — مرگِ بے ہنگام نے جس کو جُدا ہم سے کیا

قوم پرور مومنِ روشن دل و روشن دماغ
خلد میں مرحوم کا دل آج ہوگا باغ باغ

شمع وہ جسکو زمانے کی ہوا آئی نہ راس — بجھ گئی صد حیف ہے اُسکے یہ محفل ہے اُداس
شیعیانِ پُر خلوص اے مومنانِ حق شناس — آپ کو زحمت تو ہو گی ہے مگر یہ التماس

اپنے محسن کیلیئے لِلّٰہ اتنا کیجیے
بہرِ اہدائے ثواب اک فاتحہ پڑھ دیجیے

ساکنانِ شہرِ دہلی اے گروہِ مومنیں — دل ہمارا گو کہ خوش ہے آج کچھ اندوہگیں
گُل بدامن میہمانوں سے ہے اسدم جو زمیں — اس میں روحِ قومیت پھونکی تھی جسنے وہ نہیں

منہ اگر برسا تو کیا، کالی گھٹا چھائی تو کیا
ہجرِ ساقی میں جو میخوار و بہار آئی تو کیا

ہر خزاں کے بعد دُنیا میں ہے آغازِ بہار — نغمہ زن ہیں بلبلیں یا ہے صدا سازِ بہار
آئی غنچوں کے چٹکنے سے جب آوازِ بہار — ہنس پڑے گُل اور افشا ہوگیا رازِ بہار

بادِ نوروزی چلی اصلاح پر آئے مزاج
جعفری پھولوں کا میلا شہرِ دہلی میں ہے آج

---

۲۱۷ سید محسن مرزا صاحب مرحوم ایم اے ہیڈ ماسٹر بہت قابل اور ایماندار قومی کارکن، رئیس دہلی بانی سادات وظیفہ فنڈ۔

کوثر آشام آئے جمنا پر چلا دورِ شراب　　زیرِ پا آنکھیں بچھانے دیکھنا دوڑے حباب
صیدِ ماہی کیلئے دامِ شعاعِ آفتاب　　ہر طرف پھیلا ہوا ہر موج اک پیچِ کباب

جنبشِ بادِ سحر ہے یا بطرزِ دلنشیں،
چن رہا ہے جامہ چینِ آبِ رواں کی آستیں

بحر کے بر میں ہے کیا ہلکا سا اک آبی لباس　　کب ہے پوشاک سطح کی گنبدِ نیلی کے پاس
سر نکالے نیلوفر پانی سے مصروفِ سپاس　　یہ چرخ ہے نیلوفری لیکن یہ بو اسمیں نہ باس

جھومتا ہے وجد میں سرگرمِ استقبال ہے
سبزۂ ساحل کو دیکھو آج کیا چونچال ہے

جمع ہیں ساغر کشاں حبِ حیدر ساقیا　　شہجہان آباد میں ہو دورِ ساغر ساقیا
رنگ جمنا پر جمادے فیض گستر ساقیا　　تین دن تک ہو مسلسل بارشِ زر ساقیا

قوم کے لختِ جگر کی دھوم سے کر جوبلی
ہے گرہ پچیسویں لازم ہے سلور جوبلی

دعوتِ لختِ جگر ہے سب کا دل مسرور ہے　　کیا ترے نزدیک ساقی اب بھی دلی دور ہے
شہجہاں آباد شاہی شہر جب مشہور ہے　　ویسی ہی دعوت بھی ہو شاہو نکا جو دستور ہے

ناخدا قومی سفینہ آئے کھینے کے لئے
نقدِ دل ہم بھی لئے ہیں نذر دینے کے لئے

صدرِ مجلس ہیں پرنس اکرم حسین ابرِ کرم　　یادگارِ حضرتِ واجد علی شہ جم حشم
شاہِ معزول و دو فرخندہ خو فرخ شیم　　جسکے دم سے خاک مٹیا برج تھی باغِ ارم

حلقۂ عزلت میں جب بے بادشاہی آگئی
شیعیانِ ہند پہ گویا تباہی آگئی

سب سے بڑھکر شیعیان لکھنؤ ہیں تنگدست ۔۔۔ رنگ رلیوں پہ مگر تا ب نہیں یہ فاقہ مست
قرض انھیں بازی لگانا دیکھنا گھوڑوں کی جیت ۔۔۔ قرض ہی لیکر سہی لازم ہے لیکن بندوبست
دزدی و مکر و دغا جس طرح سے بھی زر کمائیں
غیر ممکن ہے کہ سینما یا تھیٹر یہ نہ جائیں
کچھ دھنیں سیکھیں و ہلنسے اور کچھ عیاریاں ۔۔۔ گھر پہونچکر مشق کی ہونے لگیں تیاریاں
گھیر لیں جس قوم کو اس طرح کی بیماریاں ۔۔۔ کیوں نہ پیش آئیں معالج کیلئے دشواریاں
غرب سے تا شرق جاری ہے جو آزادی کی ریل
بیش و کم اب ہر طبیعت کا اسی جانب ہے میل
لکھنؤ ہندوستاں کا ایک شہر منتخب ۔۔۔ جو دبستان تھا پئے تعلیم تہذیب و ادب
آدمیت سیکھتے تھے جس جگہ آ آکے سب ۔۔۔ ہو گئی انسانیت رخصت وہیں ہے یہ ہے غضب
شیعوں کی موجودہ نسلیں بیشتر آوارہ گرد
وضع کی پروا نہ اپنے مال ہی کا جنکو درد
شاعری کا تھا کبھی مرکز یہی خیر البلاد ۔۔۔ نقد فن پر اسطرح بیٹھی نہ تھی گرد کساد
شعر کہتے تھے وہی ہوتے تھے جو روشن سواد ۔۔۔ ابتو شاعر ہیں یہاں مردم شماری سے زیاد
پڑکے نا اہلوں کے ہاتھ افسوس یہ بھی فن گیا
جس نے موزوں کر لئے دس شعر شاعر بن گیا
عہد شاہی تک صفی شعر و سخن کی قدر تھی ۔۔۔ درحقیقت اک عذاب جان ہے ابتو شاعری
ضیق میں دم آگئے دن فرمائشیں احباب کی ۔۔۔ روز کی بیگار سے فرصت نہیں ملتی کبھی
نظم میں تاریخی و جغرافیائی پٹریاں
اس چمن ہندی کا موجد میں ہوں واقف ہے جہاں

میں وہ ہوں جس نے سنواری لکھنؤ کی شاعری　　نظم میں مضموں نگاری کی طرف کی رہبری
میں نے پائی ابتداءً دادِ معنی گستری　　جانتا ہے خوب ہر دُرِّ سُخن کا جوہری
کون ہے سچا نگینہ اور جھوٹا کون ہے
خود پرکھ لیتے ہیں جن کو امتیازِ لون ہے

ہم کو دُنیا میں کسی کے ساتھ کاوش ہے نہ کد　　لیکن ایسے بھی ہیں کچھ بد بیں ادب سے نابلد
دیکھ کر بحرِ معانی کا ہمارے جزر و مد　　لوٹتے رہتے ہیں انگاروں پہ از راہِ حسد
دل میں دشمن بزمِ شعر کے بظاہر دوستدار
قوم کے "لختِ جگر" پر کرتے ہی رہتے ہیں وار

اُنکو منھ زوری دکھاتے ہیں یہ سرکش بدلگام[۲۱۵]　　انکے دادا پیر تک کرتے تھے جن کا احترام
پختہ کاروں کا سُخن اور اُس کے ناقد ایسے خام　　سر بسر اغلاط سے لبریز خود جن کا کلام
بندشیں کاواک، لفظیں سُست، معنی نادرست
اعتراضات ایسے کج فہموں کے ہونگے کیا درست

کہنہ میکش ہوں ترا اے ساقیِ فرخندہ خو　　رہ گئے میرے ہیں یہ چاروں گلشن خوش رنگ و بو
دہلی، فیض آباد، مٹیا برج، شہرِ لکھنؤ　　خاص اُردوئے معلّےٰ ہے جہاں کی گفتگو
آگئے تھے غزنی سے عہدِ التمش میں بادہ خوار
جدِ اعلیٰ کا یہیں ہے حوضِ شمسی پر مزار

سب سے پہلا ہند میں اپنا یہی میخانہ ہے　　جس جگہ اس وقت دورِ شیشہ و پیمانہ ہے
ضعفِ پیری میں بھی رنگِ لغزشِ مستانہ ہے　　مست سرجوشِ سُخن کل مجمعِ رندانہ ہے

---

[۲۱۵] اس دردانگیز اجمال کی تفصیل ضروری نہیں۔

موج مے نکلی ہے مینا سے جو بل کھاتی ہوئی
آئی ہے بادِ بہاری پھول برساتی ہوئی

ساٹھ باسٹھ سال سے ہوں مست صہبائے سخن — میرے ہی دم تک ہے روشن شمع مینائے سخن
مدتوں میں نے سنواری زلفِ لیلائے سخن — دل کے آئینے میں ہے تصویرِ زیبائے سخن

ہو گیا بوڑھا پر اس بُت کا پجاری اب بھی ہوں
مردہ ہوں لیکن ضعیفی زندہ نیہ بھاری اب بھی ہوں

یاد آیا میکدہ دل تھا میگسار زندگی — موت سے بدتر ہے پیری میں خمار زندگی
روح فرسا واقعات ناگوار زندگی — گو سمجھتا ہوں وبال دوش بار زندگی

زندگی بر گردنم اُفتاد باید زیستن
"شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن"

بار الٰہا شکر ادا کرتا ہوں تیرا اس گھڑی — طے بہ آسانی ہوئی ہر چند منزل تھی کڑی
سج گیا گلدستہ گو سجنے میں کچھ محنت پڑی — یہ ضمیمہ بھی اُنھیں پھولوں کی ہے اک پنکھڑی

قصہ ختم اب ہو چکی لختِ جگر کی جو بلی
قوم نے اتنے دنوں تک ہم سے خدمت خوب لی

ہے مگر جانکاہ اب فکرِ سخن میرے لئے — وصفِ قد و زلف ہے دار و رسن میرے لئے
لا یکا جب شیب کا فورِ کفن میرے لئے — سخت نا زیبا ہے گلگشتِ چمن میرے لئے

قصد آنے کا نہ تھا فرصت نہ تھی انکار سے
توبہ لیکن توڑ دی احباب کے اصرار سے

پھر وہی میکش وہی ساقی وہی میخانہ ہو　　پھر وہی مے ہے وہی شیشہ وہی پیمانہ ہو
پھر وہی جوش و خروش محفل رندانہ ہو　　پھر وہی ہم ہیں وہی طوف درجانانہ ہو

مل رہے ہیں رند آنکھیں نقش پائے شاہ پر
پھول نرگس کے چڑھانے آئے ہیں درگاہ پر

آستان شاہ مرداں کے مجاور ساقیا　　نظم وہیں تک رہا لخت جگر کا سلسلا
اک مجلد میں چھپے گا اب یہ قومی تذکرا　　غور سے پڑھ اور دستور العمل اسکو بنا

جمع ہیں ہر جزو میں جسکے کل اسباب حیات
قطرہ قطرہ جرعہ جرعہ چشمۂ آب حیات

حشر تک آباد ساقی تیرا میخانہ رہے　　جابجا ہر سال یونہیں دور پیمانہ رہے
میری نظموں کا زباں پر تیری افسانہ رہے　　زیور گوش سماعت در یکدانہ رہے

تاکہ قومی نونہالوں کو سبق اس سے ملے
راستہ بھولے ہوؤں کو راہ حق اس سے ملے

دعوتِ تخت جگر

بتقریب

انعقادِ اجلاس آل انڈیا شیعہ کانفرنس بمقام "لکھنؤ"

بتاریخ ۲۵ لغایت ۲۷ ماہِ دسمبر ۱۹۳۶ء

(بصدارت)

عالی جناب راجہ محمد امیر احمد خاں بہادر بالقابہ

والی ریاست محمود آباد دام اقبالہ

لختِ جگر

پہونچے ہیں جتنے زباں کے نیشتر سے متصل
زخم وہ ہونے نہیں پائے ابھی تک مندمل
ہیں مصر احباب لیکن اے قوائے مضمحل
دعوتِ "لختِ جگر" میں صرف ہو پھر خونِ دل
گو کہ ہم خادم تمہارے اور تم مخدوم ہو
پر سنائینگے کھری چاہے بُرا معلوم ہو

قوم بیچیں! لے ذرا انجام کی اپنے خبر
تیرا مستقبل بہت تاریک آتا ہے نظر
باندھکر نکلا تھا جو طے منازل پر کمر
چاند ستائیسویں کا ہے وہی "لختِ جگر"
ظلمتوں میں گھر کے پامالِ مصائب ہو نجائے
گھٹتے گھٹتے جرم نورانی یہ غائب ہو نجائے

عید کرنے خواہ سرکاری نمائش دیکھنے
آگیا گھر اپنے یہ قومی مسافر خیر سے
زیست کے جنکی ہیں سن جو بیٹں سے لالے پڑے
اب چٹائے قوم اسے خاکِ شفا' یا زہر دے
چاہے کچھ ہو، رائے ہرگز میں بدل سکتا نہیں
لاعلاج اس کا مرض ہے یہ سنبھل سکتا نہیں

زندگی تک اسکی قائم ہے وقارِ قومیت
ورنہ بعد اسکے خزاں سمجھو بہارِ قومیت
مٹ گیا جس دن یہ نقشِ اعتبارِ قومیت
مٹ کے رہ جائے گا سارا اقتدارِ قومیت
کام میں جس وقت تک نفسانیت کو لاؤگے
جیسے قومیں مٹ گئیں تم بھی یونہیں مٹ جاؤگے

مجلس شورے جو ہی حبل المتین قومیت | جب وہ سمجھی جائے مار آستین قومیت
جسکے اجزا کو نہو قدر نگین قومیت | قوم ایسی قوم ہے داغ جبین قومیت

کیا نتیجہ، پستی فطرت کا جب یہ حال ہے
آصفی عاشور خانے میں اگر پنڈال ہے

ایک ٹکڑے میں اسی "لخت جگر" کے بیش و کم | ہو چکا ہے وصف اس عاشور خانے کا رقم
آج اسی منزل میں جب ہیں بزم شورے کے قدم | پھر سنائے دیتے ہیں پڑھکر اسے اس وقت ہم

یادگار آصف الدولہ یہ قصر بے عدیل
اجتماع قوم کا اس عہد میں بھی ہو کفیل

جس نے بنوایا اسے ہمت پر اسکی آفریں | خوشنما اتنی عمارت ایسی دنیا میں نہیں
لمبے چوڑے اسکے وہ درجے وہ اونچی نشیں | بے تکلف آسماں سے باتیں کرتی ہو زمیں

وہ کشادہ صحن اور وہ مرتفع دیوار و در
پھر تماشا جب جسے دیکھا کرے پہروں نظر

اس طرف پہلو میں مسجد اُس طرف اک باؤلی | صحن میں ترشے ہوئے سبزے کا فرش مخملی!
ہی عمارت کی عمارت جیسے سانچے میں ڈھلی | بانی اس قصر علا کا آصف الدولہ ولی

صدر دروازے پہ تعمیر اک نوبت خانہ ہے
دیکھو روکار عمارت کس قدر شاہانہ ہے

نیو اس تعمیر کی پہونچی ہوئی پاتال تک | چھت بلند اتنی کہ گویا زینۂ بام فلک
سیر کو اکثر اترتے ہیں اسی پر سے ملک | گرزیاں گرد عمارت صاف ستھری بیڈلک

ڈاٹ کی اتنی بڑی چھت اور اس پر یہ لداؤ
ہی ہماری عقل حیراں ماہ و انجم تم بتاؤ

سیکڑوں چھت ہیں مصوّر قطار اندر قطار — جنکی خوش وضعی پہ ہر دم گنبد بے در نثار

جا کے اندر باہر آنے کی کرے کوشش ہزار — عقل چکرائیگی کیسا ہی نہ کیوں ہو پختہ کار

ہوش گم کن، حیرت افزا، طرفہ منزل گاہ ہے

جسکے اندر گشت و گردش واقعی جانکاہ ہے

بیچ کے درجے میں ہے قبر کریم ابن کریم — وہ سخی جس کا سخاوت میں نہ تھا کوئی سہیم

لوح پہ یہ سال رحلت خود وہ جنّت میں مقیم — ھُم فیہا رَوحٌ وَّ رَیحانٌ وَّ جنّتُ النعیم

نصب چاندی کا کٹہرا خوشنما گرد مزار

قبر پر محفوظ دستار وزارت زرنگار

اینٹ چونے کی عمارت حد کی مستحکم مگر — تا بہ کرسی تین طبقے تینوں فردوس نظر

چاہ پختہ، حوض مسجد، بلکہ ہر دیوار و در — سب سے عالی ہمتی شان امارت جلوہ گر

طاقچوں، حجروں سے، ہر گوشے میں اک زینت گری

خوشنما زینوں سے پیدا شکل ضرب منبری

تھا اسی سرکار کا وہ خوشنویس نامدار — خط نورانی پہ جس کے گوہر انجم نثار

نازش لوح و قلم، استاد فن، معجز نگار — دید کے قابل ہے جسکی بینش افزا یادگار

کتبۂ روکار مسجد اور کتبہ چاہ کا

نقش دل انگیز حافظ شیخ نور اللہ کا

طاق کسریٰ کا جو ہے دروازۂ رومی جواب — روز پڑتی ہے اسی پر پہلے چشم آفتاب

کیا کرے رفعت کا تخیل فلک پیما حساب — فصل بارش میں نکل جاتا ہے اس در سے سحاب

وقت پرواز اس سے اونچے اڑ نہیں سکتے پرند

پست اس در کے مقابل قلۂ کوہ بلند

کیگئی ہے دعوتِ "لختِ جگر" ابکی یہیں   اور بحمداللہ گرہ پڑتی ہے ستائیسویں
خرمنِ انوار سے کیونکر نہ ہو گا خوشہ چیں   ماہ کی منزل ہے زیرِ پرتوِ مہرِ مبیں

ہے یہ فالِ نیک قسمت نے بڑھا دی قدرِ بزم
نوجواں راجہ امیر احمد ہوئے جب صدرِ بزم

رہ کے قرصِ مہ "صفی" زیرِ شعاعِ آفتاب   ہو گا ماہِ نو کی صورت جلوہ گر باآب و تاب
بنکے خورشیدِ ضیا گستر کا موزوں انتخاب   عہدِ پیری میں یہ سمجھا میں پلٹ آیا شباب

یارب! ان ہاتھوں سے جلد اب قوم کی تنظیم ہو
ہر جواں کو ورزش و اخلاق کی تعلیم ہو

چاہتے ہیں آپ اگر، ہو قوم کا افلاس دور   کارخانے، صنعتی اسکول کھلوا کر حضور
مختلف پیشے سکھائے جائیں شیعوں کو ضرور   ورنہ مشکل ہے نبھنا ان کا تا یوم النشور

شیعہ جب کثرت سے ہیں محتاجِ قوتِ لایموت
یہ اچھوتوں کی جگہ انکی جگہ لیں گے اچھوت

قوم کے افراد بھی کچھ فکرِ مستقبل کریں   قوتِ بازو سے جائز مال و زر حاصل کریں
دل کو قدرِ وقت و ضبطِ نفس کا قائل کریں   جو ہیں بیکار اُن کو کسبِ کار پہ مائل کریں

منعمانِ ذی اثر مل کر سنبھالیں قوم کو
خوشنما اخلاق کے سانچے میں ڈھالیں قوم کو

پائے تمرینِ نظامی ماتمی ہر انجمن،   نوجواں سیکھیں سلحشورانہ و گردانہ فن،
دستہ دستہ جاں نثارانِ شہِ خیبر شکن   ہوں صدا دے قوم پر لبیک کہکر گامزن

کوئی دستہ کاردانِ مشکلاتِ غرق و حرق
باعمل کوئی مبادیاتِ جراحی میں برق

ملکی و ملّی مجالس کیلیئے المختصر قوم کو دکھادیں ایسے ہی اب والنٹیر
لیس اپنی وردیوں میں حکم پہ باندھے کمر ہو ضرورت جس جگہ پہونچیں معین وقت پر
کار آمد یوں اگر بن جائیں کل افراد قوم
شاد ہوگا دیکھکر اُن کو دلِ ناشاد قوم

ہیئت ملّیہ و شوریٰ کے بیخ کن مذہبی بن کر، کبھی بن کر پرستار وطن
چار سو پھیلاتے رہتے ہیں برابر سوءِ ظن ناپسندیدہ روش ہے نامناسب یہ چلن
خود مجلہ بھی گو ندیں ایثار میں بخل اسقدر
ہے مگر الزام سارا مجلس شوریٰ کے سر

بیسیوں شخصی ادارے مرکزیت کے خلاف اپنی ہستی پر چڑھا کر مذہبیت کا غلاف
ہیں پۓ تحصیل زر دن رات گرم اعتساف کیا مناسب یہ روش ہے؟ کہہ دیجئے صاف صاف
قوم یا کوئی کُرہ ہے یا آلہ العالمیں!
جسکے ہر نقطے کو یہ دعوےٰ کہ مرکز ہیں ہمیں

کیوں نہ ایسی قوم سے حسنِ عمل ہو جائے حبط جسکے قول و فعل میں پایا نجائے کوئی ربط
آپا دھاپی جب یہ ہو، کیسے ہنسی کیونکر ہو ضبط جتنے منہ اتنی ہی باتیں، جتنے سر اُتنے ہی خبط
یاد رکھو حشر پیسہ فنڈ کا جو کچھ ہوا
بس وہی انجام ہوگا پانچ پیسے فنڈ کا

ایک نصب العین اپنا ملکے سب قائم کرو متحد ہوکر چلو نا اتفاقی چھوڑ دو
یہ دوئی کیسی بتاؤ؟ مذہباً جب ایک ہو خود تو سنبھلو پہلے بعد اسکے سنبھالو قوم کو
نکتہ چین بزمِ شوریٰ اک ذرا یہ تو کہیں
جمع کتنا کر دیا سرمایۂ محفوظ میں

قرن اک گذرا مگر تنظیم ہی کوئی نہیں ۔۔۔ منہمک آویزشوں میں اہلِ دنیا اہلِ پی
فی کس اک پیسہ اگر سالانہ دیتے مومنیں ۔۔۔ جمع ہوجاتی رقم لاکھوں کی اب تک بالیقیں

بے حسی جس قوم کے افراد میں ہو اس قدر
اسکا الزام آپ رکھو ہیں مجلسِ شوریٰ کے سر

شعبہ ایسے کام بھی جسمیں نہو کچھ صرفِ زر ۔۔۔ کر نہیں سکتے کبھی بے حس و مس ہیں اس قدر
حضرتِ ممتاز نے کتنی اپیلیں کیں مگر ۔۔۔ دل پر اپنے بے حسوں نے کب لیا کوئی اثر

نقشۂ مردم شماری تک نہ جو خود بھر سکے
ایسی کاہل قوم ناممکن ہے کچھ بھی کر سکے

قوم اگر تیرا نظامِ قومیت برہم رہا ۔۔۔ غفلتِ افرادِ ملت کا یہی عالم رہا
زخمِ دل اغیار کا منت کشِ مرہم رہا ۔۔۔ اسطرح زندہ رہی گویا لبوں پر دم رہا

ختم ہوجا پھر تو ایسی زندگی سے فائدہ
آخر اس بیچارگی و بندگی سے فائدہ

کیا ترقی کر سکے گا وہ گروہِ بد نصیب ۔۔۔ جسکے قومی شعبہ جات اک دوسرے سمجھیں رقیب
دور کیوں جاؤ یہی عاشور خانہ ہی غریب ۔۔۔ جو سقیم الحال تھا مثلِ مریضِ بے طبیب

غار کیا گویا کہ اک ناسور تھا بالائے بام
رسنے سے بارش کا پانی چھت قریبِ انہدام

ذیلِ آثارِ قدیمہ میں جو اسکو لے لیا ۔۔۔ تھا یہی زیبا حکومت نے بہت اچھا کیا
زخمِ سر سیمنٹ کے مرہم نے بالکل بھر دیا ۔۔۔ یہ مریضِ سر شکستہ مرتے مرتے بچ گیا

جز حکومت حوصلہ مند و نہیں تھا کسکا یہ ظرف
اس عمارت کی مرمت میں کرے دو لاکھ صرف

اہل دنیا ملت شیعہ میں ہوں یا اہل دیں — ایک کیا دونوں ہی میں احساس قومیت نہیں
دونوں خالی بحث میں آندھی چڑھا کر آستیں — سر میں یہ سودا کہ سمجھے جائیں ڈکٹیٹر ہمیں

جنتی فرقے کی فردیں کچھ ادھر ہیں کچھ ادھر
باہمی اس کشمکش کا کل اداروں پر اثر

اس طرح باہم گر افراد ملت کا شقاق — قوم پرور دل جو ہیں کیونکر نہ گزرے انکو شاق
اسلئے گر ہو مناسب بہرِ رفعِ افتراق — انتخاب اس طرح کا منظور ہو بالاتفاق

پنج سالہ دور یا سہ سالہ مدت کے لئے
باری باری معتمد ہو منتخب ہر صنف سے

قوم کا مجموعہ بالفعل اسطرح تقسیم ہو — ممتحن ہر مشرقی و مغربی تعلیم ہو
یہ ہو یا کچھ اور ہو ایسی مگر اسکیم ہو — جس سے شیعہ منتشر افراد کی تنظیم ہو

ایک ہی مرکز سے وابستہ ہو نصب العینِ قوم
رخنہ افگن تا نہ ہو کوئی غرابِ البین قوم

فرقہ دارانہ تعصب ہر طرف ہے رونما — اور تمھیں احساس کچھ اسکا نہیں آخر یہ کیا
زک پہ زک پاتے ہو پر آنکھیں نہیں کھلتیں ذرا — تابکے یہ غفلتیں ہشیار ہو بہرِ خدا

ہے جداگانہ تمھاری جب سیاسی انجمن
کیوں نہیں جاتے وہاں اے پیروانِ پنجتن

اب بھی تم شیعو! نہ چونکے خوابِ غفلت سے اگر — یہ سمجھ لو پھر کہ آؤ گے اچھوتوں میں نظر
زندگی کرنا پڑے گی تلخ کامی سے بسر — ہونگے تم پر نوحہ خواں اس شہر کے دیوار و در

اس لئے کل طبقے مل جل کے سکت پیدا کریں
پیکرِ بےحس میں روحِ قومیت پیدا کریں

اے پرستارانِ ذاتِ پاک حیّ لا یموت — دیکھیے للہ اپنی زندگی کا کچھ ثبوت
جو نظامِ قومیت ہے مثلِ تارِ عنکبوت — کیجیے مستحکم اسکو کبتک آخر یہ سکوت

ہمتو جب اے مجلسِ شورے تجھے زندہ کہیں
کم سے کم دس لاکھ ہوں سرمایہ محفوظ میں

سوئے میدانِ عمل باگ اہلِ ہمت موڑ دیں — ہر شکستہ رشتۂ الفت کو مل کر جوڑ دیں
قوم کے افراد یا غفلت شعاری چھوڑ دیں — یا تو جو قومی ادارے ہیں انھیں کو توڑ دیں

زندہ رہنا ہے اگر تو سعی کافی چاہیئے
اپنی پچھلی غفلتوں کی کچھ تلافی چاہیئے

ہے تموّل قوم کا اسکے لئے وجہ بقا — یوں نہیں جیسے جسمِ انسانی میں دورہ خون کا
قوم کو اسراف کی فصدوں نے مردہ کر دیا — ہچکی پھر کہیں نہو طاری کہ تو یہ ہچکا

شیعہ مفلس ہو گئے جنکے سبب سے بالعموم
قابلِ اصلاح ہیں شادی و غمی کے وہ رسوم

یہ پنپ جائیں جو اب بھی صرفِ بیجا چھوڑ دیں — قرض لینا، دس کمانا، سو اڑانا، چھوڑ دیں
عادتیں بگڑی ہوئی ہیں کیجیئے کیا کیا چھوڑ دیں — جو بُری ہیں صرف اُنھیں باتونکو اچھا چھوڑ دیں

بزم شورے کا ٹکٹ لینے میں صدہا عذرِ لنگ
صرف بیجا کے لئے لیکن نہیں ہے ہاتھ تنگ

کون سے عالم کا فتوی ہے ذرا یہ تو بتائیں — ہر تھئیٹر، سینما، گھوڑ دوڑ میں یہ دوڑ جائیں
بلکہ فعلِ مستحب ہے بیٹھکر بازی لگائیں — بزمِ شوریٰ کے سفیروں کو مگر سوکھی سنائیں

اک یہی پابندِ شرع و تابعِ آئین ہیں
بزم شورے میں تو کل بیدین ہی بیدین ہیں

زندہ قوم اپنے اچھوتوں کو ملاتی ہے حضور — آپ اپنے بھائیوں سے بھاگتے ہیں دور دور
واہ ری عقل و فراست، واہ رے فہم و شعور — اب ہے اسمیں آپکا یا بزمِ شوریٰ کا قصور
دے رہی ہے وہ تو یکساں سبکو پیغامِ عمل
گو مخالف ہی سہی شرکت تو کیجے لا اقل

بزمِ شوریٰ سے عداوت اختلافِ رائے پر — آپ کو زیبا نہیں، ہیں قوم پرور آپ اگر
ہمتِ ادورڈ ہشتم پر ذرا کیجے نظر — تخت ملت کے حوالے کر دیا دیہیم زر
رہتی ہے شرکت کے بارے میں جو اکثر قیل و قال
آپکے دل میں عجب کیا یہ گذرتا ہو خیال

بزمِ شوریٰ میں دھرا ہی کیا ہے دنیا ہے نہ دیں — کوئی دلچسپی اگر ہوتی، پہونچتے مومنیں
صحبت ایسی قابلِ شرکت ہی کب ہے بالیقیں — جسمیں عورت، سینما، یا وعظ و مجالس کچھ نہیں
مختلف چندوں میں جب دینا پڑے گی کچھ رقم
کون جائے، باز آئے ایسی قومیت سے ہم

اک ادارہ اور ہے جاری ہے جسکا فیضِ عام — جس کی "سلور جبلی" کا ہو رہا ہے انتظام
جسکا ہے "سادات تعلیمی وظیفہ فنڈ" نام — مدتوں سے درحقیقت کر رہا ہے خوب کام
سوکھ جاتے ورنہ صدہا باغِ ملت کے شجر
جنکی نزہت ہے اسی کی آبیاری کا ثمر

جانے دیجے بزمِ شوریٰ کو اسی کو دیکھئے — ہے اگر حساس دل پہلو میں، کچھ تو دیکھئے
جبر کرکے دل پہ ممکن جسطرح، ہو دیکھئے — کم سے کم قومی ادارے ایک یا دو دیکھئے
رائے قائم کیجے کیوں اپنی اب بے دیکھے ہوئے
ورنہ جائینگے یہی اہلِ نظر کہتے ہوئے

آپکے نزدیک تو جو کچھ ہے گویا۔ کچھ نہیں — شیعہ کالج کچھ نہیں، دار الیتامیٰ کچھ نہیں
سرفراز اخبار، اور اسکا رس کیا کچھ نہیں؟ — آپ ہی سب کچھ ہیں کیسی بزم شورے کچھ نہیں

جب ہے سب کچھ، کچھ نہیں، اس کچھ نہیں کا کیا علاج
چارہ ساز و خبط سوفسطائیت ہے لاعلاج

اک نیا مضموں نظر آیا ہمیں اخبار میں — شیعہ سب یعنی گورنر کو یہ اب درخواست دیں
گائے پیاری ہندوؤں کو اور گھوڑا ہی ہمیں — دونوں کانجی ہوس سے آزاد و مستثنیٰ رہیں

بات تو معقول ہے لیکن کہونگا یہ ضرور
بزم شوریٰ یا بشیر کا ہے یہ میلا حضور؟

فرض ہے شیعوں پہ گر اس جانور کا احترام — گھوڑا جو دلدل بنے اُس سے نہ لیں خود کوئی کام
یکّے تانگے میں نہ جوتیں بے تکلف صبح و شام — باندھ کر اصطبل میں رکھیں باآرامِ تمام

چھوڑ دیں آزاد اُسے کیوں؟ گر ہو فکرِ قید و بند
ایسے اصلاحات ہونگے ورنہ وجہِ ریشخند

آدمی پھر آدمی ہے جانور پھر جانور — پہلے ہمجنسوں پہ لازم ہے عنایت کی نظر
کیا ہے تخصیصِ فرس اے مہربانِ خوش سیر — اونٹ پر بھی بیٹھتے تھے حضرتِ خیر البشر

احتراماً اسکو بھی سمجھیں نہ کیوں آزادِ ابل
ندرتِ خلقت پہ جسکی ہو چکا ہے پاس بل

للہ الحمد اے گروہِ شیعیانِ سرگراں — اب کفِ محبوب میں ہے بزم شوریٰ کی عناں
ہو کے میں حبِّ قومی کا ذرا دو امتحاں — آؤ مرکز پر سمٹ کر کارواں در کارواں

صنعتی، زرعی، نمائش اک طرف سرکار کی
ہو نمائش ایک جانب قوم کے ایثار کی

ہو گیا جب ختم اے شیعو! اندھیرا تھا جو پاکھ　　چاند دیکھا عید کا اب تو جگاؤ اپنی ساکھ
پھونک دو ہر دل کی چنگاری یہ بجھتی ہی جو راکھ　　پاس صدرِ محترم کے جمع کر دو چند لاکھ

کام دے تا وہ رقم سرمایۂ محفوظ کا
ننگ ملت ہے عدم سرمایۂ محفوظ کا

استطاعت خیر اگر دس بیس دینے کی نہو　　پانچ پیسے فنڈ ہی میں بنا قومی ٹکیس دو
حامیِ تنظیم ہو دل سے جو تم ہمتو رو!　　اٹھ کھڑے ہو یا علی کہکر ذرا کوشش کرو

کُنمنائے ہو تو اُٹھو، اب اگر سو جاؤ گے
پھر قیامت تک نہ اٹھو گے فنا ہو جاؤ گے

خیر خواہی کی نظر سے ہم نے جو باتیں کہیں　　رس رہا ہے دل کا ہر ناسور یہ لفظیں نہیں
اس لئے تا ہوش میں آجاؤ کاش اب بھی یہیں　　یاد رکھو نفع دینگے، یاد اگر تم کو رہیں

گر قبول افتد زہے عز و شرف اے چشم تر
خونِ دل سے ہم نے کی ہے دعوتِ لختِ جگر"

مطبع
نظامی پریس
لکھنؤ